مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

اسلامیات

پانچواں پرچہ

اسلام ہندوستان میں

(ایم۔اے سال دوم)

نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد
Maulana Azad National Urdu University
(A Central University established by an Act of Parliament 1998)

پروفیسر خواجہ محمد شاہد
وائس چانسلر (انچارج)

پروفیسر کے۔آر۔اقبال احمد
ڈائرکٹر نظامت فاصلاتی تعلیم

خود اکتسابی مواد برائے

اسلامک اسٹڈیز (سال دوم)

نظامت فاصلاتی تعلیم
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، گچی باؤلی، حیدرآباد 500032
EPABX : 040-23008402/03/04
www.manuu.ac.in

طبع: ستمبر 2015ء
کاپی رائٹ © مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، گچی باؤلی، حیدرآباد۔
اس کتاب کا کوئی بھی حصہ کسی بھی انداز میں یونیورسٹی کی تحریری اجازت کے بغیر استعمال نہیں کیا جا سکتا۔
یہ کتاب مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے نصاب کا ایک جزو ہے۔

تحریری معاونین

مصنفین	اکائی
● مولانا عمر عابدین مدنی	1-4
● ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی	5-8
● ڈاکٹر مظفر علی	9-13
● ڈاکٹر محمد عرفان احمد	14-15
● ڈاکٹر عمر فاروق	16-18
● مفتی محمد مشتاق تجاروی	19-21
● پروفیسر اقتدار محمد خاں	22-23
● ڈاکٹر صفیہ عامر	24

مدیر

● مولانا سید عبدالرشید

شعبہ اسلامک اسٹڈیز

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

مدیر اعلیٰ

ڈاکٹر محمد فہیم اختر

اسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

فہرست مضامین

بلاک 1 : ہندوستان میں اسلام کی آمد اور اشاعت			**7**
اکائی	1	عرب و ہند تعلقات اور ابتدائی مسلم آبادیاں	9
اکائی	2	سندھ کی فتح اور حکومت کا نظم و استحکام	29
اکائی	3	سندھ میں عربوں کی حکومتیں	42
اکائی	4	شمالی ہند میں مسلمانوں کی آمد	63
بلاک 2 : دہلی سلطنت			**83**
اکائی	5	دہلی سلطنت کا قیام اور سلاطین	87
اکائی	6	دہلی سلطنت کا نظم و نسق	108
اکائی	7	دہلی سلطنت میں نظام عدل اور سماجی و مذہبی حالات	126
اکائی	8	دہلی سلطنت میں علمی خدمات اور فن تعمیر	141
بلاک 3 : علاقائی حکومتیں			**163**
اکائی	9	بہمنی حکومت کا قیام، استحکام، خدمات اور زوال	165
اکائی	10	نظام شاہی حکومت، عادل شاہی حکومت، قطب شاہی حکومت، برید شاہی حکومت، عماد شاہی حکومت	185
اکائی	11	جونپور کی شرقی حکومت، سوری خاندان کی حکومت	203
اکائی	12	گجرات، مالوہ اور خاندیش کی حکومتیں	220
اکائی	13	بنگال اور کشمیر کی حکومتیں	240
بلاک 4 : مغل حکومت			**255**
اکائی	14	مغلیہ حکومت کا قیام، عروج اور استحکام	257
اکائی	15	مغلیہ حکومت کا نظم و نسق	273
اکائی	16	نظام عدل اور سماجی و مذہبی حالات	285
اکائی	17	علمی خدمات، فنون لطیفہ، فن تعمیر	316
اکائی	18	دور زوال اور حکومت کا خاتمہ	344
بلاک 5 : جدید ہندوستان			**365**
اکائی	19	برطانوی دور	367
اکائی	20	مسلم ریاستیں	382
اکائی	21	جنگ آزادی اور مسلمانوں کا کردار	400
اکائی	22	تحریکات اور ادارے: (تحریک مجاہدین، تحریک ندوہ، تحریک علی گڑھ، تبلیغی جماعت، سنی بریلوی جماعت، جمعیۃ علمائے ہند، جماعت اسلامی، مرکزی جمعیت اہل حدیث، جامعہ ملیہ اسلامیہ، امارت شرعیہ، دارالمصنفین، دائرۃ المعارف)	413
اکائی	23	مسلم شخصیات: (شاہ عبدالعزیز دہلوی، مولانا فضل حق خیرآبادی، مولانا سید نذیر حسین محدث، مولانا عبدالحی فرنگی محلی، سید امیر علی، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان، علامہ شبلی نعمانی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا ابوالکلام آزاد، سید عابد حسین)	450
اکائی	24	موجودہ صورت حال (مسلم آبادی، تعلیمی صورت حال، معاشی صورت حال، سماجی صورت حال)	475

پیش لفظ

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، جو پارلیمنٹ کے ایکٹ کے تحت 1998ء میں قائم ہوئی، ملک کی واحد مرکزی یونیورسٹی ہے، جہاں اردو زبان کے ذریعہ مختلف مضامین کی تعلیم دی جارہی ہے۔ یہ یونیورسٹی روایتی اور فاصلاتی دونوں ہی طریقوں سے تعلیم وتدریس کی سہولتیں فراہم کرتی ہے۔ یونیورسٹی کی جانب سے جہاں روایتی تعلیم کے تحت، سائنس اور سماجی علوم، لسانیات، انتظامیہ و کامرس، تعلیم و تربیت، انفارمیشن ٹکنالوجی اور صحافت وغیرہ کے مختلف مضامین میں انڈر گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ کی سطح سے لے کر ایم۔فل اور پی ایچ ڈی کی سطح تک متعدد کورسز چلائے جارہے ہیں، وہیں فاصلاتی تعلیم کے تحت انڈر گریجویٹ، پوسٹ گریجویٹ، سرٹی فیکیٹ اور ڈپلومہ کی سطحوں پر مختلف مضامین کے کورسز چلائے جارہے ہیں، جن کے ذریعہ پورے ملک کے طلبہ و طالبات کی ایک بہت بڑی تعداد اعلیٰ تعلیم کے زیور سے آراستہ ہورہی ہے۔ روایتی تعلیم کے تحت جاری کورسز میں ایم۔اے 'اسلامیات' کا کورس بھی شامل ہے۔ جس کی دو سالہ تعلیم یونیورسٹی کے مرکزی کیمپس واقع حیدرآباد میں دی جارہی ہے۔

یونیورسٹی نے چند برسوں قبل فاصلاتی تعلیم کے تحت بی۔اے کے تین سالہ کورس میں اختیاری مضمون کے طور پر 'اسلامیات' (Islamic Studies) کو شامل کیا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کو یہ اعزاز حاصل ہوا تھا کہ یونیورسٹی کی جانب سے پہلی بار ملک کے اندر اردو زبان میں اسلامیات کا نصابی مواد فاصلاتی تعلیم کے نہج پر پیش کیا گیا تھا۔ بی۔اے کا یہ کورس کامیابی کے ساتھ جاری ہے، اور طلبہ و طالبات کی ایک بڑی تعداد 'اسلامیات' کے ساتھ بی۔اے کی تعلیم مکمل کرچکی ہے۔

اس بات کی شدید ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ فاصلاتی تعلیم کے تحت 'اسلامیات' میں ایم۔اے کی تعلیم کا آغاز کیا جائے۔ ملک کے مختلف حصوں سے اس کے مطالبے بھی کیے جارہے تھے۔ چنانچہ اسی ضرورت اور طلبہ و طالبات کے تقاضوں کے پیش نظر 2014ء میں ایم۔اے 'اسلامیات' کا آغاز کیا گیا۔ زیر نظر کتاب اسی کورس کے لیے تیار کیے گئے، خود تدریسی مواد (Self Learning Material) برائے سال دوم کا مجموعہ ہے۔

ایم۔اے اسلامیات کورس کے لیے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے جدید دور کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے نیا اور جامع نصاب تیار کیا ہے۔ اور اس نصاب کے مطابق اسلامیات کے ماہرین کی مدد سے درسی مواد تیار کرکے گئے ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کو اس حوالہ سے دوبارہ یہ اعزاز حاصل ہورہا ہے کہ ملک میں پہلی مرتبہ اردو زبان میں ایم۔اے اسلامیات کا درسی مواد (آٹھ پرچوں پر مشتمل آٹھ کتابوں کی شکل میں) پیش کیا جارہا ہے اور اس سے طلبہ و طالبات کی ایک بڑی ضرورت مکمل ہورہی ہے۔

اسلامیات کا موضوع بڑا وسیع اور متنوع ہے۔ اس میں اسلام اور مسلمانوں کی ڈیڑھ ہزار برس کے طویل دورانیہ پر مشتمل اور ہندوستان کے بشمول دنیا کے ایک بڑے حصے میں پھیلی اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ و ثقافت اور علوم و فنون کے میدانوں کی سرگرمیوں کا احاطہ شامل ہے۔ اس لیے اسلامیات کا موضوع نہ صرف سماج کے ایسے متعدد پہلوؤں کے مطالعہ کا موقع فراہم کرتا ہے جو انسانی زندگی سے گہرا ربط

رکھتے ہیں، بلکہ انسانی سماج کے کوناکوں مسائل کے بارے میں گہری بصیرت بھی عطا کرتا ہے۔

ایم۔اے اسلامیات کا یہ کورس آٹھ پرچوں پر محیط ہے، جسے دو سال کی تعلیم کے دوران مکمل کیا جائے۔ سال اول کے چار پرچوں میں اسلام کا تعارف اور بنیادی تعلیمات، علوم اسلامیہ، مسلم تہذیب وثقافت کی تاریخ نیز اسلامی افکار ونظریات کے جدید تناظر پر مواد پیش کیا گیا ہے۔ سال دوم کے لیے بھی چار پرچے ہیں۔ چنانچہ پانچواں پرچہ **'اسلام ہندوستان میں'** کے عنوان سے ہے، جس کے پانچ بلاک میں ہندوستان میں اسلام کی آمد واشاعت پر گفتگو کی گئی ہے۔ پھر دہلی سلطنت کے قیام اور اس کے تین سو سالہ دور کے تمدنی وتہذیبی کارناموں کا تعارف کرایا گیا ہے، علاقائی حکومتوں کے ضمن میں دکن کی بہمنی سلطنت اور اس سے نکلنے والی چھوٹی حکومتوں کے ساتھ دیگر علاقائی چھوٹی حکومتوں پر گفتگو کی گئی ہے۔ پھر مغل حکومت کی تاریخ، تہذیب وتمدن اور کارکردگی کا جائزہ لیا گیا ہے۔ آخر میں جدید ہندوستان کے عنوان سے برطانوی دور اور اس کے بعد کی مسلم ریاستوں نیز ہندوستان کی مسلم شخصیات، تحریکات اور اداروں پر روشنی ڈالتے ہوئے مسلمانوں کی موجودہ صورت حال پر گفتگو کی گئی ہے۔ چھٹے پرچہ میں **'علوم وفنون میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کی خدمات'** کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ چنانچہ اس میں اسلام اور سائنس، علوم وفنون میں مسلمانوں کا حصہ، استشراق ومستشرقین اور اسلامی علوم میں غیر مسلموں کی خدمات کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ ساتواں پرچہ **'مسلمان عالمی گاؤں میں'** کے عنوان سے ہے۔ اس میں مسلم دنیا کے علاوہ، یورپ وامریکہ اور افریقہ وایشیا وغیرہ کی مسلم اقلیتوں پر روشنی ڈالتے ہوئے عالمی گاؤں کی موجودہ مسلم تحریکات وادارے اور مسلم مفکرین ومصلحین کا تعارف کرایا گیا ہے۔ آٹھواں پرچہ **'مسلم فلسفہ، کلام، مسلم فرقے اور تجدید دین'** کے موضوع پر ہے، جس میں مسلم فلاسفی، علم کلام ومتکلمین اسلام، متعدد مسلم فرقے اور تجدید دین کے حوالے سے ہونے والے کاموں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

یونیورسٹی نے اس نصاب کی تیاری میں ممتاز ماہرین اسلامیات اور دانشوران فن سے استفادہ کیا ہے جنہوں نے بڑی محنت کے ساتھ اسے تیار کر کے یونیورسٹی کو اپنا قیمتی تعاون پیش کیا ہے۔ توقع کی جاتی ہے کہ یہ کتاب اسلامیات کے طلبہ وطالبات کی ضرورت بہتر طور پر پوری کرے گی، ساتھ ہی اسلامی مطالعات کے باب میں قابل قدر استفادہ کا باعث بنے گی۔

پروفیسر خواجہ محمد شاہد

شیخ الجامعہ (کارگذار)

بلاک:1 ہندوستان میں اسلام کی آمد اور اشاعت

فہرست

اکائی نمبر	عنوان
1	عرب و ہند تعلقات اور ابتدائی مسلم آبادیاں
2	سندھ کی فتح اور حکومت کا نظم و استحکام
3	سندھ میں عربوں کی حکومتیں
4	شمالی ہند میں مسلمانوں کی آمد

اکائی 1 :عرب وہند تعلقات اور ابتدائی مسلم آبادیاں

اکائی کے اجزاء

1.1 مقصد

1.2 تمہید

1.3 عرب وہند کے تعلقات کی بنیادی وجہ

1.4 عرب وہند تعلقات کتنے قدیم ہیں

1.5 عرب وہند کے مابین تجارتی تعلقات

1.6 عرب میں ہندوستانی افراد کی موجودگی

1.7 عربی شاعری میں ہند سے مشتق الفاظ

1.8 عرب وہند کے مابین علمی تعلقات

1.9 حساب وریاضی علوم

1.10 نجوم اور ہیئت

1.11 عرب وہند کے مذہبی تعلقات

1.12 ابتدائی مسلم آبادیاں

1.13 خلاصہ

1.14 نمونے کے امتحانی سوالات

1.15 سفارش کردہ کتابیں

1.1 مقصد

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد طلبہ واقف ہو جائیں گے کہ عرب وہند کے تعلقات کتنے قدیم اور گونا گوں ہیں ۔اس کے ساتھ ہی ان کو معلوم ہو جا گا کہ سمندر کے آمنے سامنے بسنے والی ان دونوں عظیم قوموں کے روابط کیسے تھے۔عرب وہند کے تعلقات کی کئی جہتیں تھیں۔ایک جانب اگر عرب وہند کے درمیان تجارتی تعلقات تھےتو دوسری جانب علمی اور مذہبی تعلقات بھی تھے اور اسی کے ساتھ فروغ اسلام کے ساتھ سیاسی تعلقات کو بھی جلا ملی۔

1.2 تمہید

ہندوستان سے عربوں کا تعلق آریوں سے بھی زیادہ قدیم ہے کیونکہ آریوں کو ہندوستان آئے محض چند ہزار سال گزرے ہیں جب کہ عربوں کا دعویٰ یہ ہے کہ حضرت آدم جنت سے ہندوستان میں اتارے گئے تھے، اس تعلق سے کتب تفسیر وحدیث میں متعدد روایتیں موجود ہیں، اس لئے بقول مولانا سید سلیمان ندوی ہندوستان عربوں کا "پدری" ملک ہوا۔ اور ہندوستان گرم مصالحوں اور خوشبو وعطریات میں جس طرح پوری دنیا میں قدیم زمانے سے ممتاز ہے کہا جاتا ہے کہ یہ چیزیں حضرت آدم جنت سے لے کر آئے تھے۔ اس کے علاوہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ مجھے ہندوستان سے ربانی خوشبو آتی ہے جس کو اقبال نے کہا ہے "میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے"۔ یہ روایتیں سند کے اعتبار سے مضبوط نہیں لیکن ان روایات کا مجموعی مطالعہ یہ ضرور بتاتا ہے کہ ہندوستان کو اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ کچھ نہ کچھ اختصاص ضرور ہے۔

1.3 عرب وہند کے تعلقات کی بنیاد

ہندوستان وسائل سے مالا مال ملک ہے اور عرب وسائل سے یکسر تہی دامن ہے۔ ایسے میں ضروری ہے کہ ان دو ممالک کے درمیان تجارت، لین دین اور برآمد ودرآمد کا تعلق ہو، اس کے علاوہ یہ دونوں ممالک سمندر کے کنارے بسے ہیں یعنی ان کے درمیان سمندر حائل ہے۔ ایک طرف ہند ہے اور دوسری طرف عرب ہے۔ سمندر کے کنارے بسنے والے ممالک اور شہر فطری طور پر تجارتی ہوتے ہیں۔ عرب کے تجارت پیشہ افراد ہزاروں برس سے ہندوستانی پیداوار کو مصر وشام بلکہ یوروپ تک پہنچاتے تھے اور وہاں کے سامان کو ہندوستان، جزائر ہند، چین اور جاپان تک لے جاتے تھے۔

1.4 عرب وہند تعلقات کتنے قدیم ہیں

جغرافیائی محل وقوع کی وجہ سے عرب وہند کے آپسی تعلقات قدیم تاریخ کے ہر دور میں قائم رہے۔ چنانچہ سندھ وعراق کے تعلقات سومیری عہد (250-3000 قبل مسیح) کا دی عہد (2400-2100 قبل مسیح)، بابلی تہذیب (1800 قبل مسیح) میں موہنجو داڑو اور پھر ہڑپا سے قائم تھے۔ اسی طرح فینون (1200 قبل مسیح) حثیوں اور آریوں میں، پھر عہد سکندری وبطلیموس میں وعرب ومصر کے درمیان گونا گوں تعلقات استوار رہے۔ لینورڈ کوٹیرل نے اپنی کتاب لوسٹ سٹیز میں اور کورڈن چالڈ نے اپنی کتاب واٹ ہیپن ان میں زمانہ ماضی میں عرب وہند تعلقات پر تفصیل سے لکھا ہے۔

انڈس ویلی تہذیب کی عمر 2000 قبل مسیح بتائی جاتی ہے۔ اسی طرح ہندوعرب تعلقات کی عمر چار ہزار سال ہوتی ہے۔ جدید ہندوستانی مورخین تاریخی شواہد کی بناء پر اب یہ لکھنے لگے ہیں کہ وادی انڈس کے قدیم ترین ہندوستانی اور قدیم عرب ایک دوسرے سے متعارف اور باہم تجارت کرتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"اس بات کی واضح شہادت موجود ہے کہ وہ نہ صرف ہندوستان کے دوسرے حصوں سے بلکہ مغربی ایشیاء کے دور دراز ممالک سے بھی

تجارت کرتے تھے۔انڈس ویلی تاجر عراق سے بری اور بحری دونوں راستوں سے تجارت کرتے تھے۔

اس سلسلے میں تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند کے مصنف ممتاز احمد پٹھان لکھتے ہیں:

"سندھ کے عرب دنیا سے تعلقات خصوصاً عراق، یمن اور عمان سے تاریخ کی ابتدا سے چلے آرہے تھے۔بعض مورخین کا خیال ہے کہ سمیر لوگ جنہیں نے بعد میں بابل کی سامی تہذیب کی بنیا درکھی،وادی سندھ سے ہجرت کر کے چلے گئے تھے۔سندھ،بلوچستان، فارس اور خورزستان کے بعض علاقوں کے مشاہدے سے پتہ چلتا ہے کہ سندھ سے لیکر فرات تک سمیریوں کی بہت بڑی سلطنت تھی،انہوں نے مغربی ایشیاء کو تہذیب سکھائی اور دوسری چیزوں کے علاوہ لکھنے کا فن خط کوفی سے متعارف کرایا،بابل اور پہیہ سب سے پہلے ان ہی لوگوں کی وجہ سے ان دو دریاؤں کی سرزمین میں ہوئے"۔

1.5 عرب وہند کے مابین تجارتی تعلقات

عرب تاجروں کا ہندوستانی اشیاء کو مصروشام اور یوروپ تک اور یوروپ ومصروشام کی اشیاء کو ہندوچین تک پہنچانے کا راستہ مولانا سید سلیمان ندوی اپنے خطبات میں یہ بتاتے ہیں۔"عرب تاجر مصروشام کے شہروں سے چل کر خشکی بحراحمر (ریڈسی) کے کنارے کنارے حجاز کو طے کر کے یمن تک پہنچتے تھے اور وہاں سے بادبانی کشتیوں پر بیٹھ کر کچھ تو افریقہ اور حبشہ کو چلے جاتے تھے اور کچھ وہیں سے سمندر کے کنارے کنارے حضرموت،عمان،بحرین اور عراق کے کناروں کو طے کر کے خلیج فارس کے ایرانی ساحلوں سے گزر کر یا تو بلوچستان کی بندرگاہ 'تیز' میں اترتے تھے یا پھر آگے بڑھ کر سندھ کی بندرگاہ دیبل (کراچی) میں چلے آتے تھے اور پھر اور آگے بڑھ کر گجرات اور کاٹھیاواڑ کی بندرگاہ تھانہ (مہاراشٹرا) کھمبایت چلے جاتے تھے۔پھر آگے بڑھتے بڑھتے سمندر کے کنارے کنارے کالی کٹ اور راس کماری پہنچتے تھے اور پھر کبھی مدراس کے کسی کنارے پر ٹھہرتے تھے اور کبھی سراندیپ،انڈمان،ہوکر پھر سیدھے مدراس (چنئی) کی مختلف بندرگاہوں پر چکر لگاتے ہوئے خلیج بنگال میں داخل ہوتے اور بنگال کی ایک دو بندرگاہوں کو دیکھتے ہوئے برما اور سیام ہوکر چین چلے جاتے تھے اور پھر اسی راستہ سے لوٹ جاتے تھے۔اس نقشہ سے یہ بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ عربوں کے ہند میں جہازرانی کی تاریخ،تاریخ کی یادداشت سے پہلے سے ہے۔

1.5.1 تجارتی اشیاء کی مختصر فہرست

عرب تاجر ہندوستان سے کیا کچھ لے کر جاتے تھے اس کے تعلق سے عرب سیاحوں نے تفصیل سے لکھا ہے۔ہندوستان کو قدرت نے معدنی وسائل کے علاوہ نباتاتی وسائل یعنی مسالے اور عطریات،ہندوستانی فولاد اور ہیرے موتی سے بڑی فیاضی سے نوازا تھا اس لئے عرب تاجر یہ اشیا لیکر شام ومصر اور پھر یوروپ تک پہنچاتے تھے۔واضح رہے کہ یوروپ گرم مسالوں کا شوقین ہے اور اسی گرم مسالے کی کھوج میں کولمبس نے امریکہ کی خاک چھانی اور واسکوڈی گاما ہندوستان کی سرزمین تک پہنچنے میں کامیاب رہا۔

ابن خرداذبہ (متوفی سنہ 250 ہجری) جس کا زمانہ اٹھویں صدی ہجری کے بعد کا ہے۔وہ ہندوستان کی ان پیداواروں اور سامان تجارت کی جو عرب اور عراق جاتی تھیں،ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔خوشبودار لکڑیاں،صندل،کافور،لونگ،جائے پھل،کباب چینی،ناریل اور سن کے کھوے اور روئی کے مخملی کپڑے اور ہاتھی،اور سراندیپ سے ہر قسم کے یاقوت،موتی،بلور،اور سنباذج جس سے جواہرات کی تراش

خراش کی جاتی ہے اور ملیبار سے سیاہ مرچ اور گجرات سے سیسہ، اور دکن سے بکم اور سندھ سے بانس اور بید۔

مشہور عرب مورخ مسعودی جس کا زمانہ تیسری صدی ہجری کا ہے اور بشاری جو تقریباً اسی کا ہم عصر ہے، دونوں نے کھمبایت (کاٹھیاواڑ) کے جوتوں کی تعریف کی ہے جو یہاں سے بن کر باہر جاتے تھے۔ تھانہ (ممبئی سے متصل) کے کپڑے مشہور تھے۔ ان دونوں کے ہم عصر ایک اور سیاح معبر بن مہلہل نے جنوبی ہندوستان کے ٹراونکور (چنئی) کی سیاحت کی تھی وہ اس بارے میں لکھتا ہے "یہیں وہ مٹی کے برتن تیار ہوتے ہیں جو ہمارے ملک میں چینی کر کے بکتے ہیں۔ لیکن دراصل وہ چینی نہیں ہوتے۔ کیونکہ چین کی مٹی کولم کی مٹی سے زیادہ سخت ہوتی ہے اور آگ پر زیادہ دیر ٹھہر سکتی ہے۔..... یہاں ساگون کی لکڑی اتنی لمبی ہوتی ہے کہ کبھی کبھی 100 ہاتھ تک پہنچ جاتی ہے۔ نیز قم (بکم) بید، نیزہ کی لکڑی بھی وہاں بہت ہے اور ریوند چینی، تیزپات جو نہایت کمیاب ہے اور جو آنکھوں کی بیماری میں بہت مفید ہے اور یہیں سے عود، کافور اور لوبان بھی تاجر لے جاتے ہیں۔ یہ جان کر حیرت ہوگی کہ ہندوستان سے صرف ان ہی چیزوں کو تاجر نہیں لے کر جایا کرتے تھے بلکہ زہر بھی ہندوستان سے عرب جایا کرتا تھا۔

1.5.2 ہندوستانی جانوروں کی تجارت

جانوروں میں ہندوستان سے ہاتھی عراق کو جایا کرتے تھے، دوکوہان والے سندھی اونٹ کی بہت مانگ تھی، اسی سندھی اونٹ کی نسل سے مصر و فارس کے عمدہ بختی اونٹ تیار کئے جاتے تھے۔ اسی کے ساتھ مور کی خوبصورتی بھی مشہور عالم ہے۔ ہندوستان سے موریمن اور مصر و شام لے جائے جاتے تھے اور پھر وہاں ان کی افزائش نسل ہوتی تھی مگر بقول عرب سیاح ان میں ہندوستانی موروں والی خوبصورتی نہیں ہوتی تھی۔ ہندوستانی گینڈوں کے سینگوں کی مانگ بھی بہت زیادہ تھی۔ گینڈوں کے سینگوں پر تصویریں بنائی جاتی تھیں جو نہایت بیش قیمت فروخت ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ ایک جانور جس کے پسینہ سے خوشبو کشید کیا جاتا تھا اس کو عرب تاجر ہندوستان سے مراکش تک لے جاتے تھے۔

1.5.3 ہندوستان میں کیا چیزیں درآمد ہوتی تھیں

ان اشیاء کے بدلے ہندوستان میں کس چیز کی درآمد ہوتی تھی؟ اس کی تفصیلی اطلاعات نہیں ہیں لیکن متفرق معلومات اور عرب سیاح جو تاجروں کے ساتھ سفر کرتے تھے ان کے چشم دید مشاہدات کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ بعض جزیرے والے تو ان سے کپڑے لیتے تھے، کچھ جزیرے ایسے تھے جہاں کے لوگ کپڑے نہیں بلکہ لوہا لیتے تھے۔ تیسری صدی ہجری یعنی نویں صدی ہجری میں سندھ کے طلائی سکوں کی مانگ ہندوستان میں بہت زیادہ تھی۔ ایک سندھی طلائی سکے کے بدلے تین ہندوستانی طلائی سکے ملتے تھے۔ مصر سے زمرد کی انگوٹھی آتی تھی جو ڈبیوں میں رکھی جاتی تھی۔ شراب بھی مصر سے یہاں آیا کرتی تھی۔ روم سے ریشمی کپڑے، سمور اور پوستین اور تلواریں آتی تھیں۔ فارس سے عرب گلاب عرب تاجر لے کر آتے تھے۔ بصرہ سے دیبل (سندھ) کی بندرگاہ میں کھجوریں آتی تھیں، کارومنڈل میں عرب سے گھوڑے آتے تھے۔

معلومات کی جانچ

1. عرب و ہند تجارتی تعلقات کتنے قدیم ہیں؟

2. ہندوستان سے کیا چیز عرب تاجر درآمد اور برآمد کرتے تھے؟

1.6 عرب میں ہندوستانی افراد کی موجودگی

عرب اور ہند کے تعلقات کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ شہنشاہ ایران کا قبضہ سندھ اور بلوچستان پر بھی رہا، اسی نسبت سے سندھ کے جنگجو قبیلے بالخصوص جاٹ اور میدو وغیرہ ایران کی فوج میں شامل ہو گئے۔ جب عرب مسلمانوں نے ایران پر حملہ کیا تو ہوا کا رخ دیکھ کر جاٹ بھی بعض شرائط کے ساتھ مسلم فوج میں شامل ہو گئے۔ سپہ سالار نے ان کو مختلف قبیلوں میں شامل کرا دیا۔ اس کے علاوہ یہ واضح رہے کہ نچلی ذاتوں کے افراد کو ہندوستانی راجا مسلمانوں کے پاس رکھ کر کشتی رانی اور ملاحی کا فن سکھاتے تھے تا کہ ان کی تجارت اور بحری بیڑے پر کوئی فرق نہ پڑے جب کہ اونچی ذات کے ہندو سمندری سفر کو گناہ خیال کرتے تھے۔ بہر حال وجہ یہ ہو یا وہ، عرب میں ہندوستانی بھی آباد تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہ ہندوستانی شکل وصورت والوں کو اچھی طرح پہچانتے تھے۔ امام ترمذی امثال کے باب میں روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ نے آنحضرت ﷺ کے پاس کچھ اجنبی شکل والوں کو دیکھا تو فرمایا: ان کا چہرہ تو جاٹوں کی طرح ہے۔ جاٹوں نے کچھ ہی دنوں میں اپنی وفاداری سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اعتماد حاصل کر لیا تھا چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل جیسے نازک موقع پر بصرہ کے خزانہ پر انہیں جاٹوں کو نگراں متعین کیا تھا۔ پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو رومیوں کے مقابلہ کیلئے شام کے ساحلی شہروں میں بسایا اور ولید بن عبدالملک نے ان کی انطاکیہ میں بازآبادکاری کی۔

1.7 عربی شاعری میں ہند سے مشتق الفاظ

اس کے علاوہ یہ بات بھی حیرت کی ہے کہ لفظ ہند سے مشتق ہندہ عربوں کو اتنا پیارا معلوم ہوا کہ عرب خواتین کے نام کا نہ صرف جزو بنا بلکہ عرب کی شاعری میں یہ نام ایسا ہی کثیر الاستعمال ہے جیسے ہندوستان میں ہیر، فارسی میں لیلیٰ اور شیرین ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی ایک بڑی وجہ یہ رہی ہو اور جیسا کہ عرب مورخین اور سیاحوں نے بھی لکھا ہے کہ اہل ہند عربوں کے نزدیک شروع سے ہی معزز اور محترم تھے اور وہ ان کو حکمت و دانائی میں چینیوں سے بہتر سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ ہندوستان سے عطریات اور خوشبودار لکڑیاں اور ہیرے جواہرات کے جانے سے خوش ہو کر اپنے یہاں کی صنف نازک کا نام ہی ہندہ رکھ دیا ہو کہ جس کے اندر یہ تمام خوبیاں موجود ہوں یعنی خوشبو، قیمتی اور حکمت و دانائی۔

عرب جس قدر جنگجو اور بہادر تھے اور بات بات پر طیش میں آنے والے اور اپنی آن پر کٹ جانے والے تھے ایسے میں ان کی سب سے زیادہ محبوب چیز تلوار ہی ہوسکتی تھی۔ لیکن جس تلوار کو وہ پسند کرتے تھے اور جس پر جان دیتے تھے وہ ہندوستانی تلوار تھی، یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی تلوار کی تعریف وتوصیف سے عرب کی شاعری بھری ہوئی ہے۔

1.8 عرب و ہند کے مابین علمی تعلقات

عرب اور ہند کے یہ تعلقات کتنے قدیم تھے اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ مہابھارت میں جب کوروں نے لاکھ کا گھر بنا کر

پانڈووں کو اس کے اندر جلا کر پھونک دینا چاہا تو ودرجی نے یدھشٹر کو عربی میں بتایا اور یدھشٹر نے اسی عربی زبان میں ان کو جواب دیا، یہ بات سوامی دیانند نے لکھی ہے۔دوسری جانب یہ دیکھئے کہ قرآن کریم میں ہندی کے تین الفاظ موجود ہیں جسے ہندوعرب تعلقات کی وسعت اور گہرائی ثابت ہوتی ہے۔علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں "اس مسئلہ میں اچھا خاصا علما میں اختلاف رہا ہے کہ قرآن پاک میں کسی غیر زبان کا لفظ ہے یا نہیں لیکن فیصلہ یہی ہوا کہ غیر زبان کے ایسے الفاظ موجود ہیں جو عربوں کی زبان میں آ کر مستعمل ہو گئے تھے اور وہ اپنی پہلی صورت بدل کر عربی زبان کے لفظ ہی بن گئے۔حافظ ابن حجرؒ اور حافظ سیوطی نے ایسے الفاظ جمع کئے ہیں۔ہم ہندیوں کو بھی فخر ہے کہ ہمارے دیس کے بھی چند لفظ (تین) ایسے خوش نصیب ہیں جو اس پاک اور مقدس کتاب میں جگہ پا سکے.....اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جنت کی تعریف میں اس جنت نشان ملک کی تین خوشبوؤں کا ذکر ضرور ہے۔یعنی مسک (مشک) زنجبیل (سونٹھ یا ادرک) اور کافور (کپور)"۔

عرب ہندوستانی علوم وفنون کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور وہاں کے علماء نے اس کا جا بجا اظہار بھی کیا ہے۔چنانچہ جاحظ لکھتا ہے:

> "رہے ہندوستان کے باشندے تو ہم نے ان کو پایا ہے کہ وہ جیوتش (نجوم) اور حساب میں بڑھے ہوئے ہیں۔ان کا ایک خاص ہندی خط ہے۔طب میں بھی وہ آگے ہیں اور طب کے بعض عجیب بھیدان کو معلوم ہیں اور سخت بیماریوں کی دوائیں خاص طور سے ان کے پاس ہیں۔پھر مجسموں اور اسٹیچو بنانا، رنگوں سے تصویر پیدا کرنا اور تعمیر وغیرہ میں ان کو بڑا کمال ہے۔پھر شطرنج کے وہ موجد ہیں جو ذہانت اور سوچ کا بہترین کھیل ہے.....ان میں رائے اور بہادری ہے اور جو بعض خوبیاں ان میں ہیں چینیوں میں بھی نہیں، ان میں صفائی اور پاکیزگی کے بھی اوصاف ہیں"۔

مشہور مورخ اور سیاح یعقوبی (متوفی 278 ہجری) نے بھی ہندوستان کی عظمت کا گن گایا ہے۔

> "اور ہندوستان کے لوگ عقل اور غور والے ہیں اور وہ اس حیثیت سے سب قوموں سے بڑھ کر ہیں۔جیوتش اور نجوم میں ان کی باتیں سب سے زیادہ درست نکلتی ہیں۔سدھانت انہیں کی ذہانت کا نتیجہ ہے۔جس سے یونانیوں اور ایرانیوں تک نے استفادہ کیا۔طب میں ان کا فیصلہ سب سے آگے ہے۔اس فن میں ان کی کتاب "چرک اور ندان" ہے.....اور بھی طب میں ان کی کئی کتابیں ہیں۔منطق اور فلسفہ میں ان کی تصنیفات ہیں۔اور بہت سی ان کی تصنیفات ہیں جن کی بڑی تفصیل ہے"۔

ہندوستان سے ایک بڑی تعداد میں ویدا اور پنڈت بغداد بلائے گئے لیکن جیسا کہ عموماً ہوتا ہے کہ ایک زبان کے نام دوسری زبان میں کچھ سے کچھ ہو جاتے ہیں جیسے عربوں کے نام لاطینی اور انگریزی میں بالکلیہ بدل گئے ہیں اسی طرح ان ویدوں اور پنڈتوں کے نام بھی اس طرح بدل گئے ہیں کہ اب اصل نام کی تلاش وجستجو مشکل ہو گئی ہے۔پھر اس میں ایک اور پیچ یہ ہے کہ یہ لوگ زیادہ بودھ مذہب کے پیروکار تھے اور ان کے نام برہمنی یا ویدک ناموں سے الگ ہوتے ہیں اس ان کے اصل ناموں کا سراغ لگانا وہ بھی بارہ صدیوں بعد آسان نہیں۔

1.8.1 ہندوستان طبیبوں اور ویدوں کی بغداد آمد

عہد عباسی میں خاندان برامکہ نے بڑا نام پیدا کیا تھا ان کی شان وشوکت اور چمک دمک کے آگے قصر خلافت کا رنگ بھی پھیکا پڑنے لگا، مشہور عام یہ ہے کہ برامکہ آگ کے پجاری یعنی مجوسی تھے لیکن علامہ سید سلیمان ندوی نے ایک مفصل بحث کے بعد لکھا ہے کہ برامکہ درحقیقت بودھ مذہب سے تعلق رکھتے تھے اور بدھوں کی کسی بڑی مندر کے پجاری تھے۔ جب ان کو خلافت عباسیہ میں عروج حاصل ہوا تو انہوں نے ہندوستانی علوم وفنون کی جانب توجہ دی اور ہندوستان سے متعدد پنڈت اور مختلف علوم وفنون کے ماہرین کو بغداد بلایا گیا اور ان کو علمی کتابوں کے ترجمہ اور تصنیف وتالیف کا کام سونپا گیا۔

منکہ

ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء میں لکھا ہے کہ یہ طب اور علاج میں بہت ماہر تھا۔ ہارون رشید کے بیمار پڑنے پر جب اطباء علاج سے عاجز آ گئے تو اس کو ہندوستان سے بلایا گیا اور اس کے علاج سے ہارون رشید کو افاقہ ہوا تو ہارون رشید نے اسے کثیر مال ودولت سے نوازا۔ اس کی لیاقت کو دیکھتے ہوئے اسے دارالترجمہ میں سنسکرت کی کتابوں کے ترجمہ کے کام پر مقرر کیا گیا۔

صالح بن بہلہ

یہ بھی ہندوستانی طبیب تھا اور ہارون رشید کے چچا زاد بھائی کو جب سکتہ لاحق ہوا اور شاہی طبیب جبرئیل بخت یشوع نے اس کی موت کا اعلان کر دیا تو جعفر برمکی نے اس کو ہارون رشید کی خدمت میں پیش کیا اور اس نے علاج کر کے سکتہ ختم کرایا اور ہارون رشید کا چچا زاد بھائی گویا دوبارہ زندہ ہو گیا جس سے اس کی بڑی شہرت ہوئی۔

ابن دہن

برامکہ نے خلافت عباسی میں اپنی فیاضی سے رفاہ عام کے کئی کام انجام دیئے تھے ان میں سے ایک شفاخانہ کا قیام ہے۔ ابن دہن برمکیوں کے شفاخانہ کا افسر اعلیٰ تھا جس کو ہم آج کی اصطلاح میں چیف میڈیکل افسر یعنی سی ایم او کہتے ہیں۔ پروفیسر زخاؤ کا کہنا ہے کہ اصل نام دھنیایا دھنن ہوگا، اور یہ نام رکھنے کی وجہ شاید یہ ہوگی کہ منوشاستر میں دیوتاؤں کے طبیب کا نام دھنونتری ہے۔

اس کے علاوہ بھی متعدد ہندوستانی طبیب اور حکیم دربار عباسی اور بغداد میں موجود تھے لیکن تطویل کے خوف سے ان کے نام کو ہم نظر انداز کرتے ہیں۔

1.8.2 طبی کتابوں کے ترجمے

عربی زبان میں سنسکرت اور ہندی کی متعدد طبی کتابوں کا ترجمہ ہوا ایک نظر ہم ان کتابوں پر ڈالتے ہیں۔ ششرت کی کتاب دس باب میں تھی اس میں بیماریوں کی علامات اور ان کے علاج ودوا کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ چرک نام کے ہندوستانی رشی اور مشہور طبی ماہر کی کتاب اولا فارسی میں منتقل ہوئی پھر عبداللہ بن علی نے اس کو فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا۔ سندھھان نام کی طبی کتاب کا ترجمہ شفاخانہ بغداد کے افسر اعلیٰ

ابن دہن نے کیا تھا۔ندان نام کی طبی میں چار سو بیماریوں کی پہچان بتائی گی ہے اس کا بھی ترجمہ ہوا تھا۔ایک طبی کتاب جو جڑی بوٹیوں کے نام پر مشتمل تھی اس کو منکہ پنڈت نے سلیمان بن اسحاق کیلئے عربی میں ترجمہ کیا تھا۔ایک کتاب جس میں ہندی اور یونانی طبیبوں کی دواؤں کے سرد وگرم مزاج، دواؤں کی کیا قوت ہے؟ اور موسم کے اعتبار سے اس کی قوت میں کیا کمی اور زیادتی ہوتی ہے، کی تفصیل تھی عربی میں ترجمہ ہوئی۔طب ہندی کی کتاب استانگر کو ابن دہن نے عربی کا جامہ پہنایا تھا، ایک وید کی دو کتابوں کا ترجمہ کیا گیا جس میں 100 بیماریوں اور 100 دواؤں کا ذکر تھا اور دوسری کتاب میں بیماریوں کے وہم اور اسباب کا بیان تھا۔

علاج کا وہ طریقہ جس میں مریض کو جڑی بوٹیوں کو ملا کر یا ان کا عرق کشید کر کے مشروب تیار کیا جاتا ہے ایسی کتابیں بھی عربی میں ترجمہ کی گئیں، ابن ندیم نے کتاب کا نام اطر لکھا ہے ہوسکتا ہے کہ یہ اتری نام کے وید کی طرف منسوب ہو اسی طرح ایک اور پنڈت کا ذکر ابن ندیم نے کیا جس کا نام ساوبرم لکھا ہے۔ایک پنڈتہ کی کتاب کا ترجمہ ہوا جس میں عورتوں کی بیماریوں کے علاج بیان کئے گئے تھے۔ایک اور کتاب حاملہ عورتوں کی بیماریوں اور علاج کے سلسلے میں ترجمہ کی گئی۔

1.8.3 عربی زبان میں ہندوستانی دوائیں

عربی میں جب اس قدر ہندوستانی طبی کتابوں کا ترجمہ ہوا تو یہ غیر ممکن تھا کہ عربی میں ہندی دواؤں کے نام رواج نہ پا جاتے۔بعض دوا کے نام تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا رشاد گرامی میں ہے یعنی قسط ہندی کا ذکر خود صحیح بخاری میں موجود ہے۔اس کے علاوہ زنجبیل یعنی سونٹھ کا ذکر تو قرآن پاک میں بھی موجود ہے۔عربی میں اطریفل نام کی دوا مشہور ہے محمد خوارزمی نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ "یہ ہندی لفظ تری پھل ہے کہ یہ تین پھلوں، ہلیلہ، بلیلہ اور آملہ سے بنتا ہے۔خوارزمی نے مفتاح العلوم میں ایک اور دوا انجات کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ "انبہ (آم) ہندوستان کا ایک پھل ہے اس کو شہد، لیموں اور ہلیلہ میں دیکر انجات تیار کیا جاتا ہے، شاید یہ گڑمبہ یا آم کا کسی قسم کا اچار ہو۔الہ آباد اکیڈمی میں دیئے گئے خطبات کے مجموعہ "عرب وہند کے تعلقات "میں علامہ سید سلیمان ندوی نے ایک منفرد تحقیق یہ پیش کی ہے کہ عرب کی دوائی میں جس کا نام خوارزمی نے بہطہ لکھا ہے اور اس کی تشریح میں لکھا ہے کہ یہ بیماروں کی غذا کی قسم ہے۔یہ لفظ سندھی ہے۔یہ دودھ اور گھی میں چاول کو پکا کر تیار کیا جاتا ہے۔علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

"آپ سمجھے؟ یہ ہمارا ہندوستانی بھات ہے جو عربوں کے نزدیک بیماروں کیلئے ایک نرم اور ہلکی غذا ہوگی اس کو اب کھیر سمجھئے یا فیرنی"۔

1.9 حساب وریاضی علوم

حساب کی اہمیت سے کوئی ناواقف نہیں، اس کے بغیر زندگی کا کارخانہ اور لین دین سب کچھ درہم برہم ہو جاتا ہے۔ہر زبان میں حساب وکتاب کیلئے کچھ الفاظ ضرور ہوتے ہیں لیکن یہ بات حیرت کی ہے کہ ارقام یا نمبرات جو کہیں وہ عربوں نے ہندوستانیوں سے اخذ کئے اس لئے عربی میں ان کو ارقام ہندیہ یعنی ہندوستانی نمبرات سے تعبیر کرتے ہیں اور جب یہ نمبرات عربوں کے ذریعہ یوروپ پہنچے تو اہل یوروپ نے ان کو عربک فیگرز یعنی عربی نمبرات کہا۔اس کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ عربی میں تحریر دائیں سے بائیں لکھی جاتی ہے لیکن نمبرات بائیں سے دائیں لکھے جاتے ہیں۔اس کے علاوہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار نے اس ضمن میں قدیم کتبات اور کتابوں سے جو ثبوت وشواہد بہم پہنچائے

ہیں اسے دیکھ کر ایک نگاہ میں ہی اندازہ ہو جاتا ہیکہ یہ اعداد و شمار ہندی ہیں اور یہیں سے وہ عرب اور پھر یوروپ پہنچے۔

اندازہ ہے کہ سنہ 156 ہجری میں منصور کے عہد اقتدار میں جو پنڈت سدھانت لے کر بغداد آیا تھا اسی نے عربوں کو یہ نمبرات بتائے ہوں گے۔علاوہ ازیں سدھانت کی کتاب میں خود ایک باب نمبرات اور اعداد و شمار پر موجود تھا جس سے عربوں نے استفادہ کیا اور اسے اپنایا۔نمبرات کو عربی قالب میں ڈھالنے کا کام محمد بن موسیٰ خوارزمی (780-840 عیسوی) نے انجام دیا ہے۔یوروپ میں حساب کے ایک خاص شعبہ کو الگارتھم اور الکاریتم اور الکورزم کہتے ہیں جب کہ یہ یہ تمام نام الخوارزمی کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں۔الخوارزمی کے بعد ہندی حساب کو علی بن محمد نسوی (980-1040 عیسوی) نے فروغ دیا۔اس نے المقنع فی الحساب الہندی (ہندی حساب میں کفایت کرنے والی) نامی کتاب لکھی،اس کے بعد دیگر مصنفین نے اس پر طبع آزمائی کی۔ہندی حساب کو خواص سے گزر کر عوامی مقبولیت بھی حاصل ہو چکی تھی چنانچہ ابو علی سینا کے ذکر میں آتا ہے کہ بچپن میں اس نے ہندی حساب سیکھا تھا۔

1.10 نجوم اور ہیئت

نجوم اور ہیئت ہندوستان کے خاص علوم ہیں۔سنہ 154 ہجری میں سندھ سے جو وفد بغداد روانہ ہوا تھا اس میں سے ایک پنڈت ہیئت کی کتاب لے کر گیا تھا۔سنسکرت میں اس کتاب کا نام برہمپت سدھانت تھا،اس کا عربی ترجمہ السند ہند کے نام سے مشہور ہوا۔سنسکرت کی دوسری کتاب جو عربی میں ترجمہ ہوئی اس کا نام ارجبہذ بتایا جاتا ہے۔سنسکرت کی اصل کتاب کا نام آریہ بھٹ تھا۔اس کے بعد آرکند نام سے سنسکرت کی ایک کتاب کا عربی میں ترجمہ ہوا جس کا نام سنسکرت میں کھنڈا کھدیک ہے۔

ہندی پنڈت جس نے بغداد میں پہلی مرتبہ سدھانت عربی میں ترجمہ ہوئی اس کے دو عرب شاگرد ابراہیم فزاری اور یعقوب بن طارق ہیں۔ان دونوں نے اپنے اپنے طور پر سدھانت کو عربی میں منتقل کیا۔

عربی زبان میں ہیئت اور نجوم کی کتابوں کے ترجمہ کا اثر یہ ہوا کہ سنسکرت کے الفاظ عربی میں راہ پا گئے اور عربوں نے اسے معرب کر کے اپنی زبان کا ہی لفظ بنالیا۔جیسے قدیم عربی ہیئت میں کرجہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے جب کہ اس کی اصل سنسکرت کرمجھا ہے۔علامہ سید سلیمان ندوی کہتے ہیں کہ ریاضی میں استعمال ہونے والا جیب کا لفظ عربی کے گریبان کے معنی سے مشتق نہیں بلکہ یہ سنسکرت کے لفظ "جیوا" کا معرب ہے۔

متفرقات

اس کے علاوہ متفرق طور پر دیگر فنون پر مبنی ہندوستانی کتابوں کا بھی عربی میں ترجمہ ہوا،جیسے سانپوں کی اقسام اور ان کے جھاڑ پھونک اور منتر ہندوستان میں مشہور ہیں اور اس فن کا نام سرپ ودیا ہے۔رائے نام کے ایک پنڈت کی کتاب کا عربی میں ترجمہ ہوا جس میں سانپوں کی اقسام اور ان کے زہروں کا بیان تھا۔

شاناق پنڈت کی کتاب جو سیاست اور بادشاہت کے آداب پر مبنی تھی کی کتاب کا عربی میں ترجمہ ہوا،شاناق پنڈت ہوسکتا ہے کہ

چانک یا چانکیہ ہو جس کا ایک باب کھانا اور زہر تھا، اس کے علاوہ اسی پنڈت کی ایک کتاب خاص زہر کے بارے میں بھی تھی اور یہ تو مشہور عالم ہی ہے کہ ہندوستان میں راجہ اپنے حریف راجہ کو زہر دے کر مارنے میں کمال رکھتے تھے اور اس غرض سے "بس کنیائیں "تیار کی جاتی تھیں ۔یہ بچیاں بچپن سے ہی منتخب کر لی جاتی تھیں اور ان کی خوبصورتی پر خاص دھیان دیا جاتا تھا اور ان کو بچپن سے ہی تھوڑا تھوڑا زہر کھانے کی تربیت دی جاتی تھی جس کی وجہ سے زہر ان کے پورے جسم میں رچ بس جاتا تھا اور یہ حریف راجہ کو اپنے حسن کا شکار کر کے بآسانی موت کے منہ مین ڈھکیل دیتی تھیں ۔زکریا قزوینی نے بھی " آثار البلاد " میں زہر دیکر راجاؤں کو مارنے کا ذکر کیا ہے۔

ان کے علاوہ جیوتش، جفر اور رمل وغیرہ پر مبنی سنسکرت کی کتابوں کا بھی عربی میں ترجمہ ہوا، خلافت عباسیہ میں پہلے ایرانی ستارہ شناسوں کا غلبہ تھا لیکن بعد ازاں ہندوستانی منجموں نے اپنا عمل دخل بڑھالیا۔خلافت عباسیہ میں جو منجم یا ستارہ شناس پنڈت رہتے تھے اس میں کنکہ نامی پنڈت بہت مشہور تھا، ابن ندیم نے اس کی چار کتابوں کا ذکر کیا ہے ۔(1) کتاب فی الاعمار، یعنی عمروں کے بیان میں کتاب (2) کتاب اسرار المواليد، پیدائش اور ولادت کے اسرار کے بیان میں (3) کتاب القرانات الکبیر، بڑے قران یا لگن کے بیان میں، اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ ایک ہی وقت میں دو ستارے ایک برج یا ایک مقام میں ہوں (4) کتاب القرانات الصغیر، چھوٹے لگن کے بیان میں ۔اسی پنڈت کی دو کتابوں کا ذکر ابن ابی اصیبعہ نے کیا ہے ۔(1) کتاب فی التوہم، مسمریزم یا خیال بندی کے بیان میں (2) کتاب فی احداث العالم والدور فی القران، دنیا کے واقعات اور ستاروں کے لگن میں گردش کے بیان میں ۔اس کے علاوہ دیگر پنڈتوں کی بھی کتابوں کا عربی میں ترجمہ ہوا جس میں پیدائش کے وقت زائچہ کھینچنے وغیرہ کی باتیں ہیں ۔ہندوستان کی ایک کتاب کا عربی میں ترجمہ ہوا جس کا موضوع ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر حال بتانا تھا۔

معلومات کی جانچ

1. ہندوستان کے طبیبوں اور ہندوستانی طبی کتابوں کے ترجمہ پر اظہار خیال کیجئے؟
2. ہندوستان اور عرب کے مابین علمی تعلقات کے اثرات کیا رہے ہیں؟

1.11 عرب و ہند کے مذہبی تعلقات

سندھ کو جب عربوں نے فتح کیا تو ان کے سامنے یہ سوال پیدا ہوا کہ سندھ کے بودھوں اور ہندوؤں کو کیا مقام دیا جائے، اس سلسلے میں عرب فاتحین نے یہ فیصلہ کیا کہ سندھ کے عربوں کو مشابہ اہل کتاب کا درجہ دیا جائے یعنی ان سے نکاح کے سلسلہ کو چھوڑ کر بقیہ تمام دیگر معاملات میں ان کیساتھ اہل کتاب یہود و نصاریٰ جیسا سلوک کیا جائے ۔بودھوں اور برہمنوں کے مندروں کے سلسلہ میں محمد بن قاسم نے کہا کہ "ہندوستان کا بت خانہ عیسائیوں اور یہودیوں کی عبادت گاہوں اور مجوس کے آتشکدوں کی طرح ہے ۔جب کہ چچ نامہ کے مصنف نے اس سلسلے میں یہ لکھا ہے: "محمد بن قاسم نے برہمن آباد کے لوگوں کی درخواست قبول کی اور ان کو اجازت دی کہ سندھ کی اس اسلامی سلطنت میں اسی حیثیت میں رہیں جس حیثیت میں عراق اور شام کے یہودی عیسائی اور پارسی رہتے ہیں ۔قابل ذکر بات یہ ہے کہ محمد بن قاسم نے سندھ کے جن شہروں کو فتح کیا وہاں کسی مندر کو نہ منہدم کیا اور نہ کوئی تبدیلی کی بلکہ بودھوں اور برہمنوں کو پوری آزادی دی کہ وہ اپنے طریقہ سے عبادت کریں۔

عربوں کی اس رواداری کا اثر غیر مسلموں پر بھی پڑا چنانچہ سندھ کے یک مقام پر جب غیر مسلم قابض ہو گئے تب بھی انہوں نے مسجد کو ہاتھ نہیں لگایا مسلمان اس میں حسب سابق نماز پڑھتے رہے تھے۔نیز متعدد عرب سیاحوں نے نقل کیا ہے کہ جنوبی ہند اور گجرات کے شہروں میں جہاں کے راجہ غیر مسلم تھے وہاں مسلمان مذہبی اعتبار سے آزاد تھے،ان پر کوئی داروگیر نہیں تھی،ان کی اپنی مسجدیں تھیں جن میں وہ بلا روک ٹوک عبادت کرتے تھے۔ان کے معاملات کا فیصلہ شرعی اعتبار سے ہوتا تھا اور ان کیلئے قاضی مقرر تھا۔حد یہ ہے کہ تجارتی اغراض سے ملیبار کے راجہ تو اپنی رعایا کے افراد کے مسلمان ہونے کی حوصلہ افزائی کرتے تھے اور نہ صرف حوصلہ افزائی بلکہ چھوٹے بچوں کو مسلمانوں کے حوالے کر دیتے تھے اور وہ ان کی اسلامی طور پر تربیت کرتے تھے اور پھر آگے چل کر ان کو جہاز راں بنایا جاتا تھا۔

اس میل جول اور اختلاط کا اثر یہ ہوا کہ عربوں میں ہندوؤں کے مذہب کی تحقیق کا شوق پیدا ہوا۔یحیی برمکی نے ایک شخص کو خاص طور پر ہندوستان اس لئے بھیجا کہ وہ وہاں جا کر مذہب کی تحقیق کرے،جو شخص اس غرض سے بھیجا گیا اس کی بعینہ روداد محفوظ نہیں ہے مگر ابن ندیم نے اپنی کتاب میں یعقوب بن اسحاق کندی کے ہاتھ کی لکھی ایک تحریر کا حوالہ دیتے ہوئے ہندو مذہب کے کچھ فرقوں اور ان کے عقیدوں کا حال بیان کیا ہے۔

ابن ندیم کے ہم عصر اور بیت المقدس کے ایک عرب مورخ مطہر نے اپنی کتاب میں ہندوستانی فرقوں کا حال تفصیل سے بیان کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ کتنی گہرائی سے ہندو مذہب کی واقفیت حاصل کی تھی۔مطہر البدء والتاریخ میں لکھتا ہے۔

"ہندوستان میں نوسو فرقے ہیں لیکن ان میں صرف ننانوے کا حال معلوم ہے۔اور یہ سب 45 مذہب کے اندر ہیں اور یہ بھی چار اصول کے اندر محدود ہیں اور انکی اصل موٹی تقسیم دو ہے۔سمنی (بودھ) اور برہمنی۔سمنی یا تو خدا کے قائل نہیں یا ایسے خدا کے جو بے اختیار ہے۔برہمنی مذاہب والوں میں تین فرقہ ہیں:ایک توحید اور جزا وسزا کا قائل ہے مگر رسالت کا قائل نہیں،دوسرا تناسخ کے اصول پر جزا وسزا کو مانتا ہے لیکن نہ تو توحید کا قائل ہے اور نہ رسالت کا۔"

مصنف مذکور مسلمانوں کے تعلق سے ہندوؤں کے طرز عمل کے سلسلہ میں لکھتا ہے:

"مسلمان ان کے نزدیک ناپاک ہیں۔وہ ان کو اور جس چیز کو وہ چھولیں اسکو نہیں چھوتے،اور گائے ان کے نزدیک ماں کی طرح ہے۔اس کی جان لینے کی سزا ان کے یہاں قتل ہے اور غیر عورت سے ہم بستری کرنا،بے بیوی والوں کیلئے ان کے ہاں جائز ہے تا کہ نسل کم نہ ہو۔اور بیوی والا اگر برا کام کرے تو اس کی سزا قتل ہے اور جب ان میں سے کوئی مسلمانوں کے ہاتھ پڑ کر ان کے یہاں واپس جاتا ہے تو اس کو مارتے نہیں بلکہ اس کے بدن کے تمام بال مونڈ کر اس کو پراش چیت کرتے ہیں۔قرابت میں وہ نکاح نہیں کرتے،برہمنوں کے نزدیک شراب حرام ہے اور ذبیحہ بھی"۔

اس کے بعد مختلف دیوتاؤں کی پوجا کرنے والوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور ہر دیوتا کی صورت بتاتے ہوئے مہادیو،کالی،مہا کالیا اور لنگ پوجا وغیرہ کا حال لکھا ہے۔

1.12 ابتدائی مسلم آبادیاں

یہ ایک حقیقت ہیکہ محمود غزنوی نے ہندوستان پر یورش کا آغاز کیا اور شہاب الدین غوری نے ہندوستان میں مسلم سلطنت کی بنیاد رکھی؛ لیکن اس سے بہت قبل جنوبی ہندوستان اور ملک کے دیگر خطوں میں مسلم آبادیاں بس چکی تھیں اور اسلام کی اشاعت تجارت اور تصوف کے ذریعہ ہوئی۔ ہندوستان کی ابتدائی اسلامی آبادی کے تعلق سے جنوبی ہند خصوصا گجرات اور کیرالہ و مدراس وغیرہ کو یہ شرف حاصل ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ سندھ بھی اس اشرف میں ان کے ساتھ شریک ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تھانہ تک اسلامی فوج نے یلغار کیا تھی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ نے سپہ سالار عثمان بن ابوالعاص کی اس روش پر ناراضگی ظاہر کی کیونکہ وہ دربار خلافت سے اجازت کے بغیر کیا گیا تھا اور اس میں اسلامی فوج کو نقصان پہنچنے کا خطرہ تھا۔ اس کے بعد حضرت عثمان نے ہندوستان کے تعلق سے تحقیق کیلئے ایک شخص کو بھیجا جس نے ہندوستان کی منفی صورت حال بیان کی جس کی بناء پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہندوستان پر فوج کشی کا خیال ترک کر دیا۔ محمود غزنوی کے حملہ سے پہلے ہندوستان کے مختلف ساحلی علاقوں میں مسلم آبادیاں قائم ہو چکی تھیں۔

سراندیپ

سب سے پہلے بستی کہاں قائم ہوئی، اس بارے میں کوئی رائے قائم کرنا مشکل ہے لیکن عمومی طور پر کہا جاتا ہے کہ دیار ہند میں اولین مسلم بستی سراندیپ میں قائم ہوئی، مشہور مورخ فرشتہ اس سلسلے میں لکھتا ہے:

"چونکہ اسلام کے پہلے ہی سے عرب ان جزیروں میں تاجرانہ آتے تھے اور یہاں کے لوگ عرب جایا کرتے تھے۔ اس لئے سراندیپ کے راجہ کو اسلام اور مسلمانوں کا حال سب سے پہلے معلوم ہوا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہی زمانہ میں سنہ 40 ہجری یعنی ساتویں صدی عیسوی کی ابتدا میں وہ مسلمان ہو گیا تھا۔ اس کی تائید مشہور سیاح اور ناخدا بزرگ بن شہریار کی تصنیف عجائب الہند سے بھی ہوتی ہے۔ وہ سراندیپ کے بیان میں لکھتا ہے۔

"ہندوستان کے پجاریوں، سنیاسیوں اور جوگیوں کی کئی قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک "بیکور" ہوتے ہیں جن کی اصل سراندیپ سے ہے۔ یہ مسلمانوں سے بہت محبت کرتے ہیں اور ان کی طرف بہت میلان رکھتے ہیں۔ وہ گرمی کے موسم میں ننگے رہتے ہیں۔ صرف چار انگل کی لنگوٹی، کمر میں ایک ڈوڑی لٹکا کر باندھ لیتے ہیں اور جاڑوں میں گھاس کی چٹائی اوڑھ لیتے ہیں۔ ان میں سے بعض ایک ایسا کپڑا پہنتے ہیں جس کو مختلف رنگوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکروں سے جوڑ کر سی لیتے ہیں اور بدن پر مردوں کی جلی ہوئی ہڈیوں کی راکھ مل لیتے ہیں اور سر اور ڈاڑھی مونچھ کے بال منڈاتے ہیں اور دوسرے بال بڑھاتے ہیں۔ گلے میں انسان کی ایک کھوپڑی لٹکاتے رہتے ہیں اور عبرت اور خاکساری کیلئے اسی میں کھاتے ہیں۔

سراندیپ اور آس پاس والوں کو جب پیغمبر اسلام کی بعثت کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے میں سے ایک سمجھدار آدمی کو تحقیق حال کیلئے عرب روانہ کیا۔ وہ رکتے رکاتے جب مدینہ پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے تھے، ابوبکر صدیق کی خلافت بھی ختم ہو چکی تھی

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ وہ ان سے ملا اور رسالت مآب صلعم کے حالات دریافت کئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تفصیل بیان کئے۔ جب وہ واپس ہوا تو مکران (بلوچستان) کے پاس پہنچ کر مر گیا۔ اس کے ساتھ اس کا ایک ہندو نوکر تھا۔ وہ صحیح سلامت سراندیپ پہنچ گیا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سارا حال بیان کیا اور ان کے فقیرانہ اور درویشانہ طور و طریق کا ذکر کیا اور بتایا کہ وہ کیسے متواضع اور خاکسار ہیں اور پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے ہیں اور مسجد میں سوتے ہیں۔ اب یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ جو اس قدر محبت اور میلان رکھتے ہیں وہ اسی سبب سے ہے۔

فرشتہ کی بیان کردہ روایت کی مزید تائید اس سے ہوتی ہے کہ امویوں کی طرف سے مشرقی ممالک بشمول عراق کا گورنر حجاج تھا اور جزائر ہند کی طرف سے عراق کی بندرگاہ پر ہی جہازوں کی آمد و رفت ہوتی تھی۔ سراندیپ کے راجہ نے مسلمانوں سے یگانگت اور اور محبت کے اظہار کے طور پر ایک جہاز میں تحفوں کے ساتھ ان مسلمان عورتوں اور لڑکیوں کو عراق روانہ کیا جن کے باپ وہاں تجارت کرتے تھے اور وہیں ان کی مسافرت میں بے والی و وارث چھوڑ کر مر گئے تھے۔ اس سے اتنا ثابت ہوتا ہے پہلی صدی ہجری کے اختتام سے قبل سراندیپ میں مسلم آبادی قائم ہو چکی تھی۔

سندھ کی مسلم آبادی

محمد بن قاسم کا سندھ پر حملہ مشہور ہے لیکن اس سے بھی قبل سندھ میں مسلم آبادی کا ثبوت ملتا ہے۔ راجہ داہر کے ہی دور اقتدار میں پانچ سو عربوں نے محمد علافی کی ماتحتی میں بغاوت کی تھی اور عبدالرحمٰن بن اشعث کے مقابلہ میں شکست کھانے کے بعد روپوشی اختیار کی اور پھر پوشیدہ طور پر عبدالرحمٰن کو مار ڈالا۔ اور اپنے قبیلہ کے پانچ سو آدمیوں کو لیکر عمان کی راہ سے سندھ پہنچا،، وہ راجہ داہر کے زیر حکومت امن کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے۔ راجہ داہر کے خلاف راجہ رنمل بڑی فوج لیکر حملہ آور ہوا، راجہ داہر نے گھبرا کر وزیر سے مشورہ کیا، وزیر نے کہا: سب سے بہتر بات تو یہ ہیکہ لڑ کر غنیم کو شکست دینی چاہئے، اور نہ ہو سکے تو صلح اچھی ہے اور مال سے کام چل سکے تو بھی ٹھیک ہے کہ بادشاہ اسی دن کیلئے خزانہ بھرا رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ آج کل کچھ عرب آئے ہوے ہیں ان سے بھی مشورہ لینا اچھا ہے کیونکہ یہ لوگ اچھے جنگجو اور سیاست داں ہوتے ہیں۔ راجہ داہر ان کے پاس گیا اور مشورہ دریافت کیا اس نے کہا کہ اول تو تم یہاں سے ایک میل کے فاصلے پر ایک خندق کھود کر ٹھہرو اور مجھے کچھ فوج دو تا کہ ان کا حال معلوم کر کے کوئی تدبیر کروں، راجہ داہر نے اس پر عمل کیا، علافی فوج لے کر دشمنوں کے حالات معلوم کرنے گیا اس کو یہ معلوم ہوا کہ رات کے وقت یہ کوئی احتیاط نہیں کرتے اور غافل رہتے ہیں پس محمد علافی نے اپنے ماتحت پانچ سو سواروں کو لیکر رات کے وقت شب خون مارا اور اس شدت سے حملہ کیا کہ رنمل کی فوج بے تاب ہو کر بھاگ نکلی، ہزاروں مارے گئے اور ہزاروں گرفتار ہوئے، پچاس ہاتھی بھی عربوں کے ہاتھ لگے۔

راجہ داہر کو ان سے غیر متوقع مدد ملی تو بہت خوش ہوا اور ان عربوں کی بڑی عزت افزائی کی۔ محمد علافی کی بغاوت کا واقعہ سنہ 75 ہجری کا ہے۔ پانچ سو افراد سے ایک چھوٹی بستی بسائی جا سکتی ہے اور یہ لوگ سندھ میں رہتے تھے تو کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کی اولین آبادیاں جو قائم ہوئیں اس میں سے ایک سندھ بھی ہے۔ پھر اس کے بعد محمد بن قاسم کے حملہ کے بعد جب سندھ مکمل طور پر خلافت اموی کے زیر نگیں آ گیا تھا تو محمد بن قاسم نے ہر اہم قلعہ میں مسلم فوجیوں اور عہدہ داروں کو حفاظتی نکتہ نظر سے رکھ چھوڑا تھا ایسے میں اس کو بھی اولین مسلم آبادی شمار کرنا چاہئے۔

مکران

مکران کافی عرصہ تک سندھ کا مقبوضہ رہا ہے اس لئے اس کو بھی سندھ میں شامل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ مکران کے تعلق سے علامہ حموی کہتے ہیں کہ یہ لفظ عجمی ہے۔ عربی کے اعتبار سے یہ ماکر کی جمع ہو سکتی ہے۔ جیسے کہ فارس کی جمع فرسان، جب کہ ایک دوسرے لغوی حمزہ کا کہنا ہے کہ یہ اصل میں ماہ کرمان تھا بدلتے بدلتے مکران ہو گیا۔ مکران کے اولین فاتح کے سلسلے میں اختلاف ہے کچھ نے زیاد بن ابوسفیان کو مکران کا فاتح بتایا ہے اور کچھ نے حکیم ابن جبلہ عبدی کو، مکران میں مختلف ادوار میں بغاوتیں ہوتی رہیں اور ان کو فرو کیا جاتا رہا لیکن اسی کے ساتھ اس میں ایک معتد بہ مسلم آبادی ہمیشہ برقرار رہی۔

ملتان

محمد بن قاسم نے فتح کیا تھا۔ اس کے بعد اس کا حاکم امیر داؤد نصر بن ولید عمانی کو بنایا اور پھر بعد میں جب محمد بن قاسم کو اچانک معزول کر دیا گیا اور سندھ انتظامی اعتبار سے طوائف الملوکی کا شکار رہا تو امیر داؤد نصر بن ولید نے خود مختاری کا اعلان کر دیا اور اس کے افراد خاندان یہاں ایک طویل یعنی تیسری صدی ہجری تک حکومت کرتے رہے، اور پھر بعد میں اسماعیلی شیعہ یہاں قابض ہوئے جن کا اقتدار سلطان محمود غزنوی نے ختم کیا۔ اتنے طویل عرصہ تک حکومت کا قیام یہ بتاتا ہے کہ یہاں پر ایک اچھی خاصی مسلم آبادی ہوگی کیونکہ اس کے بغیر مسلم حکومت کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔

منصورہ

منصورہ کے تعلق سے علامہ حموی کہتے ہیں کہ منصورہ ہند کے ایک علاقہ کی راجدھانی ہے۔ یہ ایک بڑا اور انتہائی سرسبز و شاداب شہر ہے۔ یہاں کی مسجد کے ستون ساگوان کے ہیں۔ متصل دریائے سندھ ہے۔ حمزہ کہتے ہیں کہ قدیم برہمن آباد ہی منصورہ ہے لیکن یہ غلط ہے۔ منصورہ نام کے شہر کی بنیاد محمد بن قاسم کے بیٹے عمر نے اس وقت رکھی تھی جب وہ سندھ کے باغیوں کی سرکوبی کر کے آ رہا تھا، اسی خوشی میں اس نے سندھ کے دوآبہ کے مقام پر یہ اس شہر کی بنیاد رکھی، یہ شہر برابر ترقی پذیر رہا، اس کو اصل شہرت تب ملی جب منصورہ کو ہباری خاندان نے اپنا پایہ تخت بنایا اور طویل عرصے تک یہاں سے سندھ پر حکومت کی، منصورہ پر بھی اسماعیلی قابض ہو گئے تھے لیکن ان کے اقتدار کی مدت زیادہ نہیں رہی، ملتان کی طرح منصورہ بھی سلطان محمود غزنوی نے اسماعیلیوں سے چھین لیا۔ منصورہ مسلم اکثریتی آبادی پر مشتمل شہر تھا بالخصوص یہاں پر عربوں کی بڑی تعداد آباد تھی۔ عربوں کے بڑے گروہ دو تھے، ایک حجازی (نزاری) اور دوسرا قطحانی (یمنی) ان دونوں گروہوں میں ہمیشہ چپقلش ہوتی رہتی تھی، حجازی خلافت عباسیہ میں اتنے طاقتور ہو گئے کہ سندھ کے والی تک ان سے دبنے لگے اور وہ سندھ کے والی کو اپنی مرضی کے مطابق چلانے لگے، اس کے ساتھ روزانہ یمنیوں اور حجازیوں میں جھگڑے ہونے لگے جس کی وجہ سے پورے سندھ میں بدامنی پھیل گئی تھی۔ بالآخر ہارون رشید نے اس فتنہ کے سدباب کیلئے داؤد مہلبی کو سندھ کا والی بنا کر بھیجا اور اس نے حالات کا جائزہ لے کر محسوس کیا کہ بدامنی اور فتنہ و فساد کی جڑ حجازی ہیں لہذا وہ فتنہ فساد برپا کرنے والوں کے ساتھ انتہائی سختی سے پیش آیا اور ان کی قوت و شوکت ختم کر دی۔ اس نے جب دیکھا کہ سخت کارروائی کے بعد بھی حجازی اپنی شرارت سے باز نہیں آ رہے ہیں تو اس نے منصورہ میں حجازیوں کے محلات اور مکانات کو منہدم کرا دیا، حجازیوں میں سے کچھ قتل

ہوئے، کچھ بھاگ گئے اور کچھ کو جلاوطن اور ملک بدر کر دیا گیا۔اس طرح منصورہ میں آباد حجازی عربوں کی بڑی تعداد ختم ہوگئی۔

محفوظہ

خلافت اموی میں تمیم کے سندھ کے والی رہتے ہوئے انتہائی بدامنی ہوگئی تھی ایسے میں خالد قسری جو مشرقی ممالک کا گورنر جنرل تھا اس نے حکم بن عوانہ کلبی کو سندھ کا والی بنا کر بھیجا،اس نے دیکھا کہ آس پاس کی تمام ریاستیں غیر مسلم ہیں اور مسلمانوں کیخلاف حملہ ہونے کی صورت میں مسلمانوں کیلئے جائے پناہ کہیں نہیں ہے ایسے میں اس نے مناسب محسوس کیا کہ ایک ایسا شہر بسایا جائے جہاں حملوں کی صورت میں مسلمان پناہ لے سکیں۔اس شہر کیلئے اس نے مشیروں سے نام تجویز کرنے کیلئے کہا، کسی نے حمص اور کسی نے کچھ کہا، ایک نے تدمر نام رکھنے کی جانب اشارہ کیا تو اس کی زبان سے نکلا، دمرک اللہ (اللہ تمہارے برباد کرے) اور واقعتاً ایسا ہی ہوا کہ محفوظہ کچھ عرصہ بعد ہی غیر محفوظ یعنی ختم ہوگیا۔لیکن ایک عرصہ تک وہاں مسلم آبادی رہی تھی۔

ملیبار کی مسلم آبادی

متعدد روایتیں اس امر کی ملتی ہیں کہ اسلام اور عربوں کا ایک بڑا مرکز وہ تھا جسے ملیبار کہتے ہیں۔ملی کے معنی پہاڑ اور بار کا معنی ملک کا ہے۔تحفۃ المجاہدین میں ملیبار میں مسلم آبادی اور اشاعت اسلام کے تعلق سے لکھا ہے۔

"سلام سے پہلے اور اسلام کے بعد یہودی اور عیسائی سوداگر یہاں آیا کرتے تھے۔اور یہاں بود و باش اختیار کر چکے تھے جب اسلام پر دو سو برس گزرے،عرب اور عجمی مسلمان درویشوں کی ایک جماعت حضرت آدم علیہ السلام کے نقش قدم کی زیارت کیلئے سراندیپ جس کو لنکا کہتے ہیں جارہی تھی۔ اتفاق یہ ہے کہ ان کا جہاز ہوا کے جھونکوں سے بہک کر ملیبار کے شہر کدنگلور کے کنارے آ کر لگا۔شہر کے راجہ زیمور (سامری) نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی، باتوں باتوں میں اسلام کا ذکر آ گیا، راجہ نے کہا میں نے یہودیوں اور عیسائیوں کی زبانی تمہارے پیغمبر اور مذہب کا حال سنا ہے اب تم خود سناؤ! درویشوں نے اسلام کی حقیقت اس موثر انداز سے بیان کیا کہ راجہ کا دل موہ لیا۔راجہ نے ان سے وعدہ لیا کہ واپسی میں بھی وہ ادھر سے ہی گزرتے جائیں۔چنانچہ وعدہ کے مطابق وہ آئے۔راجہ نے سب امرا کو بلا کر کہا کہ اب میں خدا کی یاد کرنا چاہتا ہوں اور یہ کہہ کر ملک برابر برابر سب افسروں میں تقسیم کر دیا اور خود چھپ کر ان درویشوں کے ساتھ عرب چلا گیا اور مسلمان ہوگیا اور ان درویشوں سے کہا کہ ملیبار میں اسلام کے پھیلانے کی صورت یہ ہیکہ تم لوگ ملیبار سے تجارت شروع کردو اور اپنے امراء کے نام ایک وصیت نامہ لکھ کر سپرد کیا کہ ان پردیسی سوداگروں کے ساتھ ہر قسم کی مہربانی اور لطف کا برتاؤ کیا جائے اور ہر نیک کام میں ان کی مدد کی جائے اور ان کو اپنی عبادت گاہوں کے بنانے کی اجازت دی جائے اور اس طرح ان سے سلوک کیا جائے کہ ان کو وہاں رہنے کی اور اس کو وطن بنانے کی خواہش پیدا ہو۔اس وقت سے عرب سوداگر اس ملک میں آنے جانے اور رہنے لگے۔تحفۃ المجاہدین کی ایک روایت کے مطابق راجہ کا واقعہ پیغمبر اسلام کے عہد کا ہے لیکن علامہ سید سلیمان ندوی نے اس روایت کو غلط مانا ہے۔تحفۃ المجاہدین کی تیسری روایت اس سلسلے میں یہ ہے کہ:

"ہندوستان کے مغربی ساحل کے بندرگاہوں میں مختلف ملکوں سے تاجر بکثرت آتے ہیں۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نئے شہر آباد ہو گئے ہیں اور مسلمانوں کی تجارت سے ان میں آبادی بڑھ گئی ہے اور مکانات کثرت سے بن گئے ہیں۔یہاں کے سردار اور راجہ مسلمانوں پر سختیاں کرنے

سے پرہیز کرتے ہیں۔باوجویکہ یہ سرداراوران کی سپاہ بت پرست ہے۔مگروہ مسلمانوں کے مذہب اوران کے شعائر کا بہت کچھ پاس ولحاظ کرتے ہیں۔ بت پرستوں اورمسلمانوں کے اس اتحاد سے اس لئے اورتعجب ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد کل آبادی کا دسواں حصہ بھی نہیں ..... بحیثیت مجموعی ملیبار کے ہندوراجاؤں کا برتاؤ مسلمانوں کے ساتھ عزت اورمہربانی کا ہے۔کیونکہ انکے ملک میں زیادہ شہروں کا آبادہوجانا انہیں مسلمان تاجروں کی بودوباش کا نتیجہ ہے۔"

ملیبار کے یہی مسلمان عرب تاجراورسوداگراورتارکین وطن آگے چل کرنائطاورموپلا کے نام سے مشہور ہوئے اور پرتگیزوں سے پہلے ان کے ہاتھوں میں جہازرانی کی باگ ڈورتھی۔ان کے ساتھ وہ لوگ بھی شامل ہوگئے جودیسی باشندوں میں سے مسلمان ہوگئے یا شادی بیاہ کے ذریعہ برادری میں شامل ہوگئے ہیں۔

کولم

عرب جہازراں بہت قدیم زمانے سے اس کا نام لیتے آئے تھے اوراس کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ مسالوں والے ملک کا آخری شہر ہے۔یہاں سے جہازعدن کوجاتا تھااوریہاں مسلمانوں کا ایک محلّہ آبادہوگیا تھااوریہاں ان کی ایک جامع مسجد بھی تھی۔

گجرات

سنہ 107 ہجری میں عراق کے حاکم خالد نے عمر بن مسلم باہلی کوسندھ کی حکومت سے الگ کرکے جنید بن عبدالرحمٰن کوسندھ کا حاکم بنایا،جنید جے پور(سندھ) سے براہ ریگستان خردمد(ماڑواڑ) میں پہنچا،معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں یہ راستہ بڑا بارونق تھا۔یہاں سے چل کر عربی فوج مانڈل پہنچی،یہ مقام آج بھی ویرگام کے پاس چھوٹا سا گاؤں ہے۔ممکن ہے اس عہد میں شہر کی حیثیت رکھتا ہو۔

نقشہ دیکھنے سے یہ خیال ہوتا ہے کہ یہاں پہلی جنگ ہوئی کیونکہ مرمد پہنچنے کے بعد یقیناً حریف نے مدافعت کی پہلی کوشش کی ہوگی اورپھر مانڈل میں دونوں عربی فوجوں کا تصادم ہواہوگا اورفتح پانے پر ہی جنید آگے بڑھا ہوگا۔یہاں سے چل کر جنید دھنج پہنچا جونہروالاپٹن اورپنچاسر کے پاس ہے۔

پنچاسر چوڑا(چاؤڑا) راجہ کا پایہ تخت تھا جوگجرات کاٹھیاواڑاورکچھ کے رن کے درمیان رادھن پور کے پاس تھا۔سولنکی (گوجر) کے عہد میں وہی پایہ تخت رہا۔عربوں سے شکست کھانے کے بعد یہ شہر بے رونق ہوگیا۔لیکن اصل ویرانی کا سبب یہ ہوا کہ عربوں نے جب سولنکیوں کی طاقت توڑدی توچاوڑا خاندان کا شہزادہ پھر اٹھ کھڑا ہوا،اورآخر بن راج نے اپنے باپ کی کھوئی ہوئی سلطنت پھر حاصل کرلی اورسیاسی مصلحت کی بنیادپرانہل واڑہ(نہروالاپٹن) آبادکرکے پایہ تخت بنایا جس کے سبب پنچاسرویران ہوگیا۔

پنچاسراس عہد میں شمالی گجرات کا پایہ تخت تھااورچاوڑا خاندان سے چھین کرسولنکی کے قبضہ میں آچکا تھا۔سولنکی خاندان تمام کاٹھیاواڑ، کچھ،شمالی اورجنوبی گجرات اوردکن کے بڑے علاقے پر قابض تھا۔اس خاندان کے حکمراں بڑے مغرور تھے۔فقط اتنی سی بات پر کہ ایک برہمن شاعر نے اس کے دربار میں چاوڑا راجہ کی بڑی تعریف کی اوراس کے سوال کرنے پروزیر نے کہا کہ وہ اپنے ماتحت راجاؤں میں سے نہیں ہے اس ملک پرحملہ آورہوکراس ملک کوچھین لیا۔اس کا پایہ تخت کلیان تھا جوآج بیدر ضلع میں ایک گاؤں کی شکل میں ہے۔

جنید کے حملہ کرنے کی وجہ کیا تھی اس تعلق سے مورخوں نے وضاحت نہیں کی ہے لیکن قیاس کیا جاتا ہے کہ کسی بات پر سولنکی راجہ نے سخت اور مغرورانہ رویہ اختیار کیا ہوگا اور بات یہاں تک پہنچی ہوگی کہ جنید کو یہاں آنا پڑا۔ دھنج کے مقام پر دونوں فوجیں جنگ آزما ہوئیں اور گجراتی فوج شکست کھا کر بھاگی اور جنید نے آگے بڑھ کر پایہ تخت گجرات پنچاسر پر قبضہ کرلیا اور ایک ہی جنگ میں سولنکی طاقت کا شیرازہ بکھر گیا۔ سولنکی فوج کیساتھ یہاں سے بھاگ کر برائے امداد جنوبی گجرات پہنچا اور بھروچ میں جنگی تیاری کرنے لگا پھر جنید کو معلوم ہوا کہ اجین (مالوہ) میں جنگی تیاریاں کی جارہی ہیں تو اس نے اپنے ایک افسر حبیب نامی کو اس طرف بھیج دیا جس نے اجین اور مالوہ کو گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے روند ڈالا۔ فاتح اپنے ملک سے بہت دور نکل آئے تھے۔ اسی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بھیلمان میں ایک بڑے معرکہ کی حریفوں نے تیاری شروع کردی۔ جنید کو بھی اس کا احساس تھا کہ بھیلمان میں اگر گوجروں کی زیادہ طاقت جمع ہوگئی تو واپسی میں دشواری ہوگی اس لئے بھروچ سے خود بھی بھیلمان کی طرف واپس ہوگیا اور دوسری جانب سے حبیب نے بھی مالوہ سے ماڑواڑ اور شہر پناہ پر حملہ آور ہوکر آگ لگادی اور فتح یاب ہوکر جنید سے جاملا۔

تمام فوجیں مجتمع ہوکر بھیلمان پہنچیں اور پرزور حملہ سے غنیم کو شکست دینے میں جنید کامیاب رہا، اس کے بعد گوجروں نے جہاں کہیں مقابلہ کیا شکست کھائی جنید ان فتوحات کے بعد سندھ واپس ہوگیا۔ ان فتوحات کی تائید ان کتبوں سے بھی ہوتی ہے جو اثری تحقیقات کے تحت دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ چالوکیہ راجہ کے عہد کا نوساری سے دستیاب ہوا ہے۔ چنانچہ پول کیشی جناشر کے عہد کا ایک کتبہ ہے جس میں لکھا ہے:

"عرب لشکر نے سندھ، کچھ، سوراسٹھ، چاوڑا، موریا (ماڑواڑ یا مالوہ) اور بھیلمان کی سلطنت کو حیران کیا"۔

یہ کتبہ پول کیشی کے عہد یعنی 738 عیسوی کا ہے گویا اصل واقعہ سے دس بارہ برس بعد کا ہے۔ ان فتوحات کینبجہ میں جنید کو اس قدر مال و دولت ہاتھ آیا کہ ملنے والوں اور دوستوں کو دے دلا کر بھی چار کروڑ درہم اس کے پاس بچا رہا اور اسی قدر اس نے پایہ تخت کے خزانہ میں داخل کیا۔ جنید نے غنیمت میں ملنے والے مال کو بڑی فیاضی سے خرچ کیا چنانچہ عرب شاعروں نے جنید کی بڑی تعریف کی ہے۔

جنید کے حملہ کے تقریباً 30 یا 32 برسوں تک گجرات کی طرف عربوں نے رخ نہیں کیا۔ دوسری صدی ہجری میں اموی حکومت کا ورق الٹا اور عباسی خلافت برسر اقتدار آئی، عباسیوں نے دمشق کے بجائے بغداد کو دارالخلافہ بنایا۔ اس انقلاب نے ہندوستان کو عرب کے بہت قریب کردیا۔ ابوجعفر منصور نے نے ہشام بن عمرو التغلبی کو سندھ کا گورنر بنا کر بھیجا، ہشام نے آتے ہی سندھ کے اندرونی حالات کو درست کیا اور اس کے بعد گجرات کی طرف متوجہ ہوا۔ چنانچہ گجرات کے ایک مرکزی مقام باربد (بھاربھوٹ، ضلع بھروچ) کی طرف عمرو بن جمل کی سرکردگی میں ایک بحری فوج روانہ کی۔ غالباً اس وقت اس کو کچھ زیادہ کامیابی نہیں ملی۔ اس لئے جلد واپس چلا گیا اور بہت ممکن ہے کہ صرف حالات کا جائزہ لینے آیا ہو۔ کچھ عرصہ بعد ہشام نے فوجی تیاری کرکے جہازوں کا ایک بڑا بیڑا لے کر گندھار (ضلع بھروچ) پر حملہ کیا اور فتحیاب ہونے کے بعد کچھ دنوں یہاں قیام کیا اور اپنی فتح کی یاد میں ایک مسجد تعمیر کی۔ یہ سندھ کے علاوہ ہندوستان میں پہلی مسجد تھی۔

سندان

تیسری صدی ہجری میں خلیفہ مامون کے دور میں بنو سامہ کے ایک آزاد کردہ غلام فضل بن ہامان نے سندھ سے ہٹ کر گجرات کے ایک مشہور اور مرکزی شہر سندان پر قبضہ کیا، اس نے یہاں اپنی خودمختار حکومت قائم کرنے کے بعد دور اندیشی اور سیاسی بصیرت سے کام لے کر

خلافت عباسیہ سے حلیفانہ تعلقات قائم کرلئے اور مامون کی خدمت میں ایک ہاتھی روانہ کیا اور مامون کو اپنی اطاعت کا یقین دلایا۔اس نے سندان میں ایک عالیشان مسجد تعمیر کرائی ،اگر چہ گجرات میں اس سے پہلے ایک مسجد تعمیر ہو چکی تھی لیکن یہ مسجد اپنی وسعت اور دیدہ زیبی میں اپنی مثال آپ تھی۔فضل کے انتقال کے بعد تخت کا وارث اس کا بیٹا محمد بن فضل ہوا،اس نے ستر کشتیاں مہیا کر کے سمندری قزاقی کا پیشہ اختیار کرنے والی میدقوم پر حملہ کر دیا اور کالڑی نام کے شہر کو فتح کر کے آگے بڑھنا چاہتا تھا کہ خبر آئی کہ اس کے بھائی ہامان نے سندان پر قبضہ کرلیا ہے۔یہ سن کر وہ واپس ہوا جب سندان کے نزدیک پہنچا تو خبر سچ ثابت ہوئی ،بھائی کی بے وفائی سے وہ بہت غمزدہ ہوا،اس نے خلافت عباسیہ میں مدد کی اپیل کی ،اس وقت معتصم برسر اقتدار تھا اور اپنی عرضی کے ساتھ ساگوان کا ایک اتنا بڑا انکرا بطور تحفہ بھیجا جیسا عراق والوں نے کبھی دیکھا نہیں تھا۔معتصم کی جانب سے مدد آنے والے سے پہلے ہامان نے سندھیوں کو اپنی طرف کرلیا اور محمد کے فوجی سرداروں کو بھی توڑ لیا اور جب محمد بن فضل کے پاس بہت کم فوج رہ گئی تو اس نے سندان کے قلعہ سے باہر نکل کر حملہ کر دیا محمد کو شکست ہوئی اور اسے گرفتار کر کے سولی دے دی گئی۔ہامان سندھ اور خلافت عباسیہ دونوں سے بے نیاز تھا لیکن اس کی یہ بے نیازی زیادہ دنوں قائم نہیں رہ سکی،کچھ دنوں بعد ہندو راجاؤں نے اس پر حملہ کر دیا اور بے تعلقی کی وجہ سے سندھ اور خلافت عباسیہ کہیں سے بھی اس کی مدد نہیں ہوئی۔شہر پر ہندو راجاؤں کا قبضہ ہو گیا لیکن انہوں نے مذہبی رواداری سے کام لیتے ہوئے مسجدوں کو محفوظ رکھا جس میں مسلمان نماز پڑھتے تھے اور جمعہ کے خطبوں میں خلیفہ بغداد کیلئے دعا کرتے تھے۔

قدیم مسلمان آبادیوں کے تعلق سے ہندوستان کے کسی بھی گوشہ اور خطہ سے کتبات جیسے ثبوت نہیں ملے صرف گجرات ہی ایک ایسا صوبہ ہے جہاں سے حکومت ہند کے محکمہ آثار قدیمہ نے بارہویں صدی کے مجموعی طور پر 9 کتبے تلاش کئے ہیں۔یہ اس دور کے ہیں جب گجرات میں چانکیہ اور واگھیلا خاندان برسر اقتدار تھا۔یہ تمام کتبات کھمبایت،ویراول،جوناگڑھ،انہل واڑ پٹن اور سومناتھ سے ملے ہیں جو 1218ء سے لے کر 1291عیسوی کے ہیں۔شعبہ تحقیق آثار قدیمہ کچھ بھوج کے تعاون سے حکومت ہند کے محکمہ آثار قدیمہ کو جولائی 1961ء میں صرف بھدریسور سے ہی 8 کتبات ملے۔اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ تیرہویں صدی عیسوی میں مسلم آبادیاں کچھ میں اور بطور خاص بھدریسور میں زیادہ تعداد میں بڑھی ہوگی۔

معلومات کی جانچ

1. ابتدائی مسلم آبادی سندھ و ہند میں کہاں کہاں تھی؟
2. سندھ میں ابتدائی مسلم آبادی کی وجوہات کیا تھیں؟
3. گجرات کی ابتدائی اسلامی فتوحات پر روشنی ڈالئے۔

1.13 خلاصہ

ہزاروں سال قبل مسیح سے ہندوستان اور عرب کے درمیان تجارتی تعلقات تھے۔عرب تاجر ہندوستان کی پیداوار جس میں خوشبودار لکڑیاں،عطریات،گرم مسالے،ہیرے جواہرات اور یہاں کی خاص چیزیں جیسے کپڑے اور جوتے اور بانس وبید وغیرہ مصر و شام اور وہاں سے روم یعنی یوروپ پہنچاتے تھے۔چھٹی صدی ہجری میں جب اسلام کا آفتاب طلوع ہوا اور اس کی کرنوں نے اپنے اردگرد کے ماحول

کوروشن کرنا شروع کیا تو دھیرے دھیرے اس کی پرامن شعاعوں نے جزائر ہند کو بھی منور او رروشن کیا۔

سراندیپ ،کولم ،ملیبار او رگجرات کے کچھ علاقوں میں مسلمانوں کا بطور تاجر اور درویش پرامن داخلہ ہوا اور انہوں نے وہاں بود و باش بھی اختیار کر لی ،ان علاقوں میں قبول اسلام پھیلنے کی مختلف روایتیں ہیں لیکن ایک بات واضح ہے کہ شمالی ہند کے برعکس یہاں اسلام کی ابتدائی آمد پرامن طور پر اور تجارت پیشہ افراد اور صوفیاء کرام کے ذریعہ ہوئی ۔دوسرے چونکہ یہ عرب جہازرانی میں ماہر تھے اور ساحلی حکمرانوں کو ان کی بڑی ضرورت تھی کیونکہ ان کے دم قدم سے ان کی ریاستیں بارونق تھیں لہذا انہوں نے ان عربوں کی بڑی آؤ بھگت کی۔

سندھ کے راجہ داہر کی جانب سے باغیوں کو پناہ دینے ،قزاقوں کی سرکوبی نہ کرنے کی وجوہات کی بناء پر خلافت اموی میں ولید بن عبدالملک کے دور میں حجاج نے جو مشرقی ممالک کے مقبوضات کا گورنر تھا، سندھ کے خلاف فوج کشی کی اور اپنے داماد محمد بن قاسم کی قیادت میں فوج روانہ کی محمد بن قاسم نے جلد ہی پورا سندھ فتح کیا اور اس کے ارادے پورے ہندوستان کو اسلامی جھنڈے تلے کرنے کے تھے لیکن قضاوقدر کا فیصلہ غالب آیا۔

جب دو قوموں کا ایک دوسرے سے میل ملاپ اور اختلاط ہوتا ہے تو دونوں ایک دوسرے سے متاثر ہوتی ہیں ۔ایسا ہی عربوں اور ہندیوں میں بھی ہوا اور پھر مختلف گوناگوں تعلقات عربوں اور ہندیوں کے درمیان قائم ہوئے ،تجارتی تعلقات دونوں کے درمیان زمانہ قدیم سے اہم رابطہ تھا۔اس تجارت سے جنوبی ہند اور گجرات کے علاقے مال مال ہو گئے تھے کیونکہ زیادہ جہازوں کی آمد کا مطلب زیادہ محصول اور زیادہ مالی فراوانی تھی ۔اس لئے جنوبی ہند کے حکمرانوں بالخصوص ملیبار کے حکمرانوں نے مسلمانوں کی عزت افزائی او رآؤ بھگت کی ۔

تعلقات کی ابتدا تجارت سے ہی ہوئی تھی لیکن دھیرے دھیرے علمی اور مذہبی تعلقات بھی قائم ہو گئے ۔کہا جاتا ہے کہ کعبہ کیلئے کچھ بت ہندوستان سے بھی روانہ ہوے تھے اور سسلی کی فتح کے بعد وہاں سے ایک بیش قیمت بت ملا تھا جسے حضرت امیر معاویہ ضائع کرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ اس کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم جو مسلمانوں کے مصالح پر خرچ ہو بہتر سمجھتے تھے لہذا اس بت کو سندھ بھیج دیا جہاں اس کی فروخت سے بڑی رقم ملی (دیگر مورخین نے اس کی تردید کی ہے صرف بیرونی نے سندھ میں بت بھیجے جانے کی بات کہی ہے)۔

ہندوستان ابتدائے زمانہ سے ہی علوم وفنون میں شہرت رکھتا تھا اور اسی لئے دنیا کی دیگر تمام قومیں ان کے نزدیک حقیر اور جاہل تھیں عربوں نے ہندوستان سے ریاضی ،ہیئت کے ساتھ جیوتش ،جفر اور رمل بھی سیکھا اور اسی کے ساتھ متعدد طبی کتابوں کا عربی میں ترجمہ ہوا۔ان تراجم اور ہندوستان طبیبوں کی بغداد میں بود و باش نے عربی زبان وادب کو متاثر کرنے کے ساتھ عرب طبیات کو بھی متاثر کیا۔

چونکہ برامکہ خاندان خود ہندوستان سے تعلق رکھتا تھا جیسا کہ علامہ سید سلیمان ندوی کی تحقیق ہے اور خلافت عباسیہ میں ان کا بڑا زور تھا تو انہوں نے ہندوستان سے مختلف علوم وفنون کے ماہرین کو بغداد بلایا اور ان کو دارالترجمہ میں مختلف علوم وفنون کی ہندوستانی کتابوں کے ترجمہ کی خدمت سونپی جسے انہوں نے پوری جانفشانی سے انجام دیا۔

بعد کے ادوار میں ہم دیکھتے ہیں کہ البیرونی اور دیگر سیاح ہند آتے ہیں وہ یہاں کی کچھ چیزوں کی تعریف بھی کرتے ہیں اور کچھ چیزوں پر تنقید بھی کرتے ہیں ،ہندوستان کے افراد بالخصوص براہمن البیرونی سے بہت زیادہ متاثر ہوئے ،اس کے علاوہ ہندوستان میں ذات پات کی جو

سخت بندش تھی اس کو بھی اسلام کے تصور مساوات نے ڈھیلا کیا۔

1.14 نمونے کے امتحانی سوالات

درج ذیل سوالات کے جواب تیس سطروں میں لکھیے۔

1. عرب و ہند تجارتی تعلقات کی قدامت اور درآمد برآمد پر مفصل لکھئے۔
2. ابتدائی مسلم آبادی کہاں کہاں قائم ہوئی، تفصیل سے لکھئے۔
3. عرب و ہند کے علمی تعلقات کی نوعیت بیان کیجئے۔

حسب ذیل سوالات کے جواب پندرہ سطروں میں لکھئے۔

1. عرب تاجر ہندوستان سے کیا کچھ لے کر عرب اور پھر یوروپ جاتے تھے۔
2. گجرات کی فتح اور سندان کی مسلم ریاست کا حال بیان کیجئے۔
3 سراندیپ میں اشاعت اسلام کے اسباب بیان کیجئے۔

1.15 مطالعہ کے لئے معاون کتابیں

1.	عرب و ہند تعلقات کے تعلقات	علامہ سید سلیمان ندوی
2.	عرب ممالک اور صوبہ گجرات کے تعلقات	مولانا اقبال محمد ٹنکاروی
3.	عرب و ہند عہد رسالت میں	قاضی اطہر مبارک پوری
4.	عربوں کی جہاز رانی	علامہ سید سلیمان ندوی

اکائی 2 : سندھ کی فتح اور حکومت کا نظم ونسق

اکائی کے اجزاء

2.1 مقصد

2.2 تمہید

2.3 سندھ نام رکھنے کی وجہ

2.4 سندھ کا محل وقوع

2.5 سندھ کی قومیں

2.6 سندھ میں ہندوؤں کی آخری حکومت

2.7 سندھ اور عہد خلفاء راشدین

2.8 امیر معاویہ کے دور میں سندھ پر حملے

2.9 عبدالملک بن مروان کا عہد اور سندھ پر حملے

2.10 ولید بن عبدالملک کا زمانہ اور سندھ کی فتح

2.11 فتح سندھ

2.12 سندھ پر فوج کشی

2.13 فتح سندھ کے نتائج

2.14 حکومت کا نظم ونسق

2.15 خلاصہ

2.16 نمونے کے امتحانی سوالات

2.17 مطالعہ کے لیے معاون کتابیں

2.1 مقصد

اس اکائی کو پڑھ کر ہم سندھ کی جغرافیائی اہمیت، وہاں مسلمانوں کی آمد اور اس سرزمین پر قائم ہونے والی پہلی اسلامی حکومت کے حالات وواقعات سے آگہی حاصل کریں گے، نیز اس حکومت کے نظم ونسق اور عدل وانصاف کے طریقہ کار سے بھی واقف ہوں گے۔

2.2 تمہید

برصغیر ہند میں دعوت اسلامی کی گونج عہد نبوی ﷺ سے ہی سنی گئی، چنانچہ عرب تاجروں کے قافلے سامان تجارت کے ساتھ ساتھ

''متاع دین'' بھی لے کر جنوبی ہند کے ساحلوں پر خیمہ زن ہوئے اور اسلام کی باد بہار سے اس خطہ کو روشناس کیا۔ البتہ سندھ کی تاریخ اس حیثیت سے بہت اہم ہے کہ اسلامی شہسواروں کا قافلہ سب سے پہلے یہیں فروکش ہوا۔ ہند کے اسی خطہ پر مسلمانوں کی پہلی حکومت قائم ہوئی' اور ایک ہزار سال سے زیادہ وہ یہاں کے حکمراں رہے' اس قیادت و سیادت کا گہرا اثر یہاں کی تہذیب و تمدن اور تاریخ و ثقافت پر پڑا اور اس فتح سندھ کے نتیجہ میں جنوبی ایشیا اسلام سے روشناس ہوا۔

2.3 سندھ نام رکھنے کی وجہ

''سندھ'' یہ دراصل آرین زبان کا لفظ اور آریہ قوم کا دیا ہوا نام ہے۔ آرین جب وادی سندھ میں وارد ہوئے تو انہوں نے دریا کی مناسبت سے اس علاقہ کو ''سندھو'' اور پھر ''سندھ'' کا نام دیا۔ واضح ہو کہ آریہ قوم نے سندھ کے آس پاس جتنے علاقے فتح کیے ان سب کو سندھ ہی کے نام سے موسوم کیا۔

یہی لفظ جب ایرانیوں کے زیر استعمال آیا تو انہوں نے سندھ کو ''ہند'' بنا دیا' اور یونانیوں نے ھند کی ''ھ'' کو حرف ہمزہ سے بدل کر ''اند'' کر دیا اور یہی لفظ رومن میں جا کر ''انڈ'' سے ''انڈیا'' ہو گیا اور چونکہ انگریزی میں ''دال'' نہیں ہے تو انڈیا بن گیا۔ اس طرح ہند و انڈیا کی اصل سندھ ہی ہے جو کہ بنیادی طور پر آرین زبان کا لفظ ہے۔

2.4 سندھ کا محل وقوع

موجودہ دور میں سندھ سے ایک محدود علاقہ کو مراد لیا جاتا ہے' مگر ماضی میں یہ ایک کشادہ خطہ کے لیے کہا جاتا تھا' یا بالفاظ دیگر سندھ کے حاکموں کے زیر قبضہ جتنا علاقہ ہوتا وہ سب سندھ کہلاتا' گویا کہ سندھ کی حدود میں زمانہ بہ زمانہ تبدیلی آتی رہی۔ سندھ کا آخری حکمراں راجہ داہر تھا' اسی کے دور میں سندھ کی حدیں اس طرح تھیں۔

> شمال میں دریائے جہلم کا منبع' جس میں کشمیر کے نشیبی اضلاع شامل تھے' اور کوہ کابل کا سلسلہ اس کی حد بندی کرتا تھا' پھر شمال مغرب تک دریائے ہلمند پر جا کر وہ ختم ہوتا۔ اور جنوب مغرب میں ایران و سندھ کی سرحد اس مقام پر تھی جہاں ساحل کے سامنے مکران کا جزیرہ منشور واقع ہے' جنوب کی طرف بحر عرب اور جنوب مشرق میں خلیج کچھ' مشرق میں راجپوتانہ اور جیسلمیر کی سرحدیں آ کر ملتی تھیں۔

گویا کہ ایک بہت ہی وسیع و عریض خطے کا نام سندھ تھا' اور یہ برصغیر ہند کی اہم حکومت سمجھی جاتی تھی۔ حکومت سندھ کا پایہ تخت شہر ''اروڑ'' تھا اسے ''الور'' بھی کہتے ہیں۔ یہ دریائے سیحون پر واقع تھا۔ سندھ کی یہ حکومت پانچ صوبوں پر مشتمل تھی' (1) برہمن آباد (2) سوستان (3) اسکلند (4) ملتان (5) الور' آخر الذکر پایہ تخت تھا۔

2.5 سندھ کی قومیں

فتح سندھ کے وقت جو قومیں وہاں آباد تھیں اور تاریخ کے حوالے سے جن قدیم قوموں کا وہاں ذکر ملتا ہے۔ وہ اس طرح ہیں:

جاٹ: انہیں عربی زبان میں ''زط'' کہا جاتا ہے۔ یہ سیاہ رنگ کے خالص ہندوستانی قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی آبادی ہندو سندھ کے باہر عرب میں بھی پائی جاتی تھی۔ یہ قوم خود سندھ کے علاوہ منصورہ کے گرد و نواح سے لے کر مکران تک پھیلی ہوئی تھی، نیز بلوچستان اور پنجاب میں بھی اس کی آبادی تھی۔

مید: یہ لوگ زیادہ تر دریائے سندھ کے کنارے آباد تھے، اس طرح دریائے سندھ کے ساحلی مقامات سے لے کر ملتان تک ان کی آبادی تھیں، بلکہ گجرات اور کوکن کے ساحل میں بھی یہ قوم بکثرت آباد تھی۔ یہ لوگ دراصل بحری قزاق اور لیٹرے تھے، علاقے کے راجے مہاراجے تک بھی ان سے عاجز تھے۔

سیابچہ: یہ بھی ہندوستان کی ایک مشہور قوم تھی، ان کا وطن بھی سندھ تھا۔

بیاسرہ: اس قوم کا تعلق بھی سندھ سے تھا اور بمبئی کے حدود چمبور تک یہ آباد تھے۔ پیشہ سے لوگ جہازوں کی حفاظت کا کام کیا کرتے تھے۔

ٹھاکر: یہ قوم بھی سندھ سے تعلق رکھتی تھی، اپنی بہادری کے لیے شہرت رکھتی تھی، راجہ داہر کی فوج کا ہراول دستہ بن کر انہی لوگوں نے محمد بن قاسم سے مقابلہ بھی کیا۔

عامل: یہ سندھ کے مقامی لوگ تھے اور ہندوؤں میں ممتاز مقام و حیثیت کی حامل قوم سمجھے جاتے تھے۔ علم سے انہیں خاص شغف تھا۔ اسلامی دور حکمت میں بھی یہ لوگ اونچے منصبوں پر فائز کیے گئے۔

غرض کہ تسخیر سندھ سے پہلے یہ سب قومیں سندھ میں آباد تھیں اور مختلف پیشوں سے وابستہ تھیں۔

دین کے حوالے سے دیکھا جائے تو اس وقت سندھ میں ہندو، بدھ مذہب کے پیرو اور مسلمان بھی موجود تھے، حقیقت یہ ہے کہ پہلی صدی ہجری کے نصف آخر میں بہت سے مسلمان سندھ میں آباد ہو چکے تھے، ان میں وہ پناہ گزیں بھی تھے، جنہوں نے اسلامی خلافت سے بغاوت کر کے سندھ میں پناہ لے لی تھی، چنانچہ محمد علافی اور اس کے ہمراہ پانچ سو فوجی اسی سندھ میں پناہ گزیں تھے۔ محققین کا کیا خیال ہے کہ فتح اسلامی کے وقت سندھ میں اکثریت بدھوں کی تھی۔ ہندو کم تھے اور مسلمان تو بہت کم مگر اس کے باوجود حکومت برہمنوں کی رہی۔

2.6 سندھ میں ہندوؤں کی آخری حکومت

سندھ کا آخری ہندو حکمراں راجہ داھر تھا۔ معروف سندھی راجہ چچ برہمن (متوفی 40ھ مطابق 660ء) کا چھوٹا بیٹا تھا۔ داھر سے پیشرو حکمراں راج چندر کا انتقال (48 ھ مطابق 668) میں ہوا، چنانچہ اس کے مرنے کے بعد سندھ میں طوائف الملوکی شروع ہوگئی، اور الور کے تخت پر راجہ داھر بیٹھ گیا، نیز حکومت سندھ کی ایک ریاست برہمن آباد میں چندر کا لڑکا ''راج'' تخت نشین ہوا۔ ایک سال گزرتے گزرتے راج دنیا

سے رخصت ہوگیا تو راجہ داھر کے بڑے بھائی دھرسنگھ نے برہمن آباد کے تخت پر قبضہ کرلیا' گویا کہ اب داھر و دھرسنگھ دونوں سندھ کے دو حصوں کے حکمراں ٹھرے۔شمال پر داھر اور جنوب پر دھرسنگھ قابض رہے۔

2.6.1 راجہ داھر کا بہن سے نکاح

ان ہندو حکمرانوں میں علم نجوم پر بہت ایمان و یقین ہوا کرتا تھا' وہ اپنے بیشتر فیصلے نجومیوں کے مشورہ سے کیا کرتے تھے' چنانچہ راجہ داھر ایک موقع پر نجومی کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے حالات اور مستقبل کے بارے میں دریافت کیا' نجومی نے بتایا کہ:

''خوش قسمی کے سارے ستارے طالع کی طرف دیکھ رہے ہیں اور کوئی بھی نحس ستارہ خلاف نہیں۔یہ قلعہ اور بادشاہی سالہا سال کے لیے تیرے واسطے مقرر اور مستحکم ہے۔پھر بادشاہ نے پوچھا: ہماری بہن مائین کا طالع کیسا ہے؟ نجومی نے کہا کہ یہ اروڑ کے قلعہ سے باہر نہ جائے گی اور اس کا رشتہ وہ راجہ طلب کرے گا جس کے قبضے میں ہندوستان کی بادشاہت ہوگی اور یہ لڑکی اس کے عقد میں آئے گی۔

راجہ داہر نے اپنی سلطنت بچانے کے لیے اپنی سگی بہن سے نکاح کرلیا۔البتہ ازدواجی تعلقات سے گریزاں رہا' اس شرمناک اقدام نے راجہ داھر کے بھائی دھیر سنگھ کو برانگیختہ کردیا اور ان میں باہم جنگ تک نوبت آ پہنچی' کچھ ہی عرصہ بعد دھیر سنگھ کا انتقال ہوگیا اور راجہ داھر نے برہمن آباد کو بھی اپنے زیر اقتدار لے لیا' نیز بھائی کی بیوہ کو اپنے نکاح میں لایا۔

2.6.2 رنمل کے بادشاہ کی داھر کے خلاف بغاوت

59ھ میں رمل کا بادشاہ ایک ہزار لشکر جرار' ہاتھی سوار اور بہادر پیادے لے کر راجہ داھر سنگھ جنگ کے لیے روانہ ہوا' یہ فوج راوڑ پر حملہ آور ہوئی اور راجہ داھر کے بعض علاقوں پر قابض ہوگئی' اس افتاد سے نجات پانے کے لیے راجہ داھر نے مشورہ کیا' بدھیمن وزیر نے کہا کہ جنگ کا طریقہ جیسا کہ عرب جانتے ہیں' کوئی نہیں جانتا' اس لیے اروڑ میں موجود عرب پناہ گزینوں سے مدد لی جائے' چنانچہ بادشاہ نے عربوں سے مدد طلب کی۔

2.6.3 عربوں کی راجہ داھر کو مدد

بنی آسار میں ایک جنگجو محمد علافی تھا' جس نے ماتحت اسلامی ملکوں سے بغاوت کی تھی اور پانچ سو فوجیوں کے ہمراہ بھاگ کر سندھ میں پناہ لی تھی۔راجہ داھر نے محمد علافی سے مدد کی درخواست کی' چنانچہ ان عرب جنگجوؤں کی عسکری حکمت عملی کام آئی اور رنمل کی فوج شکست خوردہ بھاگ کھڑی ہوئی۔راجہ داھر اس فتح کامرانی سے بڑا خوش ہوا اور ان عرب پناہ گزینوں کی بہت عزت افزائی کی۔اس طرح راجہ داھر کی حکومت کو سیاسی استحکام حاصل ہوا' تا آنکہ 43 برس حکومت کے بعد 10 رمضان 93ھ مطابق 714ء میں راجہ داھر مارا گیا اور محمد بن قاسم نے سندھ پر فتح کے جھنڈے گاڑ دیے۔اس طرح یہ خطہ عرب مسلمانوں کے زیر قبضہ آ گیا اور برصغیر ہند میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

1.7 سندھ اور عہد خلفاء راشدین

---

11 ہجری میں رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا' حضرت ابوبکر خلیفہ مقرر ہوئے' 13ھ میں آپ نے وفات پائی اور حضرت عمرؓ جانشین ہوئے

آپ کے عہد میں اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ فتح ایران کے بعد ضروری سمجھا گیا کہ اس کی نوآبادیات کو بھی زیر قبضہ لایا جائے۔ چنانچہ مکران و بلوچستان پر ان کی نگاہ پڑی اور ظاہر ہے سندھ کی سرحدان علاقوں سے قریب تھی۔

دوسری طرف عرب و ہند کے قدیم تجارتی تعلقات تھے، اسلام کی آمد سے قبل بھی یہ دوطرفہ تجارت اپنے عروج پر تھی، چنانچہ عرب مسلمانوں کو اپنے تجارتی جہازوں کی حفاظت کے لیے ہندوستان کے کسی ساحلی بندرگاہ کی تلاش تھی، اس وجہ سے بھی حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں عرب بحری بیڑے ہندوستان کے ساحلوں پر چکر لگانے لگے۔ 15ھ مطابق 636ء میں عربوں نے بحرین کے گورنر کے حکم سے "تھانہ" بندرگاہ پر پہلا حملہ کیا، یہ بندرگاہ عروس البلاد ممبئی کے قریب اب بھی موجود ہے۔ اس کے بعد گجرات کے شہر بھروچ (بروص) پر بھی فوج کشی کی گئی، اسی زمانے میں سندھ کی بندرگاہ دیبُل (جو اصل میں دیول کا معرب ہے) پر بھی حملہ کیا گیا۔ اس بندرگاہ کا جائے وقوع موجودہ کراچی کے قریب تھا۔ ظاہر ہے یہ حملے بہت نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئے اور نہ ہی اس کے لیے باضابطہ کوئی تیاری کی گئی تھی، بلکہ حضرت عمرؓ کے دور میں کیے گئے تھانہ و دیبل کے حملوں پر امیر المومنین نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان و سندھ پر عربوں کے اصلی حملے خشکی کے راستے کیے گئے، اور وہ مفید و ثمر آور ثابت ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں ان بندرگاہوں کی نگہداشت کے لیے دریائی دستہ بھیجا جاتا تھا، حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں 39ھ مطابق 660ء میں باضابطہ ایک سردار اس علاقے کی نگرانی کے لیے معین کیا گیا، جو 42ھ مطابق 663ء میں مارا گیا۔ امیر معاویہ کے دور میں ایک مستقل منصب کا اضافہ کیا گیا، جو کہ سندھ کی سرحد کا نگران قرار دیا گیا۔ چنانچہ انہوں نے میلب نامی سردار کو اس عہدے کے لیے نامزد کیا۔

گویا کہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت ہی سے سندھ پر خلافت اسلامیہ کی نگاہ تھی، اور اس کی بنیادی طور پر دو وجوہات تھیں، ایک تو سیاسی دوسرے تجارتی۔ اور خلافت راشدہ کے فوراً بعد امیر معاویہ کے دور میں سندھ کے نگران کا باضابطہ ایک عہدہ مقرر کیا گیا۔ اس طرح دھیرے دھیرے سندھ خلافت اسلامیہ کے دائرہ میں آتا چلا گیا۔

ذیل میں خلافت راشدہ کے عہد میں سندھ پر خشکی کے راستوں سے جو حملے کیے گئے ان کی تفصیلی ذکر کی جا رہی ہے۔

2.7.1 حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں سندھ پر پہلا بری حملہ

سندھ کی سرحد پر ایک مشہور شہر واقع ہے، جسے مکران کہا جاتا تھا، مکران پر سب سے پہلے ابوموسیٰ اشعری نے اپنی حکومت کے ایام میں ربیع بن زیاد کے ذریعہ فوج کشی کروائی۔ چنانچہ اس شہر پر قبضہ بھی کر لیا گیا۔ مگر مکمل اقتدار اور انتظام و استحکام کے بغیر ہی فوج واپس آ گئی، جس کے نتیجہ میں بغاوت اور خودمختاری کا اعلان کر دیا گیا۔

اس فتوحات کا دائرہ جب وسیع ہوا اور 22ھ میں پورا ایران خلافت اسلامیہ کے زیر نگیں آ گیا تو عبداللہ بن عامر بن ربیع نے کرمان و سیستان فتح کرتے ہوئے مکران کی جانب پیش قدمی کی اور اہل مکران کی سرکوبی کرنا چاہا، اس موقع پر مکران والوں نے سندھی حکومت سے فوجی مدد حاصل کی، مگر عبداللہ بن عامر نے ان متحدہ فوجوں سے مقابلہ کیا اور انہیں شکست سے دوچار کیا، اس طرح مکران و دیگر ممالک کو زیر نگیں بنایا۔ لیکن اس بار بھی عبداللہ بن عامر حکومتی انتظام و استحکام نہ کر سکے، جس کے نتیجہ میں یہ تمام ممالک خودمختار ہو گئے، چنانچہ 23ھ میں اس جانب توجہ کی

گئی اور سہیل بن عدی اور عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان نے خود مختار حکمرانوں کی سرکوبی کی اور کرمان کو فتح کیا' نیز حکومتی انتظام وانصرام کو پورا کیا۔

دوسری طرف حکم بن عمر تغلبی نے مکران کا رخ کیا' مگر ان کے راجہ نے پھر سندھ کے بادشاہ سے مدد طلب کی اور متحدہ فوج کے ساتھ میدان جنگ میں آ پہنچا' اس صورت حال کے پیش نظر حکم بن عمر تغلبی کے تعاون کے لیے پڑوسی ریاستوں سے شہاب بن مخارق' سہیل بن عدی اور عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان بھی اگئے۔ دونوں فوجوں میں سخت معرکہ آرائی ہوئی' آخر کار مکران کا راجہ کام آیا اور سندھ ومکرانی فوج پسپا ہوئی' اس فتح وکامرانی کی خبر دربار خلافت میں مال غنیمت کے ساتھ بھیجی گئی' حضرت عمرؓ خوش ہوئے اور خدا کا شکر بجالائے۔

2.7.2 حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں سندھ پر حملے

حضرت عثمانؓ اسلامی تاریخ میں تیسرے خلیفہ کی حیثیت سے منصب خلافت پر فائز ہوئے یہ ہجرت کا 24واں سال ہے' آپ کے حکم سے 25ھ میں کابل کو فتح کیا گیا' اسی طرح 29ھ میں عبداللہ بن عامر کو تمام مشرقی ملکوں کا حاکم اعلیٰ مقرر کیا گیا' ابن عامر نے اپنے عہدہ کا جائزہ لیا اور جب مفتوح ممالک کی صورت حاصل دیکھی تھی ششدر رہ گئے' کیوں کہ وہ تمام مفتوح علاقے باغیوں اور خود مختاروں کے زیر قبضہ تھے' ان ملکوں کی بازیافت کے لیے عبداللہ بن عامر نے عبداللہ بن معمر کو مکران' عبدالرحمٰن بن عمیس کو کرمان اور عبید اللہ بن عمیر لیثی کو سیستان کا گورنر بنا کر بھیجا' ان حضرات نے سرکشوں کی سرکوبی کی اور ان علاقوں کو خلافت اسلامیہ کے زیر نگیں کرلیا۔ بعض وجوہات کی بناء پر ابن عامر نے بعد میں سیستان کی حکومت ربیع بن زیاد کو اور کرمان کی حکومت مجاشع بن مسعود کے سپرد کردی تھی۔ ایک سال بعد باغیوں نے پھر سے سر اٹھایا' چنانچہ ابن عامر نے صحابی رسول ﷺ عبدالرحمٰن بن سمرہ بن حبیب کو والی مقرر کیا' آپ نے بغاوت کو فرو کیا اور اس پورے خطہ کو زیر کرلیا۔ گویا کہ ہندوستان کا یہ علاقہ ایک صحابی رسول ﷺ کے ہاتھوں فتح یاب ہوا۔

2.7.3 حضرت علیؓ کے دور خلافت میں سندھ پر حملے

حضرت عثمان کی شہادت کے بعد 35ھ میں حضرت علیؓ کی بیعت لی گئی اور وہ اسلامی تاریخ کے چوتھے خلیفہ بنائے گئے' آپ نے 38ھ میں ثاغر بن ذعوار کو سرحدی حملوں کے لیے روانہ کیا' چنانچہ انہوں نے حارث بن مرہ نامی ایک نہایت تجربہ کار سردار کو اپنے ساتھ شامل کیا اور بڑی فوج لے کر روانہ ہوئے وہ جہاں پہنچتے فتح مند اور کامیاب ہوتے' تا آنکہ آپ کا لشکر 42ھ میں کوہ قیقان تک آ پہنچا' یہاں سخت معرکہ پیش آیا' کیوں کہ بیس ہزار فوجی تمام دروں کی ناکہ بندی کیے بیٹھے تھے' یہاں ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا کہ اسلامی لشکر کے ہزاروں افراد نے بہ یک آواز نعرہ تکبیر بلند کیا' اس بلند آواز اور صدائے بازگشت نے خوف وہراس طاری کردیا' افراتفری مچ گئی' اور اس طرح مسلمان فتح یاب ہوئے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد 40ھ میں حضرت علیؓ شہید کردیے گئے۔

2.8 امیر معاویہ کے دور میں سندھ پر حملے

40ھ میں حضرت معاویہ نے اپنی امارت کا اعلان کیا اور زمام اقتدار سنبھالنے کے بعد آپ نے عبداللہ بن سوار العبدی کو حکم دیا کہ چار ہزار سواروں کے ساتھ سندھ کا رخ کرو اس طرح ان کو سندھ کا والی مقرر کیا' سخت معرکہ ہوا' دشمن کو شکست ہوئی' یہ فتح 43ھ میں ہوئی۔

43ھ مہلب بن ابی صفرہ نے جو عبدالرحمٰن بن سمرہ کی فوج کے ایک سردار تھے' اپنی فوج لے کر ہند کی طرف روانہ ہوئے' اور ''درۂ خیبر'' سے داخل ہوئے' مہلب کابل' پشاور سے گزرتے ہوئے سرزمین ہند پہنچے' واپسی میں ملتان وغیرہ کو زیر کیا۔ حضرت معاویہ کے مقرر کردہ والی عبداللہ بن سوار کاتر کی جنگجوؤں سے مقابلہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے رفقاء کے ساتھ شہید ہو گئے' ان کے بعد سنان بن سلمہ ہذلی کو مکران و سندھ کی ذمہ داری سپرد کی گئی۔ ان تمام علاقوں کو دوبارہ سنان سے زیر کیا۔ پھر' متعدد فتوحات حاصل کیں' دو سال وہیں قیام کیا' مزید علاقوں کو فتح کرنے کے لیے ''بدھا'' جا پہنچے' یہاں سخت جنگ ہوئی' اور اسی میں سنان بن سلمہ شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کے بعد 61ھ میں ابوالاشعث منذر بن جارود عبدی سندھ کے حاکم مقرر کیے گئے' انہوں نے آتے ہی بوقان پر حملہ کیا' تیز کئی علاقوں پر فوج کشی کی اور ہر طرف فتح یاب ہوئے۔

2.9 عبدالملک بن مروان کا عہد اور سندھ پر حملے

65ھ میں عبدالملک تخت نشین ہوا۔ اس کی زیادہ تر توجہ اسلامی مملکت کے انتظام و استحکام پر رہی' 75ھ میں عبدالملک نے عراق اور سندھ و ہند حجاج بن یوسف کے سپرد کیا' چنانچہ حجاج نے سعید بن اسلم کلابی کو مکران اور سندھ کا حاکم مقرر کیا' سعید نے مکران پہنچ کر ایک شخص الحمامی سے کہا کہ ''میں جہاں بھی منزل انداز ہوں' تم میرے ساتھ رہو اور مددگار بن کر رہو'' الحمامی نے اس حکم کو ماننے سے انکار کر دیا' چنانچہ سعید کلابی نے اسے قتل کر دیا' اس خون کا بدلہ لینے کے لیے محمد علامی نے سعید پر حملہ کر دیا اور قتل کر کے خود مکران کا حاکم بن بیٹھا۔ علافی نے اپنے پانچ سو سواروں کے ساتھ سندھ کے راجہ داھر کی بھی مدد کی تھی' حجاج بن یوسف کو جب سعید کے قتل کی خبر ملی تو وہ بہت برہم ہوا اور ابن سحر تمیمی کو مکران کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ علافیوں کی سرکوبی ضرور کی جائے' مگر یہ لوگ پہلے ہی بھاگ کھڑے ہوئے اور سندھ جا کر پناہ لی۔ ایک سال تک ابن سحر تمیمی نے مکران ہی میں قیام کیا اور 76ھ میں انتقال کر گیا۔ حجاج نے ان کی جگہ محمد بن ہارون بن ذراع نمری کو مامور کیا اور خاص تاکید کی کہ علافی باغیوں کو بہر صورت نیست و نابود کر دیا جائے۔ چنانچہ محمد بن ہارون نے 86ھ کی ابتدا میں ایک علافی کو گرفتار کیا اور اس کا سر قلم کر کے حجاج کے پاس بھیج دیا اور بذریعہ خط وضاحت بھی کر دی کہ اگر عمر نے وفا کی اور بخت نے یاوری کی تو دوسروں کو بھی گرفتار کیا جائے گا۔ محمد بن ہارون نے 91ھ تک اس عہد پر فائز رہے اور ملک کی ترقی و خوشحالی کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ گویا کہ آپ نے عبدالملک بن مروان اور ولید بن عبدالملک دونوں کے عہد کو پایا اور حسن کارکردگی کا ثبوت دیا۔

2.10 ولید بن عبدالملک کا زمانہ اور سندھ کی فتح

یہ ولید بن عبدالملک کا دور خلافت تھا' اور پوری دنیا میں اسلامی خلافت کی قوت و شوکت کا چرچا تھا' یہی وجہ تھی کہ مختلف ممالک کے بادشاہ اور راجے مہاراجے خلیفۃ المسلمین سے اچھے راہ و رسم بنانے کی کوشش میں رہے اور اگر کسی کی طرف سے اسلامی خلافت کو کوئی گزند پہنچتی تو اس کا سخت نوٹس بھی لیا جاتا تھا' چنانچہ ولید بن عبدالملک کے دور میں سندھ کے علاقے میں بعض ناخوشگوار واقعات پیش آئے' جس کے نتیجہ میں حجاج بن یوسف نے بدلے کی ٹھانی اور محمد بن قاسم کے زیر کمان سندھ کو مکمل فتح کرنے کا عزم مصمم کر لیا۔ ان واقعات کو ذیل میں ذکر کیا جا رہا ہے۔

2.10.1 پہلا واقعہ

مسلمانوں اور عربوں نے ابتداء ہی سے تجارت میں خوب دلچسپی لی تھی' اور دور دراز ملکوں سے ان کی بڑے پیمانے پر تجارت ہوا کرتی تھی۔ ہندوستان سے لے کر چین تک اس تجارت کا دائرہ وسیع تھا' اور خاص طور پر لنکا بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ عرب اسے ''سیلان'' کہتے تھے۔ یہاں بہت سے عرب تاجر بھی آباد ہو گئے تھے' اتفاق سے ایک مسلمان تاجر یہاں انتقال کر گیا اور اپنے پیچھے بیوہ اور یتیم لڑکے لڑکیاں چھوڑ گیا' لنکا کے بادشاہ نے اظہار یگانگت کے لیے چند جہازوں پر ان پسماندگان کو اور ان کے ساتھ خلیفہ ولید کے لیے قیمتی تحفے روانہ کیے' ان میں انواع و اقسام کے موتی و جواہر' حبشی غلام شامل تھے اور کچھ مسلمان مرد و خواتین حج کا ارادہ رکھتے تھے' تو بادشاہ نے انہیں بھی جہاز پر سوار کر دیا' یہ بحری بیڑا سندھ کی مشہور بندرگاہ دیبل کے قریب پہنچا تو سندھی قزاقوں نے اس کو لوٹ لیا' مورخین کے مطابق آٹھ جہازوں پر پورا سامان لدا ہوا تھا' اس گروہ نے لدے ہوئے سامان پر قبضہ کر لیا اور لوگوں کو قیدی بنا لیا' ان میں ایک خاتون قبیلہ یربوع کی تھیں' وہ پکار اٹھیں: ''فریاد اے حجاج''۔ اس حادثہ اور فریاد کی خبر جب حجاج کو ہوئی تو وہ غصہ کے مارے بے تاب ہو گیا اور جوش و جلال میں کہہ اٹھا: ''ہاں میں آیا' ہاں میں آیا''.....ان قزاقوں کی جرأت اور خواتین و قدیوں کی بے بسی نے حجاج بن یوسف کے تن بدن میں آگ لگا دی' اور اس نے طے کر لیا کہ سندھ کو مکمل فتح کر کے باضابطہ اسلامی خلافت کے زیر نگیں لاتا ہے۔

2.10.2 دوسرا واقعہ

مذکورہ حادثہ کے بعد حجاج نے راجہ داھر کی طرف ایک قاصد روانہ کیا' اور سندھ کے حکمراں محمد بن ہارون کو بھی خط لکھا کہ کوئی قابل اعتماد آدمی اس قاصد کے ساتھ داہر کے پاس بھیج دے' تا کہ راجہ سے کہے کہ مسلمان عورتوں کو چھوڑ دے' دارالخلافہ کے تحفہ واپس کر دے اور عورتوں کی حالات بھی دریافت کرے' نیز حجاج نے ایک خط داھر کے نام بھی لکھا اور اپنے مطالبات رکھے' جب یہ قاصد داھر کے پاس پہنچے تو اس نے کہا: ''یہ لوگ قزاق ہیں' ان سے زیادہ کوئی طاقتور نہیں ہے اور وہ ہماری اطاعت بھی نہیں کرتے ہیں۔'' حالانکہ دیبل داہر کی بادشاہت کی حدود میں آتا تھا۔ اس ردعمل کے بعد حجاج نے دوبارہ خلافت میں ایک عرضداشت داخل کی' اور سندھ پر فوج کشی کی اجازت چاہی۔ ولید نے اسے قبول نہیں کیا' حجاج نے دوبارہ اجازت طلب کی اور وعدہ کیا کہ خزانۂ عامرہ سے جو اخراجات اس جنگ پر خرچ ہوں گے' اس کا دوگنا خزانہ میں داخل کیا جائے گا۔ خلیفہ نے بالآخر رضامندی کا اظہار کر دیا۔

2.11 فتح سندھ

یوں تو عربوں نے حضرت عمر بن خطابؓ ہی کے دور سے سندھ کے علاقے پر نظر رکھی تھی' مگر باضابطہ فوج کشی نہیں کی' اور اس خطہ کو خلافت اسلامیہ کے دائرہ میں داخل کرنے کی منظم کوشش نہیں کی' مگر مختلف اسباب و عوامل پیش آتے گئے' تا آنکہ حجاج بن یوسف کے عہد میں اوپر ذکر کیے گئے چند سنگین واقعات پیش آئے۔ اب پہلی بار ولید بن عبدالملک کے دور خلافت میں سندھ پر فوج کشی کی ٹھانی گئی' چنانچہ' اس پورے عرصہ میں بہت سے اسباب بنے جس نے فتح سندھ کی راہ ہموار کی' ذیل میں ان ہی اسباب پر روشنی ڈالی جا رہی ہے۔

2.11.1 فتح سندھ کے اسباب

فتح سندھ کے رفتہ رفتہ جو اسباب بنے وہ حسب ذیل ہیں:

1. سندھ ساسانی حکومت کا صوبہ ہونے کی وجہ سے عرب مسلمانوں کی یلغار کا قدرتی ہدف تھا۔
2. جنگ نہاوند میں سندھ کے فوجی دستے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک ہوئے تھے۔
3. سندھ کے معاندانہ رویے کی وجہ سے مکران و بلوچستان کی سرحد پر اس کے سپاہیوں سے مسلمانوں کی جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔
4. حکومت سندھ نے اموی حکومت کے باغیوں کو جو محمد علافی کی سرکردگی میں تھے پناہ دی تھی۔
5. راجہ داہر کا شدید تعصب سندھ کی مقامی بدھ آبادی کے لیے انتہائی درجہ کے مظالم کا بعث بن گیا۔
6. سندھ کے بحریہ نے لنکا سے عرب جانے والے جہازوں کو لوٹنا اور غلام بنانا شروع کر دیا تھا۔

2.12 سندھ پر فوج کشی

حجاج بن یوسف نے اپنے خاکہ میں رنگ بھرتے ہوئے سب سے پہلے اپنے بھتیجے اور داماد محمد بن قاسم بن محمد ثقفی کو ہند کا گورنر مقرر کیا' چنانچہ حکم کی تعمیل میں محمد بن قاسم نے سندھ کا رخ کیا' شیراز میں چھ ماہ قیام کیا' ادھر ابوالاسود جسم کے ماتحت چھ ہزار شامی نوجوانوں کی فوج شیراز پہنچی تو ابن قاسم سندھ کی طرف روانہ ہوئے اس لشکر میں تمام ضروریات کا سامان موجود تھا' بلکہ سوئی دھاگا بھی سامان رسد میں موجود تھا۔

محمد بن قاسم شیراز سے مکران آیا' پھر مکران کی سرحد سے چل کر پہلے قزبور پر حملہ کیا' اس شہر کے فتح ہونے میں کئی ماہ لگ گئے' آگے چل کر ارمن بیلہ کا محاصرہ کیا' اس شہر کو فتح کر کے وہیں چند ماہ قیام پذیر ہوا' یہیں محمد بن ہارون والی مکران بھی حجاج بن یوسف کی ہدایت پر اپنی فوج کے ساتھ آ ملا۔ اتفاق سے محمد بن ہارون وفات پا گئے۔ اب دونوں فوجوں کی قیادت محمد بن قاسم کر رہے تھے۔ فوج نے مغربی سندھ کے سب سے مشہور شہر دیبُل کا رخ کیا' یہاں کی بندرگاہ بڑی اہمیت کی حامل تھی' چنانچہ ایران' عراق' عرب اور افریقہ کے جہاز یہیں لنگر انداز ہوا کرتے تھے۔

2.12.1 فتح دیبل

محمد بن قاسم جمعہ کے روز 92ھ میں دیبل پہنچا' یہاں کے لوگوں نے قلع بند ہو کر لڑنا مناسب سمجھا' مسلمانوں نے اس کا محاصرہ کر لیا' اتفاق سے اسی روز سمندری راستے سے آنے والا جنگی ساز و سامان بھی پہنچ گیا۔ چنانچہ منجنیق لگا دی گئی' جنگ شروع ہو گئی' طول پکڑتی گئی' اسی دوران محمد بن قاسم کے پاس ایک برہمن آیا اور اس نے مشورہ دیا کہ اس دیول میں ایک طلسم ہے' جب تک یہ نہ ٹوٹے گا شہر فتح نہ ہو گا' اسی طرح حجاج بن یوسف نے بھی نقشۂ جنگ دیکھ کر منجنیق کی پوزیشن بدلنے کا مشورہ دیا' بہرحال اس طرح اس گنبد کو تسخیر کیا گیا' ساتھ ہی پورے شہر میں کہرام مچ گیا' دیبل والے حصار بند قلعہ سے باہر آ کر لڑنے لگے' دونوں فوجوں میں خونریز جنگ ہوئی۔ عربوں نے بھی پامردی سے مقابلہ کیا'

بالآخر عربوں کو فتح نصیب ہوئی۔شہر میں تین روز تک قتل کا بازار گرم رہا'تین دن کے بعد حالات قابو میں آئے'محمد بن قاسم نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ایک جامع مسجد کی بنیاد رکھی اور مسلمانوں کے چار ہزار گھر آباد کیے۔

2.12.2 فتح نیرون

دیبل کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نیرون کی جانب روانہ ہوا' جو دیبل سے 75 میل پر واقع ہے۔سات روز مسلسل سفر کر کے یہ قافلہ نیرون پہنچا' یہاں کا حکمران بدھ مذہب کا پیرو تھا'اس نے پہلے ہی سے حجاج بن یوسف سے معاملہ طے کر لیا تھا' چنانچہ یہاں کا حاکم شمنی بے شمار نذرانوں اور بے انداز تحفوں کے ساتھ محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی اطاعت و رضامندی کا عہد و پیماں کیا اور قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور خوب ضیافت کی۔نیرون میں بھی محمد بن قاسم نے ایک مسجد کی بنیاد رکھی'امام مقرر کیا اور پنج وقتہ نمازوں کے قیام کا فرمان جاری کیا۔نیز محمد ذہلی بصری کو شہر کا کوتوال مقرر کیا۔

2.12.3 فتح سیستان

محمد بن قاسم نے سیستان کا رخ کیا۔یہ نیرون سے 90 میل واقع ہے۔سیستان شہر کے تابع ایک شہر ''بہرج'' تھا' یہاں کے لوگ بدھ مت کے پیرو تھے'ان لوگوں نے کوئی مزاحمت نہیں کی'اسلامی سپہ سالار کی اطاعت قبول کر لی اور سیستان کے حاکم بجے رائے کو ایک عرضداشت بھیجی کہ ''ہم لوگ بودھی ہیں'ہمارے مذہب میں خونریزی روا نہیں ہے'آپ کی طرح ہم لوگ بھی محفوظ نہیں ہیں'عربوں کے متعلق جہاں تک علم ہے وہ یہ ہے کہ امان مانگنے سے وہ شہر کو نہیں لوٹتے' بلکہ وعدہ کے مطابق ہر طرح شہر کی حفاظت کرتے ہیں'اس لیے مجبور ہو کر ہم لوگ اطاعت قبول کر لیتے ہیں'اس معاملہ میں آپ ہم کو معذور سمجھیں۔

سپہ سالار نے اب خاص قلعہ'سیستان کا رخ کیا'وہاں کا حاکم راجہ داہر کا بھتیجا تھا'شمنیوں نے اس شہزادہ کو بہت سمجھایا کہ اس لشکر سے نمٹنا تیرے بس کا نہیں ہے'خود سپردگی کر دے'تا کہ تمام رعایا کی جان و مال بھی محفوظ رہے' مگر سیستان کے حاکم نے مان کر نہ دی۔چنانچہ محمد بن قاسم نے منجنیق ایستادہ کرنے اور جنگ شروع کرنے کا حکم دیا۔قلعہ کے اندر صورت حال یہ تھی کہ کسان اور دستکار'تاجر اور عام رعایا بجے رائے سے الگ ہو گئے'اور تقریباً ایک ہفتہ کی مدت میں سب ہی جنگ سے دست کش ہو گئے' حاکم نے جب یہ حالات دیکھے تو رات کے وقت شمالی دروازہ سے دریا پار کر کے چھپ کر بھاگ گیا۔

محمد بن قاسم قلعہ کے اندر داخل ہوئے'اپنے عامل اور نائب مقرر کیے'عہد و پیمان کو پورا کیا'اس طرح سیستان بھی فتوحات اسلامی کے دائرہ میں آ گیا۔

2.12.4 سیسم کی فتح

سپہ سالار نے اپنی پیش رفت جاری رکھی'اور دیگر علاقوں کا رخ کیا'چنانچہ سیسم یا سیوی کی جانب بڑھے'یہ علاقہ سندھ کے راجہ کے ماتحت تھا'اور اس کا حاکم ''کاکا'' تھا۔اسے یہ یقین ہو چلا تھا کہ محمد بن قاسم سے نبرد آزما ہونا گویا کہ خود کو ہلاک کرنا ہے۔اس لیے کاکا اپنے تمام ماتحت سرداروں اور احباب کو ساتھ لے کر محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہوا'اطاعت و فرمانبرداری کا یقین دلایا'چنانچہ محمد بن قاسم نے اس کا خیر

مقدم کیا' اور دونوں میں دوستانہ مراسم قائم ہو گئے ۔سپہ سالار نے اگلے جنگی محاذوں پر کاکا سے مشوروں سے بھی فائدہ اٹھایا' نیز کاکا کو بعد میں اعزاز خلعت سے بھی نوازیا گیا ۔واضح رہے کہ عرب فوج کے اخلاق اور عدل وانصاف کی خبر ملک کے گوشہ گوشہ میں گشت کر رہی تھی' اسی وجہ سے حکام پہلے ہی اسیر ہو جایا کرتے تھے اور آسانی اطاعت قبول کی جاتی تھی ۔

2.12.5 راجدھانی کی جانب

حجاج بن یوسف نے محمد قاسم کو خط لکھا کہ اب سندھ کے پایہ تخت کیطرف پیش قدمی کی جائے اور براہ راست راج داھر سے مقابلہ کیا جائے' خط میں یہ نصیحت بھی کی کہ:

> ''بھروسہ ہمیشہ خدا پر رکھو' اور اسی کی طرف سے مدد کے امیدوار رہو' جن شہروں اور قلعوں پر قبضہ کرو اس کو خوب مضبوط کرلو' پختہ انتظام کر کے آگے بڑھو' تا کہ دشمنوں کو پیچھے سے ستانے کا موقع نہ ملے ۔''

چنانچہ ابن قاسم نے اب راج داھر کی راجدھانی کے لیے تیاری شروع کر دی' اس موقع پر سپہ سالار نے مناسب سمجھا کہ ایک وفد راج داھر کے پاس روانہ کرے' چنانچہ شام کے ایک معزز شخص کے ہمراہ ایک سندھی نومسلم ''مولانا اسلامی'' کو بھیجا گیا' یہ سفارت کار دربار میں پہنچے اور پیغام پہنچایا' راجا داھر نے جنگ کی ٹھان لی اور جنگ کی تیاری شروع کر دی ۔ادھر حجاج بن یوسف نے درمیان میں آنے والی دریا مہران کو عبور کرنے کی اجازت بھی دے دی' رات کی تاریکی میں عرب فوج نے دریا عبور کرلیا ۔جنگ مختلف مرحلوں سے گزرتی رہی' بالآخر 10/ رمضان بروز جمعرات 93ھ کو راج داھر اور محمد بن قاسم کے درمیان جے پور کے مقام پر جنگ ہوئی' مسلمانوں نے بھرپور مقابلہ کیا' اور اسلحہ میں بطور خاص آگ لگانے والے تیروں کے ذریعہ سندھی ہاتھیوں میں بھگدڑ مچا دی' اس طرح راجہ داھر کا ہاتھی اپنے سوار سمیت دریا میں ڈوب گیا ۔اور محمد بن قاسم نے مکمل سندھ کو تسخیر کرلیا ۔

عسکری وجنگی لحاظ سے یہ جنگ حیران تھی' میدان جنگ کی صورت حال' افرادی قوت کے اعتبار سے یہ جنگ جیتنا دشوار گزار تھا' مگر محمد بن قاسم کی عسکری حکمت عملی' جنگی تجربات اور مسلم فوجیوں کے بلند حوصلوں نے فتح وکامیابی سے ہم کنار کیا ۔

ڈاکٹر ایشوری پرشاد نے خوب لکھا کہ:

> محمد بن قاسم کا سندھ پر حملہ تاریخ کی رومانی داستانوں میں سے ایک ہے' اس کی ابھرتی جوانی' آزادانہ اور جرأت مندانہ کردار اور شریفانہ رویہ سندھ کے سفر میں بھی اس کے ساتھ رہا اور اس کا المناک زوال اس کی شہادت پر ختم ہوا ۔

2.13 فتح سندھ کے نتائج

اس جنگ اور سندھ کی تسخیر کے نتیجے میں جو نتائج سامنے آئے وہ حسب ذیل ہیں:

1. جنوبی ایشیاء اسلام سے روشناس ہوا ۔

2. مسلمانوں نے عدل وانصاف اور مساوات واخوت پر مبنی نظام حکومت کی بدولت مقامی آبادی نے کثیر تعداد میں اسلام قبول کرلیا۔

3. سندھ کی تسخیر نے اسلام کی فتح کا راستہ کھول دیا۔

4. سندھ مستقل طور پر اسلامی تہذیب وتمدن کا مرکز بن گیا۔

5. لاتعداد مبلغ اور بندگان خدا نے سندھ سے آگے بڑھ کر ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ شروع کردی۔

6. عرب مسلمانوں نے سنسکرت زبان سیکھ کر ہندوؤں کے علم نجوم پر کتابیں تحریر کیں' کہاں جاتا ہے کہ الجبراء کا ارتقاء اس کے بعد شروع ہوا۔

7. بودھ مذہب کے پیرو جو برہمنوں کے جور وستم کا شکار رہتے انہیں آزادی نصیب ہوئی۔

2.14 حکومت کا نظم ونسق

فتح سندھ کے بعد محمد بن قاسم نے ہندوستان میں تقریباً چار سال قیام کیا' یہاں انتظام واستحکام پر خوب توجہ دی' بلکہ بعض محققین کا یہ خیال بجا ہے کہ ''سندھ کا نظم ونسق شاید ترکوں اور افغانوں کی بہ نسبت زیادہ رواداری اور رعایا پروری پر مبنی تھا۔''

چنانچہ محمد قاسم نے اہل سندھ کے ساتھ نرمی اور خوش اخلاقی کا برتاؤ کیا۔ اطاعت قبول کرنے والوں کے ساتھ بہتر سلوک کیا' ہندوؤں کو تمام تر مذہبی مراعات دیں' بلکہ انہیں اہل کتاب کے درجہ میں رکھا۔ اسی طرح بدھ مذہب کے ماننے والے خود کو غیر محفوظ تصور کرتے تھے۔ انہیں ان کے مذہب پر عمل کرنے کی پوری آزادی دی۔

محمد بن قاسم نے سندھ کے تاجروں' دست کاروں اور عام آدمیوں کو امان عطا کیا۔ ان کے ساتھ فیاضی کا معاملہ کیا۔ اسی طرح ہندو پجاریوں اور برہمنوں کو اپنے مندروں میں پرستش کی اجازت دی نیز زمینداروں کو اجازت دی گئی کہ وہ برہمنوں اور مندروں کو قدیم ٹیکس دیتے رہیں' مندر کی خدمت کرتے رہیں۔

سندھ میں سپہ سالار نے ایک قانون نافذ کیا کہ کسی آبادی میں جب کوئی نووارد مسلمان آئے تو ایک دن ایک رات اس کو مہمان سمجھا جائے اور ذمہ دار حکام اس کا انتظام کریں' اور اگر بیمار ہو تو تین دن تین رات مہمان ہو۔

تمدنی انتظام کے حوالے سے محمد بن قاسم نے یہ کیا کہ چار معزز تاجروں کی ایک کمیٹی بنائی اور دیوانی مالی عدالت اس کے سپرد کردی جائے تاکہ تمام مالی مقدمے ہر مذہب کے رسم ورواج کے مطابق فیصل کئے جائیں۔

شہر میں چوکیدار' سپاہی اور کمشنر مقرر کیے گئے۔ تاکہ بدامنی اور فساد سے لوگوں کو محفوظ رکھا جاسکے۔

محمد بن قاسم نے پرانے نظام کو بقدر امکان تبدیل نہیں کیا' بلکہ داہر کے وزیر اعظم کو وزارت پر برقرار رکھا' اور اسی کے مشورے سے تمام نظام حکومت ہندوؤں کے ہاتھ میں رہنے دی' عرب فقط فوجی اور حکومتی انتظام میں شریک رہتے۔

مسلمانوں کے مقدمات حل کرنے کے لیے قاضی مقرر کیے گئے' اور یہ شریعت اسلامی کے پابند ہوتے۔ ہندوؤں کے لیے بدستور ان کی پنچایتیں قائم رہیں۔

2.15 خلاصہ

اس اکائی کو پڑھ کر ہم نے جانا کہ:

سندھ دراصل آرین زبان کا لفظ ہے، سندھ میں مسلمانوں کی آمد کے وقت کئی قومیں آباد تھیں، مثلاً جاٹ، مید، سیابچہ، بیاسرہ، ٹھاکر وغیرہ، سندھ کی طرف مسلمانوں کے فوجی دستے حضرت عمر کے زمانہ سے پیش قدمی کرتے رہے، سندھ کا بادشاہ راجہ داہر تھا، جس کی غیر اخلاقی صورتحال سے خود اس کی عوام اور رشتہ دار ناخوش تھے، اس نے خلافت کے باغیوں کو پناہ دی تھی، نیز ان قزاقوں سے درگذر کا معاملہ کیا تھا، جنہوں نے مسلمانوں کے قافلہ کو لوٹا تھا۔ ان وجوہات کی بنا پر حجاج نے محمد بن قاسم کو سندھ روانہ کیا، جنہوں نے اس علاقہ کو فتح کیا، اور امن وامان قائم کیا، حکومت میں ہندوؤں کو شریک کیا، اور اس طرح برصغیر میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

2.16 نمونے کے امتحانی سوالات

درج ذیل سوالات کے جواب تیس سطروں میں دیجئے۔

1. سندھ کی وجہ تسمیہ بتاتے ہوئے اس کے جائے وقوع سے بحث کیجیے۔
2. خلفائے راشدین کے عہد میں عرب وسندھ تعلقات پر روشنی ڈالیے۔
3. محمد بن قاسم کی فتح سندھ کے اسباب سے بحث کیجیے۔

درج ذیل سوالات کے جواب پندرہ سطروں میں دیجئے۔

4. فتح سندھ کے نتائج قلم بند کیجیے۔
5. سندھ کی فتح میں محمد بن قاسم کے کردار سے بحث کیجیے۔

2.17 مطالعہ کے لیے معاون کتابیں

1. فتح نامہ سندھ معروف بہ چچ نامہ بنی بخش خان بلوچ، مترجم اختر رضوی، مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ، پاکستان
2. تاریخ سندھ، جلد اول و دوم ۔ از مولانا سید ابوظفر ندوی، مطبوعہ دارالمصنفین شبلی اکیڈمی ۔ اتر پردیش
3. عرب وہند کے تعلقات، از سید سلیمان ندوی، مطبوعہ دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اتر پردیش
4. آب کوثر، از شیخ محمد اکرام علی، مطبوعہ، ادبی دنیا دہلی،
5. محمد بن قاسم سے اورنگ زیب تک، از محمد سعید الحق، مطبوعہ اریب پبلیکیشنز، دہلی
6. برصغیر ہند میں اشاعت اسلام کی تاریخ، از محمد مشتاق تجاوری، مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی

اکائی 3- سندھ میں عربوں کی حکومتیں

اکائی کے اجزاء

3.1 مقصد

3.2 تمہید

3.3 سندھ کی قدیم تاریخ

3.4 اسلامی دور سے قبل کے حالات:

3.5 عربوں کے ہند اور سندھ پر حملہ کی تاریخ:

3.6 ولید بن عبدالملک کے دور میں سندھ پر حملہ کے اسباب:

3.7 محمد بن قاسم کی آمد اور سندھ کی فتح

3.8 ہند میں عربوں کی حکومت کے چار دور:

3.9 سندھ خلافت اموی میں:

3.10 خلافت عباسیہ کے دور میں سندھ و ہند میں عربوں کی حکمرانی

3.11 سندھ میں ہباری خاندان کی حکومت:

3.12 سلطنت خاندان بنوسامہ

3.13 ملتان میں اسماعیلی حکومت:

3.14 سومرہ حکمراں

3.15 خلاصہ

3.16 نمونے کے امتحانی سوالات

3.17 مطالعہ کے لیے معاون کتابیں

3.1 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبہ سندھ کی قدیم تاریخ، اسلامی دور حکومت، اموی اور عباسی دور خلافت میں سندھ اور گجرات کے ساحلی علاقوں میں حکمرانی کی تاریخ اور سلطنت ہباری و سومرہ کے دور حکومت کی تاریخ سے بھی واقف ہو جائیں گے۔

3.2 تمہید

سندھ کی تاریخ بہت قدیم ہے اور زمانہ قدیم سے اس پر تاخت و تاراج ہوتا رہا ہے۔ سکندر اعظم نے بھی سندھ کے بعض علاقوں کو تاخت و تاراج کیا تھا، عرب کا سندھ سے قدیم تعلق تجارت کا تھا لیکن جب عرب اسلام کی روشنی سے منور ہوا اور منتشر عرب یکجا ہو کر ایک بڑی سیاسی طاقت بنے اور ایران و روم کی حکومتوں کو زیر کرنا شروع کیا تو آس پاس کی سلطنتیں اس نئی طاقت سے چوکنی ہو گئیں۔ عرب شاید کافی طویل عرصہ تک سندھ کی جانب پیش قدمی نہ کرتے اگر راجہ داہر اپنی طاقت کے غرور میں آ کر بار بار عربوں کو للکارنے کی جرأت نہ کرتا، اس نے کبھی اسلامی حکومت کی مخالف قوتوں کی فوجی مدد کی تو کبھی اسلامی حکومت کے باغیوں کو پناہ دیا اور پھر سراندیپ سے آنے والے جہازوں کے حشر کا جو ردعمل ہوا وہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ سندھ کا پورا علاقہ محمد بن قاسم نے تقریباً فتح کر لیا تھا اور اگر اسے مہلت ملتی تو شاید پورا ہندوستان وہ اکیلا فتح کر لیتا لیکن قضا و قدر کو یہ منظور نہیں تھا۔ سندھ کی حکومت عمومی طور پر خلافت اموی یا خلافت عباسی کے ماتحت رہی ہے بیچ بیچ میں کچھ ایسے وقفے ضرور آئے جب سندھ کے والیوں نے بغاوت کر دی یا بدامنی سے فائدہ اٹھا کر حکام اور قلعہ داروں نے خودمختاری کا اعلان کر دیا لیکن جلد یا بدیر ان سب کو پھر سے حلقہ اطاعت میں پرو دیا جاتا تھا۔ لیکن جب خود ہی خلافت عباسیہ کمزور پڑنے لگی تو سندھ میں ہباری خاندان نے اولاً خلافت عباسیہ کی اطاعت کی اور اپنی طاقت اور خلافت عباسیہ کی کمزوری کو دیکھتے ہوئے بعد میں خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد سومرہ اسماعیلی شیعہ کی حکومت کا دور آتا ہے۔ اسماعیلی حضرات ہمیشہ ایسی جگہ ڈھونڈتے رہے ہیں جہاں وہ لوگوں کو اپنی جانب مائل کریں اور پھر حکومت پر قبضہ کر لیں۔ ملتان میں اسماعیلی شیعوں کی حکومت تھی۔ جسے بعد میں محمود غزنوی نے ختم کیا اور سندھ میں سومروں کی حکومت طویل عرصہ تک قائم رہی۔

3.3 سندھ کی قدیم تاریخ

سندھ کی تاریخ بہت قدیم ہے، وادی سندھ کی قدیم تہذیب کا پتہ موہن جوڈاڑو، عامری اور کوٹ ڈیجی کی تاریخی تحقیقات اور دریافت سے ہوتا ہے۔ اس تہذیب 3200-175 ق م کے بعد ایک ہزار سال کے حالات پر تاریکی اور گمنامی کا دبیز پردہ پڑا ہوا ہے۔ سندھ کی حقیقی تاریخ کا آغاز شہنشاہ داریوش اول (515-520 ق م) کے تحت اس کے ایران سے تعلقات قائم ہونے سے ہوتا ہے جب سندھ کو فتح کر کے ایرانی سلطنت میں شامل کر لیا گیا، تقریباً دو صدیوں کے بعد (326-325 ق م) نے سندھ پر حملہ کیا، سکندر شمال کی جانب سے سندھ میں داخل ہو کر اروڑ (موجودہ روھڑی کے قریب) کے علاقہ سے گزرا اور آگے بڑھ کر موجودہ لاڑکانہ ضلع کے زرخیز خطہ کو فتح کرتا ہوا دریائے سندھ کے کنارے سیوہن (سہون) کی قدیم بستی سے گزرتا ہوا وسطی ڈیلٹائی شہر پٹالا سے گزرا اور جنوب میں ساحلی بندرگاہ بابریکان میں لنگر ڈالا، پھر سندھ سے گدروشیا (مکران) کے راستے بابل روانہ ہوا۔ سکندر کی وفات کے بعد سندھ سیلوکس نکیتر، چندر گپت موریا (305 ق م)، باختری یونانیوں، پارتھیوں (دوسری و تیسری صدی ق م) سکھیوں اور کوشانوں (100 ق م تا 200 عیسوی) کے زیر تسلط رہا۔ سکھیوں نے سیستان اور سیوی کی طرح سندھ میں سیوہن اور سیوستان پر اپنے نام کی مہر ثبت کر کے ایک مستقل نشان چھوڑا۔ بھنبھور (کراچی سے ۳۹ میل جنوب مشرق) کی کھدائی نے سکھیائی مواد پر روشنی ڈالی ہے جس سے سندھ کے ساحلی خطے تک ان کے قبضے کی تصدیق ہوتی ہے۔ کوشان فرمانروا کنشک (

100-78عیسوی) کے زیر اثر سندھ نے بدھ مت قبول کرلیا۔تیسری سے ساتویں صدی تک سامانی ایران کی سیاسی برتری کے زیر اثر رہا(اگرچہ ہیاطلہ اور سفید ھنوں نے پانچویں صدی عیسوی کے اواخر میں ایک مختصر عرصہ کیلئے اقتدار قائم کیا) چھٹی صدی عیسوی میں سندھ میں مقامی سمہ قبائل کے رائے خاندان کی مستقل حکومت قائم ہوئی۔رایان سمہ غالباً ایرانی شہنشاہوں سے تعلق رکھتے تھے۔روسائے سمہ کا قدیم روایتی لقب ''جام'' اسی حقیقت کی نقاب کشائی کرتا ہے۔بالآخر ساتویں صدی میں ایک برہمن پنڈت چچ نے سندھ میں رایان سمہ کی حکومت کا تختہ الٹ دیا اور سندھ پر برہمنوں کا اقتدار قائم ہوگیا۔جس میں بدھ مت کے بھکشوؤں کے ساتھ سختی برتی گئی اور رعایا پر منو کے قوانین عائد کئے گئے جو ذات پات پر مبنی تھے، چھوت چھات کی سختیوں کی وجہ سے رعایا ناراض ہوگئی اور جب محمد بن قاسم کی برہمن راجا داہر سے 711عیسوی میں مزاحمت ہوئی تو بودھوں نے مسلمانوں کا ساتھ دیا اور اس طرح سندھ میں اسلامی اقتدار کی راہ ہموار ہوئی۔

3.3.1 سندھ کا جغرافیہ، موسم اور معدنیات

زمین: سندھ کی زمین کا وصف یہ ہے کہ یہاں زمین میں ریت زیادہ ہے جس کی بناء پر یہ نا قابل زراعت ہے۔سندھ کے محض کچھ ہی ایسے حصے ہیں جہاں کی زمین قابل زراعت ہے۔شمال سے جنوب ایک لمبی پٹی گئی ہے جس کے ایک جانب دریائے سندھ اور دوسرے پہلو پر مغربی نارو ہے جو دریائے سندھ سے ایک جداگانہ شاخ کی طرح نکل کر ایک سو میل تک بہتا چلا گیا ہے۔یہاں دوآبہ ہونے کی وجہ سے زمین بہت زرخیز ہے۔چھوٹے چھوٹے کوہسار بھی ہیں۔

موسم: یہاں سردی میں سخت سردی اور گرمی میں سخت گرم پڑتی ہے، مثل مشہور ہے کہ یہاں کی گرمی گورے کو کالا کردیتی ہے۔دھوپ کی تپش بے حد زیادہ ہوتی ہے۔سب سے زیادہ گرمی جیکب آباد میں ہوتی ہے وسط علاقہ میں آب وہوا معتدل ہے بالخصوص حیدرآباد کا موسم بہت اچھا رہتا ہے۔دریا کی طغیانی کی موسم میں مچھروں اور پسوؤں کی بن آتی ہے۔

ساحل: سندھ کے مقابل خشکی سے دو میل ہنکرا ایک ٹکرا زمین جو کراچی سے کچھ تک پھیلا ہوا ہے یہی سندھ کا ساحل ہے۔۔زمین کا یہ ٹکرا تین میل چوڑا ہے یہ اتنے نشیب میں ہے کہ سمندر کے چڑھاؤ میں پانی میں غائب ہوجاتا ہے اور جب پانی اترتا ہے تو نمایاں ہوکر جزیرہ کی شکل میں نظر آتا ہے۔

پیداوار: زیادہ تر جوار ہوتا ہے، مکئی اور باجرہ کی بھی فصل ہوتی ہے پھلوں میں کھجور فراوانی سے ہوتا ہے۔لاڑکانہ اور لاڑ ضلع میں سفید اور لال چاول کی فصل ہوتی ہے۔گنا کی پیداوار حیدرآباد میں جب کہ گیہوں کی پیداوار دریائے سندھ کے دونوں کناروں پر، تل تھرپارکر ضلع میں، جیکب آباد میں تربوز، سنگترہ، پپیتا، ناریل وغیرہ میں کی پیداوار ہوتی ہے۔

معدنیات: معدنیات میں لوہے اور کوئلے کی کانیں ہیں۔پہاڑوں سے تعمیرات کیلئے پتھر نکالے جاتے ہیں۔جنوبی پہاڑوں سے گچنی مٹی نکالی جاتی ہے جب کہ کچھ کے رن اور تعلقہ کھپرو جھیل سے نمک کی پیداوار ہوتی ہے۔

قومیں: تاریخ کی روشنی میں اس ملک کی قدیم آبادی جاٹ اور مید تھے۔یہ دونوں ہی دریائے سندھ کے کنارے آباد تھیں، اب بھی بڑی تعداد ان میں جاٹوں اور بلوچیوں کی ہے اور شہروں اور گاؤں میں آباد ہیں۔ایک تیسری قوم یہاں حبشیوں کی بھی ہے جو بطور غلام یہاں

آئے تھے۔اس وقت یہاں مسلمان، ہندو، سکھ، پارسی، عیسائی آباد ہیں۔

زبان: یہاں کی موجودہ زبان سندھی ہے جس میں قدیم زبان کے ساتھ عربی اور فارسی کے لفظ ملے ہوئے ہیں۔یہ زبان عربی حروف میں لکھی جاتی ہے۔لہجہ کے اعتبار سے شمال اور جنوب میں فرق ہے۔خط خدادادی نام ایک مزید خط ہے جس کا استعمال عموماً غیر مسلم بالخصوص ہندو کرتے ہیں۔سندھ کی حدود جہاں دیگر ریاستوں سے ملتی ہیں تو سرحدی علاقوں میں ان علاقوں کی زبان جیسے بروہی، بلوچی، گجراتی، کچھی، مکرانی زبانیں بھی بولی جاتی ہیں۔

3.4 اسلامی دور سے قبل کے حالات

سندھ میں چھٹی صدی عیسوی میں راجہ ساہسی کا بیٹا شری ہرش راجہ بنا، اس کا دارالحکومت الور نام کا شہر تھا۔شری ہرش ایک عرصہ تک اطمینان سے حکومت کرتا رہا کہ اچانک ایرانیوں (حاکم نیمروز) نے حملہ کردیا۔راجہ کو حملہ کی اطلاع ملی تو اس نے پہلے سمجھا کہ یہ معمول کی سرحدی جھڑپ ہے لیکن جب نیمروز فتح کا ڈنکا بجاتا ہوا مکران تک پہنچ گیا تو راجہ کو تنبیہ ہوئی اور اس نے بھی ایک زبردست لشکر تیار کیا اور نیم روز سے مقابلہ کیلئے روانہ ہوا۔ایرانیوں اور سندھیوں میں خونریز جھڑپ ہوئی، دوپہر کے وقت ناگاہ ایک تیر شری ہرش کو لگا اور وہ مرگیا، راجہ کے مرنے سے سندھی فوج حواس باختہ ہوگئی اور جس کا منہ جدھر اٹھا بھاگنے لگا، بہت سارے سندھی سپاہیوں کو ایرانیوں نے تعاقب کر کے قتل کیا اور پھر فتح کا علم لہراتا ہوا نیم روز واپس چلا گیا۔راجہ کے مرنے کی خبر الور پہنچی تو دارالحکومت میں کہرام مچ گیا اور لوگ رونے پیٹنے لگے۔ارکان دولت نے راجہ کے بیٹے کو جو ولی عہد تھا راجہ بنایا اور اس کو رائے ساہسی کا خطاب دیا۔

رائے ساہسی نے ابتداء میں ایک سال تو حکومت کے انتظامات پر توجہ دی اور ملک میں امن وامان قائم کیا لیکن پھر اس کے بعد اس نے سارا انتظام اپنے وزیر 'رام' کو سونپ دیا۔یہ وزیر بہت ہوشیار اور عقل مند تھا اس نے سندھ کے سارے انتظامات بخوبی سنبھالے اور راجہ کی عدم توجہ کا کسی کو احساس ہونے نہیں دیا۔

چچ کی آمد: اسی دوران ایک دن ایک برہمن جس کا نام چچ تھا رام کے پاس آیا اور کہا کہ اس کا والد الور کا شہری اور ایک مندر کا پجاری ہے، رام نے اس کی لیاقت وصلاحیت اور اس کی شیریں زبانی سے متاثر ہوکر اس کو دیوانی کا عہدہ سونپ دیا۔ایک دن رام غائب تھا اور کچھ سرکاری کاغذات لکھے جانے تھے کہ چچ نے راجہ سے کہا کہ وہ بھی ان کاغذات کو لکھ سکتا ہے۔راجہ نے یہ ذمہ داری دی اور اس نے بہترین انداز میں سرکاری فرامین تحریر کئے۔راجہ اس کی لیاقت سے خوش ہوا اور اپنے وزیر رام سے اس کا تذکرہ کیا، رام نے اس کو اپنا نائب بنالیا۔کچھ مدت کے بعد رام کی موت ہوگئی اور چچ راجہ کا وزیر بن گیا۔اہم کاغذات پر راجہ کا دستخط لینے کیلئے رام محل سرا کے اندر جاتا رہتا تھا۔ایک دن چچ بھی محل سرا میں گیا۔رانی نے یہ سوچ کر پردہ نہیں کیا کہ یہ تو برہمن ہے۔اس کی شیریں زبانی سے راجہ تو متاثر تھا ہی، اس نے رانی کا دل بھی موہ لیا۔دھیرے دھیرے رانی کو اس سے عشق ہوگیا اور اس نے چچ سے اظہار محبت کیا، چچ نے انکار کردیا اور کہا کہ وہ راجہ کا فادار ہے۔اس دوران کئی لوگوں نے راجہ کو چچ اور رانی کے بارے میں باخبر کیا لیکن راجہ اس پر اندھا اعتماد کرتا تھا اس نے اسے حاسدین کا حسد سمجھا اور کوئی تحقیق وتفتیش نہیں کی۔

انہوں دنوں راجہ ایک سخت مرض میں مبتلا ہوا، اطباء اور حکما اس کے علاج سے عاجز آ گئے، رانی نے یہ دیکھ کر چچ کو پیغام بھیجا کہ راجہ کی کوئی اولاد نہیں ہے اگر تم مجھ سے شادی پر آمادہ ہو جاؤ تو میں تمہیں سندھ کا راجہ بنوا دوں گی۔ چچ نے اس پیغام کو قبول کر لیا۔ رانی نے تمام ارا کین حکومت کا اجلاس طلب کیا اور راجہ کے ہاتھ سے اس کی خاص انگوٹھی نکال کر خفیہ طور پر چچ کو دیدی اور کہا کہ راجہ نے چچ کو اپنا قائم مقام بنایا ہے اور یہ انگوٹھی جو چچ کے پاس ہے اس کا ثبوت ہے۔ ارا کین دولت نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ چند دنوں بعد راجہ مر گیا تو رانی نے ایسے تمام افراد کو تنہا تنہا بلایا جو حکومت کے دعویدار ہو سکتے تھے ان کو کہا گیا کہ راجہ آپ کیلئے وصیت کرنا چاہتے ہیں اور سبھی کو دھوکے سے قتل کرا دیا، چنانچہ ایک طرف راجہ کی لاش جلائی گئی اور دوسری طرف چچ سندھ کی حکومت پر براجمان ہوا۔

راجہ بننے کے بعد چچ نے سابق راجہ کی رانی سوبھن دیوی سے شادی کر لی اور خزانہ سے روپیہ نکال کر عوام اور رعایا میں تقسیم کیا، چچ کی فیاضی سے عوام اور فوج خوش ہو گئی۔

راجہ رائے ساہسی کے مرنے اور اس کے مرنے کے بعد چچ کے راجہ بننے کی خبر جب جے پور کے راجہ کو ملی جو رائے ساہسی کا رشتہ دار ہوتا تھا (چچ نامہ کی روایت کے مطابق جے پور کا راجہ رائے ساہسی کا بھائی تھا، جے پور سے مراد بھی آج کا جے پور نہیں جو راجستھان میں ہے کیونکہ یہ شہر تو مغل دور میں بسایا گیا ہے بلکہ وہ شہر ہے جو جیسلمیر اور سندھ کی سرحد پر تھا) ایک لشکر جرار لے کر سندھ کی جانب روانہ ہوا۔ اس نے چچ کو پیغام بھیجا کہ تم تو برہمن ہو، تمہیں حکومت سے کیا کام، کہیں تنہائی میں کچھ علمی اور دینی کام کرو۔

چچ نے رانی سوبھن دیوی سے اس صورت حال میں مشورہ لیا تو رانی نے اسے طعنہ دیا کہ بہتر ہے کہ تم میرے زنانہ کپڑے پہنو اور اپنے کپڑے مجھے دے دو، پھر رانی سے اسے مشورہ دیا کہ فوج کو روپے پیسے دے کر خوش کیا جائے، چنانچہ ایک بڑا لشکر تیار کر کے وہ جے پور کے راجہ سے مقابلہ کیلئے روانہ ہوا۔

چچ کی مکاری: جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو جے پور کے راجہ مہرت نے کہا کہ فوج کو لڑانے اور ہزاروں کی جان گنوانے سے کیا فائدہ، بہتر ہے کہ ہم تم آپس میں لڑیں، جو جیت جائے اسی کی فتح تسلیم کی جائے، چچ نے مجبوراً اور اپنی شرم رکھنے کیلئے یہ شرط منظور کر لی۔ شرط میں یہ بھی شق شامل تھی کہ دونوں پا پیادہ مقابلہ کریں گے۔

چچ نے اپنے خاص غلام کو کہہ رکھا تھا کہ جیسے ہی ہم میدان میں پہنچیں تو تم گھوڑا لے کر پہنچ جانا، چنانچہ راجہ مہرت بغیر گھوڑے کے تھا اور مقابلہ کا وقت آتے ہی چچ کا غلام گھوڑا لے کر پہنچ گیا، گھوڑے پر سوار ہو کر چچ نے ایسی تلوار ماری کہ راجہ مہرت کا سر گردن سے الگ ہو گیا اور اسی دوران چچ کی فوج نے مہرت کی فوج پر حملہ کر دیا، راجہ مر ہی چکا تھا فوج تتر بتر ہو گئی اور چچ اپنی فتح کا جشن مناتا ہوا الور پہنچ گیا۔

چچ کو اب فتح کا مزہ مل چکا تھا اس نے اس پر ہی بس نہیں کیا بلکہ اس نے اردگرد کی حکومتوں کو بھی زیر کرنے کی سوچی اور ایک جرار فوج لے کر اور دارالحکومت میں اپنے بھائی چندر میر کو اپنا نائب بنا کر نکل کھڑا ہوا۔ اس نے اولاً قلعہ بابیا فتح کیا پھر چچ اسکلندہ کی جانب متوجہ ہوا اور اس کو فتح کیا اور اس کے بعد سکہ کو بھی فتح کیا۔ ان سب فتوحات کے بعد چچ ملتان کی جانب متوجہ ہوا اور ایک بڑی جنگ کے بعد ملتان فتح کیا اور دارالحکومت الور آ گیا۔ ایک سال بعد وہ مغربی سندھ کو فتح کرنے کیلئے نکلا اور برہمن آباد کو فتح کر لیا۔ اس نے کرمان کو بھی فتح کیا اور پھر دارالسلطنت الور آ گیا۔ چالیس سال حکومت کرنے کے بعد سنہ ۴۰ ہجری، مطابق ۶۶۰ عیسوی میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔

راجہ چندر: چچ کی موت کے بعد چندر کو سندھ کا اقتدار ملا، یہ بدھ مذہب کا پیرو تھا، اس نے لوگوں کو بدھ مذہب کے قبول کرنے پر مجبور کرنا شروع کیا۔ اس وقت سندھ میں عام افراد بدھ مذہب سے تعلق رکھتے تھے لیکن حکومت کے دربست پر قابض افراد برہمن تھے۔ چندر کے دور حکومت میں یہ واقعہ رونما ہوا کہ سیوستان کے حاکم مہتہ نے قنوج کے راجہ سری ہرشار (متوفی ۲۷ ہجری مطابق ۶۴۷ء) کو اس بات کی ترغیب دی کہ وہ سندھ کی حکومت پر قبضہ کرے، قنوج کا راجہ اس ترغیب سے متاثر ہوا اور ہرہاس بن کسالیس کی سپہ قیادت میں ایک فوج روانہ کی، چچ کا نواسہ جو کشمیر کے سرحدی علاقوں کا خودمختار حاکم تھا وہ بھی قنوج کے راجہ کی فوج سے مل گیا۔ ہرہاس نے جے چندر کو ایک دھمکی آمیز خط لکھ کر اطاعت قبول کرنے کیلئے کہا، چندر کیلئے یہ ذلت موت سے بھی بدتر تھی اس نے بھی جنگ کی تیاریاں شروع کر دی اور اسی کے ساتھ قلعوں کے استحکام پر پوری توجہ دی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حملہ آور فوج ناکام و نامراد واپس چلی گئی، اس افتاد کے بعد مزید ۷ سال چندر نے حکومت کی اور ۴۸ ہجری مطابق ۸۶۶ء میں اس دنیائے ناپائیدار سے رخصت ہوگیا۔

3.4.2 خانہ جنگی اور راجہ داہر کی تخت نشینی

عام طور پر جیسا کہ ہوتا ہے ایک بڑی سلطنت کے حکمران کے مرنے کے بعد حکومت پر دعویٰ کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہونے کی صورت پر خانہ جنگی شروع ہوجاتی ہے، یہاں بھی یہی صورت حال پیش آئی، ارور (الور) کے تخت پر چچ کا چھوٹا لڑکا راجہ داہر گدی نشیں ہوگیا اور برہمن آباد میں چندر کے لڑکے 'راج' نے خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ ایک سال بعد جب راج کی موت ہوئی تو راجہ داہر کے بڑے بھائی دھرسنگھ نے برہمن آباد پر قبضہ کرلیا۔ راجہ دھرسنگھ نے برہمن آباد کے انتظامات سے فارغ ہونے کے بعد پہلے مشرقی اطراف پر قبضہ کیا، پھر اس نے برہمن آباد کے جنوبی علاقہ کی طرف توجہ کی اور وہاں چھ ماہ مقیم رہ کر راور کے قلعہ کو مضبوط کیا۔ راجہ داہر اور دھرسنگھ میں سندھ کی حکومت تقسیم ہوگئی اور شمالی سندھ پر راجہ داہر اور جنوبی سندھ پر دھرسنگھ قابض ہوگئے۔

3.4.3 راجہ داہر کی شادی

راجہ داہر کی بہن رانی بائی جوان ہوگئی اور اس سے شادی کی درخواست راجہ بھاٹیہ نے کی تھی۔ لیکن اسی دوران ایک درباری نے نجومی کی پیش گوئی اسے بتائی کہ جو رانی بائی سے شادی کرے گا وہ سندھ کا راجہ ہوگا، یہ پیش گوئی سن کر داہر متفکر ہوگیا، وزیر نے بہن سے شادی کا مشورہ دیا، راجہ نے عوامی چہ میگوئیوں کا عذر کیا، وزیر نے ایک تدبیر سے بکری کے بالوں میں سے گھاس پیدا کی اور اس کو شہر میں گھمایا اولاً تو خوب چرچا ہوا پھر تین دن بعد لوگ اس کے عادی ہوگئے، وزیر نے اس تدبیر سے راجہ داہر کو بتایا کہ عوام جلد ہی کسی بات کو بھول جاتے ہیں اس کو بھی بھول جائیں گے۔ راجہ داہر نے اپنی بہن پر چادر ڈال دی، مطلب یہ کہ وہ اس کی بیوی بن گئی، لیکن اس سے بیوی والے تعلقات قائم نہیں کئے بلکہ صبح ہوتے ہی اسے واپس بھیج دیا۔

داہر کے بڑے بھائی کا ردعمل: جب اس کی خبر داہر کے بڑے بھائی دھرسنگھ کو ملی تو اسے بہت صدمہ ہوا اور ملاقات کیلئے طلب کیا لیکن وزیر نے اسے جانے سے باز رکھا، اس پر دھرسنگھ ایک بڑا لشکر لے کر الور کی جانب بڑھا، راجہ داہر بھی فوج لے کر الور سے نکلا، کچھ معززین نے دونوں کے درمیان صلح صفائی کرائی اور راجہ داہر کی ماں نے دھرسنگھ کو شادی کی حقیقت سے آگاہ کیا کہ یہ محض ستارہ کی نحوست کے ازالہ کیلئے اٹھایا گیا قدم ہے، دھرسنگھ نے بظاہر اس کا قصور معاف کر دیا لیکن بباطن وہ داہر کی اس حرکت پر مشتعل تھا اور اسے قتل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے یہ

خفیہ تدبیر کی کہ راجہ داہر سے کہا کہ تم قلعہ سے میرے ساتھ باہر چلو تا کہ ہم دونوں کو یکجا دیکھ کر سبھی کو ہمارے اتحاد کا یقین ہو جائے ۔ راجہ داہر مان گیا لیکن جیسے ہی قلعہ کے دروازہ کے قریب پہنچا تو اسے احساس ہوا کہ وہ پھنس چکا ہے اس نے وزیر سے مشورہ مانگا ، وزیر نے قلعہ کے دروازہ میں لٹک جانے کا مشورہ دیا ، اس نے ایسا ہی کیا اور خالی ہاتھی بغیر دروازہ کے قلعہ سے نکل گیا جب دھر سنگھ نے مڑ کر پیچھے دیکھا تو دوسرے ہاتھی پر راجہ داہر نہیں تھا اور قلعہ کا دروازہ بند ہو چکا تھا ۔ اپنے فریب کی حقیقت کھلنے پر اسے بہت صدمہ ہوا ۔ وہ بخار میں مبتلا ہو گیا اور اس کے بدن پر بڑے بڑے آبلے نکل گئے اور تیسرے دن سنہ ۵۲ ہجری مطابق ۶۷۰ء مر گیا ۔ دھر سنگھ کے مرنے کے بعد راجہ داہر نے برہمن آباد کا اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیا ، دھر سنگھ کی بیوہ سے شادی کر لی اور دھر سنگھ کے بیٹے چچ کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آیا ۔ یہ تمام تفصیل سندھ کی تاریخ چچ نامہ سے لی گئی ہے ۔

3.4.4 رَمل کی بغاوت اور عربوں کی امداد:

۵۹ ہجری مطابق ۶۷۷ء میں بھاٹیا کے راجہ رَمل نے داہر پر حملہ کر دیا ۔ داہر پر حملہ کرنے کے اسباب کیا ہوئے وہ واضح نہیں ہے ۔ (قیاس کیا جا سکتا ہے کہ راجہ بھاٹیا نے اولاً داہر کی بہن رانی بائی سے شادی کا رشتہ بھیجا تھا اور اسے منظور بھی کر لیا گیا تھا لیکن نجومی کی پیش گوئی کی وجہ سے شادی نہیں ہو سکی اور قانونی طور پر راجہ داہر نے اسے اپنی بیوی بنالیا ، داہر کی اس حرکت کو اس نے اپنی توہین خیال کیا اور اسی بناء پر داہر پر حملہ آور ہوا) رَمل کے پاس بڑی زبردست فوج تھی اور وہ داہر کی سلطنت کے علاقوں کو لگاتار فتح کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا ۔ داہر رَمل سے نمٹنے کے سلسلے میں فکر مند تھا کہ وزیر نے اسے مشورہ دیا کہ ان دنوں کچھ عرب آپ کی حدود سلطنت میں موجود ہیں ، یہ لوگ بڑے جنگجو اور جنگی داؤ پیچ سے ماہر ہوتے ہیں ، ان سے مشورہ لیا جائے ۔ (اس وقت محمد علافی حجاج کے ایک فوجی سردار کو قتل کر کے سندھ بھاگ آیا تھا اور اس طرح وہ عملی طور پر خلافت امویہ کا باغی تھا ، اس کے ساتھ اس کے پانچ سو ساتھی بھی تھے ، اس طرح سندھ میں ایک چھوٹی موٹی بستی مسلمانوں کی آباد ہو گئی تھی جسے ہندوستان میں سندھ کی اولین مسلم آبادی سمجھنا چاہئے) محمد علافی نے داہر کو مشورہ دیا کہ وہ یہاں سے ایک میل دور ٹھہرے اور اپنی فوج کے گرد خندق کھود لے اور اپنی فوج کا کچھ حصہ اس کے حوالہ کر دے تاکہ موقع دیکھ کر کوئی کارروائی کی جا سکے ، علافی کو پتہ چلا کہ یہ لوگ رات کو کوئی احتیاطی تدبیر نہیں کرتے ، اس نے پانچ سو سواروں کیساتھ رَمل کی فوج پر شب خون مارا ، اس اچانک افتاد سے رَمل اور اس کی فوج حواس باختہ اور تتر بتر ہو گئی ، ہزاروں قتل اور ہزاروں گرفتار ہوئے ، پچاس ہاتھی بھی محمد علافی اور اس کے عرب ساتھیوں کے ہاتھ لگے ۔

محمد علافی کے اس کارنامہ سے راجہ داہر بہت خوش ہوا اور اس نے محمد علافی اور اس کے ساتھیوں کی بڑی آؤ بھگت کی اور بعض روایات کے مطابق اس کو سندھ کی حکومت کا وزیر اعظم بھی بنا دیا ۔ اس کے بعد داہر پورے اطمینان سے حکومت کرتا ، یہاں تک کہ ۳۳ سال کے بعد راجہ داہر کی خلافت امویہ سے ان بن ہوئی اور بالآخر محمد بن قاسم نے اس کا تختہ الٹ دیا ۔ واضح رہے کہ اس موقع پر محمد علافی اور اس کے ساتھی راجہ داہر کی حمایت میں محمد بن قاسم اور اس کی فوج سے لڑے تھے اور داہر کی سلطنت کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی ۔

معلومات کی جانچ

1. سندھ کی قدیم تاریخ بیان کیجئے ۔

2. اسلامی دور سے قبل سندھ کے سیاسی حالات پر روشنی ڈالیے۔

3. رانی سوہن دیوی کی پیچ سے اور راجہ داہر کے بہن سے شادی کرنے کا پس منظر کیا تھا۔

3.5 عربوں کے ہند اور سندھ پر حملہ کی تاریخ

عربوں کے سندھ پر حملہ کرنے کی تاریخ عام طور پر محمد بن قاسم کے وقت سے بیان کی جاتی ہے لیکن درحقیقت سندھ اور ہند پر حملہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں ہی ہوا تھا۔ سنہ 15 ہجری میں عثمان بن ابی عاص ثقفی بحرین اور عمان کے گورنر ہوئے انہوں نے ایک بحری بیڑا تیار کر کے ہندوستان پر حملہ کرنے کیلئے روانہ کیا، یہ بیڑا ممبئ سے متصل تھانہ تک پہنچا، حضرت عمرؓ نے عثمان بن ابی العاص ثقفی کی اس حرکت پر ناراضگی کا اظہار کیا، عثمان بن ابی العاص ثقفی نے دوبارہ بحری بیڑا تیار کر کے فوج کو روانہ کیا، اس بار یہ بحری بیڑا سندھ کے ساحلی شہر دیبل تک پہنچا اور دشمنوں کو شکست دے کر مال غنیمت کے ساتھ واپس آیا۔ حضرت عمر کے دور میں ہی مکران پر عبداللہ بن عامر بن ربیع نے قبضہ کرلیا، خلافت عثمانی میں کابل فتح ہوا لیکن یہ فتح وقتی تھی۔ ہندوستان پر پہلا حملہ بھی خلافت عثمانی میں ہوا جب کہ ربیع بن زیاد نے زرنج کو فتح کرلیا۔ زرنج کو فتح کرنے کے بعد ربیع بن زیاد آگے بڑھے اور زرنج اور کش کا درمیانی علاقہ جو اب بلوچستان میں شامل ہے اس کو فتح کرلیا، بلوچستان نام کا اس وقت کوئی صوبہ نہیں تھا بلکہ اس کو ہندوستان کا علاقہ ہی سمجھا جاتا تھا۔ خلافت مرتضویہؓ میں زیادہ وقت آپسی خانہ جنگی اور خارجیوں کے فتنے کو فرو کرنے میں گذرا، سنہ 38 ہجری میں ثاغر بن دعورا ایک بڑی فوج لے کر سیستان پہنچے اور سرحدی علاقوں کو فتح کرتے ہوئے قیقان تک پہنچے اور ایک زبردست لڑائی کے بعد قیقانیوں کو شکست دی، (قیقان سندھ کا وہ حصہ ہے جو خراسان سے متصل ہے اور آج کل اس کا نام قلات ہے یہ بلوچستان صوبہ کا ایک حصہ ہے اور پاکستان میں ہے)۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد زمام اقتدار حضرت امیر معاویہؓ کے ہاتھ میں مفتوحہ علاقوں پر جو ہاتھ سے نکل گئے تھے ان پر دوبارہ فوج کشی کی گئی، کوئی نیا علاقہ قبضہ میں نہیں آیا۔ سنہ 44 ہجری میں مہلب بن ابی صفرہ درہ خیبر کے راستے سے کابل اور پشاور کی پہاڑی گھاٹیوں کو عبور کر کے ہندوستان پہنچے اور جب واپس ہونے لگے تو ملتان اور پشاور کے درمیانی علاقوں پر حملہ کیا۔ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مہلب پہلا عرب سپہ سالار تھا جس نے سرزمین ہند پر فاتحانہ قدم رکھا، عبدالملک سنہ 65 ہجری میں سریر آرائے خلافت ہوا لیکن اس کا زیادہ وقت اندرونی امن اور استحکام میں گزرا۔

3.6 ولید بن عبدالملک کے دور میں سندھ پر حملہ کے اسباب:

سندھ پر حملہ کی چار وجوہات تھیں (۱) پہلی تو یہ کہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں عبداللہ بن عامر بن ربیع نے مکران پر حملہ کیا تو مکران والوں نے سندھ کے راجہ سے مدد مانگی اور اس نے مدد کی، کچھ عرصہ کے بعد حکم بن عمر تغلبی مکران کی طرف بڑھے مکران کے راجہ نے پھر سندھی راجہ سے مدد مانگی اور اس نے پھر مدد کی۔ (۲) دوسری وجہ یہ تھی کہ محمد علافی نے خلافت امویہ کے خلاف بغاوت کی تھی اور ایک فوجی افسر کو قتل کر کے بھاگا تھا، اس کو سندھ کے راجہ نے پناہ دے کر خلافت امویہ کو مشتعل کرنے کا کام کیا تھا۔ (۳) سراندیپ سے لاوارث مسلمانوں اور سراندیپ کے راجہ کے تحائف پر مشتمل جہاز کو دیبل کے قریب جو راجہ داہر کے علاقہ میں تھا لوٹا گیا اور اس نے اس سلسلے میں کوئی بھی کارروائی کرنے سے انکار کردیا، اگر کسی ملک کے شہری پر کسی دوسرے ملک میں کوئی ظلم ہو اور وہ ملک اس ظلم کے سدباب کیلئے تیار نہ ہو تو پھر ایک خوددار حکومت وہی

کرتی ہے جو حجاج نے ولید کے نائب ہونے کی حیثیت سے کیا۔(۴)عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث کو بغاوت کے جرم میں ساتھیوں سمیت قتل کر دیا گیا لیکن ان کے گروپ کے ایک بارسوخ شخص عبدالرحمٰن بن عباس بن ربیعہ بھاگنے میں کامیاب رہا اور وہ سندھ میں آکر پناہ گزیں ہو گیا۔

3.7 محمد بن قاسم کی آمد اور سندھ کی فتح

محمد بن قاسم سے قبل حجاج نے دو فوجی مہم روانہ کی لیکن دونوں مہم ناکام رہی، اب حجاج نے نہایت سوچ بچار کر کے سنہ 92 ہجری مطابق 711ء میں محمد بن قاسم نام کے سپہ سالار کی قیادت میں روانہ کی۔ ''تاریخ سندھ'' کے مولف مولانا سید ابوظفر صاحب دسنوی اور ''اردو دائرہ معارف اسلامیہ'' کے مولفین نے محمد بن قاسم کو حجاج بن یوسف ثقفی کا داماد بتایا ہے اور کہا ہے کہ جب اسے ہندوستان پر حملہ کرنے والی فوج کی قیادت سونپی گئی تھی تو وہ 17 سال کا نوجوان تھا لیکن ''برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش'' کے مصنف اسحاق بھٹی نے ان دونوں باتوں کو غلط بتایا ہے اور عربی کی تاریخی کتابوں کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ نہ حجاج کا داماد تھا اور نہ ہی سندھ پر حملہ کرنے کے وقت اس کی عمر 17 سال تھی بلکہ اس وقت اس کی عمر 30-27 سال کے درمیان تھی۔

سنہ 93 ہجری مطابق 712ء میں محمد بن قاسم مکران کے راستہ سے چل کر دیبل کے سامنے جا پہنچا اور تقریباً 6 ماہ تک دیبل کا محاصرہ کئے رہا اور بالآخر اسے فتح کیا، شہر میں چار ہزار عرب بسائے گئے اور حمید ن زارع نجدی کو حاکم مقرر کیا گیا۔ بعض مورخین کا یہ کہنا ہے کہ کراچی ہی کا گزشتہ نام دیبل ہے۔ اس دوران میں سندھ کے جنوبی حصے کا شہر نیرون فتح ہو چکا تھا۔ دریائے سندھ کے مغرب میں شمالی صوبہ سیوستان کی بستیوں پر بھی مختصر مدت میں قبضہ ہو گیا۔ مغربی سندھ کے بیشتر رئیس محمد بن قاسم کے عدل و انصاف اور مہربانی سے متاثر ہو کر اس کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔ اس کے بعد عربوں نے جھم پیر کے مقام سے دریا پار کیا۔ راور کے قریب راجہ داہر سے مقابلہ ہوا، کئی دنوں کی چھوٹی موٹی جھڑپوں کے بعد 10 رمضان المبارک کو زبردست جنگ ہوئی، دونوں فریقوں نے پورے طور پر داد شجاعت دی، اس جنگ میں راجہ داہر مارا گیا اور یوں سندھ کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا۔ مورخین میں اختلاف ہے کہ آیا محمد بن قاسم نے سندھ میں راجہ داہر کی بیوی سے شادی کی تھی یا نہیں لیکن تاریخ سندھ کے مصنف مولانا ابوظفر دسنوی کا رجحان شادی کرنے کی جانب ہے اور چچ نامہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ محمد بن قاسم نے یہ شادی سیاسی مصالح کے سبب کی تھی کیونکہ اس وقت محمد بن قاسم بھرپور جوان تھا اور رانی لاڈھی اس کے مقابلہ میں عمر دراز تھی۔ راجہ داہر کی موت سے سندھ میں برہمن اور بودھ حکمرانوں کا سلسلہ ختم ہوا اور اسلامی دور شروع ہوا۔ محمد بن قاسم نے جگہ جگہ اپنے عمال متعین کئے اور مفتوحین سے اس نے اتنا بہتر سلوک کیا کہ لوگ دور دراز سے آکر اس کی اطاعت کا دم بھرنے لگے۔ ماہ ذوالحجہ میں سندھ کا ایک اہم علاقہ برہمن آباد بھی فتح ہو گیا۔ بعد میں جس کے کھنڈرات پر منصورہ نامی سلطنت کی تعمیر ہوئی۔ محمد بن قاسم نے سال ڈیڑھ سال کی مدت میں دارالحکومت الور یا ارور (موجودہ دور میں روہڑی کے قریب ایک علاقہ ہے) اسکلندہ (موجودہ وقت میں اچ کے نام سے مشہور ہے) قلعہ بھاٹیہ (موجودہ بہاول پور کے قریب یہ مقام واقع ہے) اور ملتان کو فتح کر لیا۔ اس طرح اس نے مختصر مدت میں پوری سندھ کی حکومت پر قبضہ کر لیا۔ اب اس کا ارادہ آگے بڑھ کر قنوج کی حکومت سے جو فوجی اعتبار سے بہت زبردست تھی، دو دو ہاتھ کرنے کا تھا، قنوج کے راجہ کے پاس اطاعت قبول کرنے کا خط سفیر کی معرفت بھیج دیا گیا تھا جس پر قنوج کا راجہ بہت برہم ہو گیا اور جنگ میں ہار جیت پر فیصلہ موقوف کیا، لیکن اسی دوران قضاوقدر کا فیصلہ غالب آیا اور خلافت اموی کے پایہ تخت دمشق میں ولید بن عبدالملک کے بعد سلیمان بن عبدالملک نیا خلیفہ بنا۔

سلیمان بن عبدالملک کوحجاج اوراس کے متعین کردہ عمال اور رشتہ داروں سے بہت عناد تھا۔اس نے محمد بن قاسم کی معزولی اور گرفتاری کا پروانہ بھیج دیا۔محمد بن قاسم کے پاس اتنی جمعیت تھی کہ اگر وہ چاہتا تو بغاوت کرسکتا تھا لیکن اس نے محض اپنی انا کیلئے ہزاروں کی جان خطرے میں ڈالنا گوارا نہ کیا بلکہ جان کوخطرہ ہوتے ہوئے بھی سلیمان بن عبدالملک کے ظالمانہ حکم کے سامنے سر تسلیم خم کردیا،اس کو ہتھکڑیاں لگائی گئیں، ٹاٹ کے کپڑے پہنائے گئے اور مجرموں کی طرح دمشق روانہ کیا گیا اور پھر اسے قید خانہ میں ڈال دیا گیا جہاں اس پر اتنی ظلم وزیادتی کی گئی کہ قید خانے میں ہی اس کی موت ہوگئی۔محمد بن قاسم کی اچانک معزولی سے سندھ میں فتوحات کا سیلاب یکدم نہ صرف رک گیا بلکہ سمندر جس طرح چڑھاؤ کے بعد اترتا ہے اسی طرح اس کی فتوحات سمٹنے لگیں اور مفتوحہ علاقے خودمختار ہونے لگے۔

3.8 ہندوستان میں عربوں کی حکومت کے چار دور

ہندوستان بلکہ صحیح لفظوں میں کہیں تو سندھ اوراس کے ساحلی علاقوں میں عربوں کی حکومت کی چار دور رہے ہیں۔(۱) خلافت امویہ، (۲) خلافت عباسیہ (۳) خاندان ہباری (۴) سومرہ خاندان۔سومرہ خاندان کے بارے میں مورخین کی آراء میں اختلاف ہے کوئی ان کو غیر مسلم کہتا ہے تو کوئی ان کو ہندوستانی نومسلم کہتا ہے اور کوئی ان کو نومسلم یہودی قرار دیتا ہے۔تاریخ سندھ کے مولف مولانا ابوظفر ندوی نے بڑی تحقیق اور تفتیش سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ لوگ اصلاً شیعہ تھے اور رافضی خلافت کے زیراثر تھے اور عرب تھے لیکن پھر یہاں کر مخلوط النسل ہوگئے۔

3.9 سندھ خلافت اموی میں

سندھ میں اموی خلافت کا دور ولید بن عبدالملک سے شروع ہوتا ہے۔خلافت امویہ میں سندھ میں رونما ہونے والے واقعات اختصار کے ساتھ ذکر کئے جاتے ہیں۔یزید بن ابی کبشہ سکسکی جس نے محمد بن قاسم کو گرفتار کرکے دربار خلافت روانہ کیا تھا، محض اٹھارہ دن کے بعد اس کی موت ہوگئی۔اس کے بعد حبیب بن مہلب کو سندھ کی ذمہ داری دی گئی۔20 صفر 99 ہجری میں سلیمان بن عبدالملک کی موت ہوئی اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ بنے،انہوں نے یزید بن مہلب کو عراق وخراسان سے اوراس کے بھائی حبیب بن مہلب کو سندھ کی گورنری سے معزول کیا اور خیانت کے جرم میں قید کردیا۔وقت کی الٹ پھیر کا اس سے بہتر کیا نمونہ ہوگا کہ کل جو یزید بن مہلب محمد بن قاسم کو ہر قسم کی ایذا دے رہا تھا آج خود قید ہے۔حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد سندھ اوراطراف کے تمام راجوں اور جاگیرداروں کو اسلام قبول کرنے کا دعوتی خط روانہ کیا،اکثر نے اسلام قبول کیا اور بعض نے جزیہ دینا منظور کیا،جن راجوں نے اسلام قبول کیا ان کو ان کے علاقے پر برقرار رکھا گیا۔داہر کا بیٹا جے سنگھ بھی ان میں سے ایک تھا جس نے اسلام قبول کیا تھا اوراس کا علاقہ اس کی تحویل میں ہی دے دیا گیا۔۱۰۱ھ میں آل مہلب نے بغاوت کی لیکن یہ بغاوت ناکام رہی،قندابیل کی جنگ میں آل مہلب کے خاندان کے تمام مرد مقتول ہوئے۔مقتولین میں معاویہ بن یزید بن مہلب بھی تھا جس نے محمد بن قاسم کو قید خانہ میں ایذا پہنچائی تھی،وہ اسے زنجیروں سے جکڑ کر رکھتا تھا اور طرح طرح کی تکلیفیں دیتا تھا۔

ہشام بن عبدالملک 105 ہجری میں اموی خلیفہ بنا،اس نے خالد القسیری کو عراق کا گورنر بنایا۔خالد القسیری نے عمر بن مسلم باہلی کو سندھ کی ولایت سے ہٹایا اور جنید بن عبدالرحمٰن کو اس کی جگہ سندھ کا والی بنایا۔جنید نے اپنی فتوحات سے محمد بن قاسم کی یاد دلادی۔جنید کی سندھ

آمد میں راجہ داہر کا بیٹا جے سنگھ جو برہمن آباد پر قابض تھا اپنی مملکت سے گزرنے سے روک دیا۔جنید نے محتاط انداز میں تیاری شروع کر دی با لآخر دونوں میں جنگ ہوئی اور جے سنگھ شکست کھا کر بھاگا لیکن گرفتار کر کے اسے قتل کر دیا گیا۔جنید نے کیرج کو فتح کیا اور جب سندھ میں امن واطمینان ہو گیا تو اس نے سرحدی علاقوں گجرات، کاٹھیاواڑ اور مارواڑ پر حملہ کیا اور سولنکی حکومت کو اپنے پرزور حملہ سے ختم کر دیا، اس کے افسر حبیب نے اجین اور مالوہ کو فتح کر لیا؛ بھیلمان میں شکست خوردہ افراد کی بڑی تعداد جمع ہو گئی تھی اور وہ فوجی تیاریوں میں مصروف تھے۔جنید یلغار کرتا ہوا ایک جانب سے اور دوسری جانب سے حبیب پہنچا اور بھیلمان میں بھی گوجروں کو شکست ہوئی۔جنید کی فتوحات کی تائید اثری کتبوں کی تحقیقات سے بھی ہوتی ہے۔اس حملہ میں جنید کو کثیر مال دولت ہاتھ لگا اندازہ کے اعتبار سے بیس کروڑ درہم، پانچواں حصہ دمشق بھیجا گیا، فوج اور احباب میں تقسیم کے بعد بھی تین کروڑ درہم بچ گیا، اس حملہ کی عرب میں بڑی دھوم مچ گئی حتی کہ مشہور عربی شاعر جریر تک نے جنید کی تعریف میں اشعار کہے۔

سنہ 111 ہجری میں جنید کے بعد تمیم بن زید سندھ کا والی بنا، اس میں حکمرانی کے اوصاف نہ تھے، اس کی وجہ سے سندھ کا شیرازہ منتشر ہو گئے اور سردار باغی ہو گئے اور بالآخر تمیم کو قتل کر دیا گیا۔تمیم کے بعد حکم بن عوانہ سندھ کا والی بنا، اس نے محفوظہ نامی شہر بسایا اور وہی تھا جو محمد بن قاسم کے بیٹے عمر بن محمد بن قاسم کو اپنے ساتھ لیتا آیا اور تمام اہم امور اس کے سپرد کر دیئے۔عمر بن محمد ثقفی نے تمام خودمختار علاقوں کو دوبارہ فتح کیا اور واپسی میں دریائے سندھ کے قریب ایک شہر آباد کیا جس کا نام منصورہ رکھا۔حکم بن عوانہ کے ساتھ منذر بن زبیر ہباری بھی آیا تھا جس کے پوتے نے آگے چل کر ہباری سلطنت کی بنیاد رکھی جو چوتھی صدی تک قائم رہی۔

جنید کے بعد حکم بن ابی عوانہ کلبی کو سندھ کی ذمہ داری ملی، وہ اپنے ساتھ عمر بن محمد بن قاسم ثقفی اور منذر بن زبیر ہباری کو لیتا آیا۔اس وقت سندھ میں مضبوط حکومت نہ ہونے سے ہر طرف بدامنی تھی، حکم نے محفوظہ نام کا ایک شہر بسایا۔عمر بن محمد بن قاسم ثقفی نے اردگرد کے علاقے فتح کیے، سندھ کے مقبوضات میں سے جو علاقے خودمختار ہو گئے تھے ان کو پھر سے اطاعت گزار بنایا، سندھ کے علاقوں کو فتح کر کے جب عمر بن محمد لوٹ رہا تھا تو اس نے دریائے سندھ کے دہانے پر ایک شہر آباد کیا جو آگے چل کر منصورہ کے نام سے ایک مستقل حکومت کا پایہ تخت بنا۔

حکم کی موت کے بعد سندھ کے والی بننے کے دو عویدار دو تھے ایک عمر بن محمد بن قاسم ثقفی اور دوسرے یزید بن عرارہ، خلافت اموی نے محمد بن قاسم کی مظلومانہ موت پر نگاہ کرتے ہوئے عمر کے حق میں فیصلہ سنایا۔عمر بن محمد بن قاسم نے سندھ حکومت کے مقبوضات کا دائرہ بڑھایا۔پانچ سال کے بعد عمر بن محمد بن قاسم کو معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ یزید بن عرارہ سندھ کا والی بنا، یزید بن عرارہ ایک بہتر سپہ سالار تھا لیکن وہ معاملات کی گہرائی سے پرکھ کرنے کی صلاحیت سے محروم تھا یہی وجہ ہے کہ ایک عباسی خلافت کے قیام کیلئے کوشاں منصور بن جمہور کلبی کے ہاتھوں اسے نہ صرف سندھ کی حکومت گنوانی پڑی بلکہ اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑا۔منصور نے یزید بن عرارہ کو دیوار میں چنوا دیا۔

معلومات کی جانچ

1. عربوں کے سندھ پر حملہ کرنے کے اسباب کیا تھے؟
2. محمد بن قاسم کے بعد خلافت عباسیہ تک سندھ کے والیوں کا جائزہ لیجئے۔

3.10 خلافت عباسیہ کے دور میں سندھ میں عربوں کی حکمرانی

132 ہجری میں امویوں کا تختہ پلٹ گیا اور خلافت عباسیہ قائم ہوگئی۔ منصور بن جمہور کلبی نے خلافت عباسیہ سے بغاوت کا اعلان کردیا، اس کی سرکوبی کیلئے کی گئی کوششیں ناکام رہیں تو ابومسلم خراسانی نے موسیٰ بن کعب کو روانہ کیا۔ موسیٰ بن کعب کے ہاتھوں شکست کھا کر منصور بھاگا، غلطی سے ریگستان میں پھنس گیا، موسی بن کعب کی فوج اس کی تلاش میں تھی اس کو پکڑ کر قتل کردیا۔ موسی بن کعب کے بعد 140 ہجری میں عیینہ بن موسی کو سندھ کا والی بنایا گیا، اس کے دور میں اہل یمن اور اہل حجاز اس کی بدعنوانی پر معترض ہوئے اس نے سبھی کو قتل کرادیا، پھر اس نے کچھ عرصہ بعد خلافت عباسیہ سے بغاوت اختیار کی، اس کی سرکوبی کیلئے ابوجعفر منصور نے عمر بن حفص کو روانہ کیا اور اس کے ساتھ عقبہ بن مسلم کو مشیر کے طور پر روانہ کیا۔ 142 ہجری میں یہ دونوں بڑی فوج کے ساتھ سندھ پہنچے، عیینہ نے پہلے مقابلہ کیا لیکن جب شہر اور باہر کے لوگ عمر بن حفص کے ساتھ شریک ہونے لگے تو اس نے صلح کرلی، عمر بن حفص نے اس کو بغداد روانہ کردیا، وہ راستے میں ہی بھاگ نکلا اور بجستان کی راہ پکڑی لیکن یمنیوں نے اس کو باغی سمجھ کر گرفتار کرلیا اور قتل کردیا۔

اس دور کا ایک بڑا واقعہ یہ ہے کہ عباسیوں کو خلافت ملی تو ان میں آپس میں علویوں اور عباسیوں میں چپقلش شروع ہوگئی اور علویوں نے عباسیوں کے خلاف بغاوت شروع کردی جس کے نتیجے میں علویوں کے خلاف خلافت عباسیہ نے سخت دار و گیر شروع کردی۔ خلافت عباسیہ کے اہلکاروں سے چھپتے چھپاتے عبداللہ الاشتر علوی اپنے چند جانثاروں کے ساتھ سندھ آئے اور خود کو گھوڑے کا تاجر مشہور کیا لیکن یہ بات کھل گی کہ وہ کون ہیں، عمر بن حفص سادات کا طرفدار تھا اس نے عبداللہ الاشتر کو کسی قریبی راجہ کے یہاں مامون کردیا۔ اس کی خبر جب پھیلی تو ان کے مزید خیر خواہ ان کے پاس آتے گئے یہاں تک کہ چار سو افراد جمع ہوگئے۔ عبداللہ الاشتر نو دس سال تک راجہ کے یہاں اطمینان سے رہے۔ 151 ہجری میں عبداللہ الاشتر کے بارے میں منصور کو خبر ہوئی اس نے عمر بن حفص سے جواب طلب کیا۔ ایک شخص نے کہا کہ ساری ذمہ داری مجھ پر ڈال دیجئے، ایسا ہی کیا گیا اور خلیفہ نے اس آدمی کو بغداد بلالیا۔ لیکن عمر بن حفص کی اس کوتاہی کو دل سے معاف نہ کیا اور اس کو افریقہ کا گورنر بنا کر سندھ کا والی ہشام بن عمر تغلبی کو بنایا اور اس کو تاکید کی کہ دیکھو جیسے بھی ہو عبداللہ الاشتر کو گرفتار کرو، لیکن یہ بھی دل سے سادات کا طرفدار تھا اس نے مشہور تو کیا کہ اس سلسلے میں راجہ سے خط و کتابت ہو رہی اور معاملہ حل ہونے والا ہے لیکن اندرون خانہ معاملہ کو ٹالتا رہا، قضا و قدر سے ایسا ہوا کہ ایک دن ہشام کا بھائی سفیح کسی بدامنی کو دور کرنے کیلئے جا رہا تھا کہ عبداللہ الاشتر سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ سفیح کے ساتھیوں نے سادات کے خون سے دامن بچانا چاہا لیکن سفیح نے سخت کارروائی کی دھمکی دی اور پھر دونوں میں مڈبھیڑ ہوئی اور عبداللہ الاشتر مارے گئے۔ منصور کی تاکید پر ہشام نے آخر 151 ہجری میں راجہ پر حملہ کردیا ایک زبردست جنگ کے بعد راجہ مارا گیا اور اس کا ملک مسلمانوں کے قبضہ میں آیا، عبداللہ کے ساتھی مارے گئے اور جو بچے وہ ادھر ادھر منتشر ہوگئے اور عبداللہ کے بیٹے محمد اور ان کی ماں جو لونڈی تھیں کو بغداد روانہ کردیا۔ منصور نے ماں اور بیٹے کو مدینہ روانہ کردیا۔

ہشام کو ان سب امور سے فارغ ہو کر توسیع مملکت کا خیال آیا، اس نے منصورہ میں اپنے بھائی بسطام کو حاکم بنایا اور خود ایک بڑی فوج لے کر روانہ کیا اور ربالائی کشمیر کو فتح کرتا ہوا لوٹا اور ملتان پہنچا، جنگ کے بعد ملتان پر بھی قبضہ ہوا، تندابیل کو بھی سندھ کے تابع کیا، اس کے بعد پھر بحری راستہ سے بھروچ پر حملہ کیا اور اس کو فتح کرلیا۔ ہشام نے گندھار پر قبضہ کیا اور ایک مسجد تعمیر کی، اس مسجد کو گجرات کی اولین مسجد ہونے کا شرف حاصل

ہے۔اس کے بعد اس نے بڑی قابلیت کے ساتھ سندھ میں حکومت کی اور پورا سندھ پرامن ہوگیا۔اس کی قابلیت کو دیکھتے ہوئے منصور نے مکران کی حکومت بھی اس کے سپرد کردی۔کچھ سالوں پانچ یا چھ سال بعد اس کو وطن کی یاد ستانے لگی اور یہ خلیفہ کی اجازت سے بغداد گیا۔اس نے منصور کو بیش قیمت تحائف پیش کئے اور بغداد یا عراق میں ہی اس کی موت ہوگئی۔ہشام کے بعد منصور نے معبد بن خلیل تمیمی کو سندھ کا والی بنایا،159 ہجری میں معبد خلیلی کی موت کے بعد روح بن تمیم کو سندھ کا والی بنایا گیا۔

تبلیغ اسلام: اس درمیان عباسی خلیفہ منصور کی موت ہوچکی تھی اور اس کی جگہ اس کا بیٹا مہدی تخت نشیں ہوا تھا،اس نے عمر بن عبدالعزیزؒ کے نقش قدم پر اکثر حکمرانوں کے نام جو اس کے ماتحت تھے قبول اسلام کی ترغیب دی،ان میں سے پندرہ راجہ مسلمان ہوگئے ان میں سے ایک سندھ کا راجہ تھا اس راجہ کو رائے کہا جاتا تھا اور ایک راجہ وہ تھا جو پورس کے خاندان سے تھا۔

بھروچ پر حملہ: 159 ہجری میں مہدی نے عبدالملک بن شہاب مسمعی کی قیادت میں ایک بحری بیڑہ گجرات بھیجا،یہ بیڑا 160 ہجری میں بھاڑبھوت پہنچا عربوں نے زمین پر قدم رکھنے کے ساتھ ہی حملہ کردیا،گجراتی قلعہ بند ہوئے لیکن عربوں کے پرجوش حملوں کو قلعہ کی دیواریں سہار نہ سکیں،واپسی میں سمندر کی طغیانی کی وجہ سے انتظار کرنا پڑا اور اسی درمیان وبا پھوٹ پڑی جس کی وجہ سے ایک ہزار افراد شہید ہوئے۔ان شہیدوں میں سے ایک ابوبکر ربیع بن صبیح سعدی جلیل القدر تابعی بھی ہیں۔مہدی اور ہارون رشید کی خلافت تک میں سندھ میں کئی والی مقرر ہوئے جیسے لیث بن طریف،سالم یونسی طیفور بن عبداللہ بن منصور،جابر بن اشعث طائی،سعید بن سلم بن قتیبہ۔لیکن ان سے سندھ میں امن وامان قائم نہیں ہوسکا۔حجازیوں اور یمنوں کی آویزیش بڑھتی چلی گی۔حجازی طاقتور ہوگئے اور انہوں نے سندھ کے والیوں کو اپنے اشارہ پر چلانا شروع کردیا۔بالآخر ہارون رشید نے 184 ہجری میں داؤد مہلبی کو سندھ کا والی بنا کر روانہ کیا۔

داؤد مہلبی کا دور حکومت: داؤد مہلبی نے اپنا نائب اپنے بھائی مغیرہ کو بنا کر بھیج دیا۔حجازیوں نے مغیرہ کو منصورہ میں داخل نہیں ہونے دیا اور ایسے شرائط پیش کئے جو مانے نہیں جاسکتے تھے بالآخر لڑائی ہوئی اور مغیرہ کو شکست ہوئی،مغیرہ نے سارے واقعہ کی رپورٹ داؤد کو دی۔داؤد غصے سے بھر گیا اور ایک فوج لیکر نکل پڑا۔سندھ پہنچتے ہی اس نے نزاریوں (حجازیوں) کی بیخ کنی شروع کردی اور نزاریوں کے خلاف سخت کارروائی شروع کی۔جب داؤد منصورہ پہنچا تو ان لوگوں نے قلعہ بند کردیا اور جنگ شروع کردی لیکن داؤد نے نزاریوں کی بڑی تعداد کو تہہ تیغ کردیا۔کئی ماہ کے محاصرہ کے بعد منصورہ فتح ہوا لیکن نزاری اپنی شرارت پر قائم رہے اور روز ایک نیا ہنگامہ برپا کرتے رہے۔داؤد نے بالآخر منصور ہیں ان کے محلے اور مکانات کو مسمار کردیا اور باغیوں کو قتل،قید اور جلاوطن کیا جس کی وجہ سے منصورہ میں امن ہوگیا۔داؤد نے نزاریوں کے خلاف جو طرز عمل اختیار کیا اس سے سندھ میں امن تو قائم ہوا لیکن عربوں کی ایک بڑی آبادی فنا ہوگئی۔اس نے اپنے حسن تدبیر سے چند ہی سالوں میں پورے سندھ کی کایا پلٹ دی اور بدامنی اور شورش کی جگہ امن وامان قائم ہوگیا۔داؤد کا دور حکومت بیس برس رہا،اتنی طویل مدت تک سندھ میں کوئی والی اس سے قبل نہیں رہا اور اسی دور میں ہارون رشید کی موت ہوئی،امین و مامون کی خانہ جنگی ہوئی اور مامون عباسی حکمراں بنا،داؤد کی چونکہ کوئی شکایت نہیں تھی اس لئے مامون نے بھی اس کو برقرار رکھا۔

مامون الرشید کے دور میں داؤد مہلبی کا انتقال ہوگیا تو مامون نے دس لاکھ درہم یعنی ڈھائی لاکھ روپے سالانہ خراج کے وعدہ پر اس کو سندھ کا حاکم بنا دیا،کچھ عرصہ یہ ٹھیک رہا لیکن پھر یہ لاپرواہوگیا اور مامون کو خراج بھیجنا بند کردیا۔مامون نے غسان مہلبی کو اس کی سرکوبی کیلئے

بھیجا، جب غسان منصورہ پہنچا تو بشر نے بغیر جنگ کے اس کی اطاعت کر لی، غسان نے اس کو نظر بند کر دیا اور مامون کے حکم کے مطابق سندھ کا والی موسیٰ برمکی کو بنا دیا۔ غسان کی بالایا لاچندرام کے ایک راجہ نے توہین کی تھی موسیٰ برمکی نے اس پر حملہ کر دیا اور راجہ گرفتار ہوا، راجہ نے بڑی کوشش کی کہ کثیر زر وفدیہ ادا کر کے خلاصی کر لے یہاں تک کہ پانچ لاکھ درہم تک ادا کرنے کی پیش کش کی لیکن موسیٰ نہیں مانا اور راجہ قتل کر دیا گیا۔ موسیٰ برمکی کی موت کے بعد 231 ہجری میں اس کے بیٹے عمران برمکی کو سندھ کا والی بنایا گیا عمران برمکی نے پوری مستعدی کے ساتھ بدامنی اور جاٹوں اور میدوں کی بغاوت اور سرکشی کو ختم کیا۔ قیقان کے افراد ہمیشہ شورش برپا کرتے تھے اس کے سدباب کیلئے بوقان میں ایک فوجی چھاؤنی بنائی۔ میدوں کی بغاوت کا بالکلیہ استیصال کرنے کیلئے اس نے کمر باندھا اور میدوں پر حملے شروع کئے تھے کہ یمنیوں اور حجازیوں میں جھگڑے شروع ہو گئے۔ عمران نے کمزور یمنیوں کی طرفداری کی جس پر حجازی عمران کے خلاف سازش کرنے لگے اور اپنے سردار عمر بن عبدالعزیز ہباری کی قیادت میں عمران برمکی پر حملہ کر کے قتل کر دیا۔

236 ہجری میں عمران کے قتل کے بعد عنبسہ بن اسحاق ضبی سندھ کا والی ہوا، عنبسہ نے بدامنی کا فائدہ اٹھا کر خودمختاری کا دعویٰ کرنے والوں امراء اور حکام کو سندھ حکومت کا پابند بنایا، قیدیوں کیلئے دبیل کے عالیشان مندر کا گنبد توڑ کر چھت دے کر ایک بڑی جیل بنائی۔ 235 ہجری میں خلیفہ متوکل نے عنبسہ کو معزول کر کے ہارون بن ابی خالد کو سندھ کا والی بنایا، اس نے یہاں آ کر حجازیوں اور یمنیوں کے حالات دیکھے اور یہ بھی دیکھا کہ حجازی یمنیوں پر زبردستی کرتے ہیں تو اس نے یمنیوں کی طرفداری کرنی شروع کر دی جس کی وجہ سے حجازی گروہ اس سے ناراض ہو گیا اور بالآخر 240 ہجری میں حجازیوں نے اس کا قتل کر دیا۔

عمر بن عبدالعزیز ہباری نے سندھ کی حکومت سنبھالی اور خلیفہ متوکل کو اپنی اطاعت کا خط لکھا، متوکل پے در پے ہونے والی بغاوتوں سے پریشان تھا اس نے اس اطاعت گزاری کو بھی غنیمت جانا اور باوجودیکہ حجازی گروہ اس کے متعین کردہ والی کا قاتل تھا اس نے حجازیوں کو سندھ کی ولادت سپرد کر دی اور یہیں سے سلطنت خاندان ہباری کا آغاز ہوتا ہے۔

3.10.1 سندان پر عربوں کا قبضہ

مامون الرشید کے دور میں جب کہ سندھ کا والی موسیٰ برمکی تھا بنی سامہ کے غلام فضل بن ہامان نے سندان پر قبضہ کر لیا (سندان گجرات اور سندھ کی سرحد پر گجرات کا ساحلی علاقہ تھا) فضل نے مامون الرشید کو اپنی اطاعت گزاری کا خط لکھا، ایک ہاتھی نذر کیا اور سندان میں ایک عالی شان مسجد تعمیر کرائی۔ فضل کی موت کے بعد اس کا بیٹا محمد بن فضل سندان کا حاکم ہوا، اس کی طبیعت میں ملک گیری تھی، کشتیوں کا بیڑا لیکر میدقوم پر حملہ کیا اور مزید فتوحات کیلئے قدم آگے بڑھانا چاہتا تھا کہ خبر آئی کہ سندان میں اس کے بھائی نے بغاوت کر دی اور شہر پر قبضہ کر لیا ہے۔ یہ سن کر وہ سندان لوٹا، یہاں پہنچے پر خبر کی تصدیق ہوئی محمد بن فضل نے مامون سے مدد کی درخواست کی لیکن اس کے بھائی ہامان نے سندھیوں اور دیگر فوجی افسران کو ورغلا کر اپنے حق میں کر لیا اور مامون کی جانب سے مدد آنے سے پہلے محمد پر حملہ کر دیا، اس جنگ میں محمد کو شکست ہوئی، گرفتار کر کے محمد بن فضل کو سولی دے دی گئی۔

ہامان کے اندر چالبازی کی صفت ضرور تھی لیکن دور اندیشی اور پیش بینی نہیں تھی، وہ سندھ کی اسلامی مملکت اور خلافت عباسیہ دونوں سے بے پرواہو گیا اور کسی سے کوئی تعلق نہیں رکھا چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد اس پر ہندو راجوں نے حملہ کر دیا اور اس کسی نے مدد نہیں کی اور اس طرح

سندان کی اس چھوٹی سے عرب حکومت کا بہت قلیل مدت میں خاتمہ ہوگیا۔

معلومات کی جانچ

1. سندھ کے والی داؤد مہلبی کا کارنامہ کیا تھا؟
2. سندان میں عرب حکومت پر روشنی ڈالئے۔

3.11 سندھ میں ہباری خاندان کی حکومت

سندھ میں ہباری خاندان کے سلسلے میں اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں لکھا ہے:

''اگرچہ ہارون رشید نے کے عہد میں داؤد مہلبی نے نزاریوں کی طاقت کا خاتمہ کردیا تاہم المتوکل کے دور میں حجازیوں کے سرگروہ عبدالعزیز ہباری نے عباسی عامل خالد کو قتل کر کے خودمختار حکومت قائم کرلی اور منصورہ کو اپنا صدر مقام قرار دیا''۔

ہباری خاندان قریش کی ایک شاخ بنواسد کے ہبار بن اسود سے چلا ہے۔ ہبار بن اسود 8 ہجری میں مسلمان ہوگئے تھے۔ اسی خاندان کا ایک فرد منذر بن زبیر حکم بن عوانہ کے ساتھ سندھ آگیا، منذر بن زبیر کا ہی پوتا عمر بن عبدالعزیز ہوا جو ہباری سلطنت کا موسس تھا۔ سنہ 240 ہجری میں سندھ کی ولایت ملنے کے بعد عمر بن عبدالعزیز نے زیریں سندھ کو فتح کیا، اس نے رفتہ رفتہ پورے سندھ کو فتح کیا لیکن اس نے منصورہ کو پایہ تخت نہیں بنایا بلکہ منصورہ سے تھوڑے فاصلہ بانیہ میں رہا۔ اس نے کبھی خلافت عباسی کی اطاعت کا جوا گردن سے نہیں اتارا، خطبہ میں عباسی خلیفہ کا نام لیا جاتا رہا۔ اس کے دور میں خلیفہ عباسی بھی سندھ کو اپنے مقبوضات میں شمار کرتے تھے۔ چنانچہ یعقوب بن لیث صفاری کے نام خلیفہ معتمد نے ترکستان، بجستان اور کرمان کا والی بنایا تو اس میں سندھ کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس عرصہ میں جب کہ عمر بن عبدالعزیز سندھ پر حکمرانی کررہا تھا مشرق میں روزانہ نئے نئے ہنگامہ برپا ہوتے رہے لیکن وہ سندھ کی حکمرانی پر بدستور قائم رہا، یہ اس کی لیاقت اور حسن تدبر کی دلیل ہے۔ اس کی موت کب ہوئی تاریخ کتابیں اس سلسلے میں خاموش ہیں لیکن اندازہ ہے کہ 270 ہجری کے آس پاس اس کی موت ہوئی ہوگی۔ عمر بن عبدالعزیز ہباری کے زمانہ میں یعنی 264 ہجری میں مشہور مورخ اور سیاح ابوزید سیرافی ہندوستان آیا تھا۔

عمر بن عبدالعزیز ہباری کی موت کے بعد اس کا بیٹا عبداللہ بن عمر ہباری 270 ہجری میں سندھ کا حاکم بنا۔ اس کی سیرت اور کارناموں کے بارے میں بھی تاریخ خاموش ہے لیکن اس کے دور کا ایک واقعہ یہ ہے کہ بنوکندہ کے آزادکردہ غلام ابوالصمہ کے لڑکے صمہ نے بغاوت کر کے منصورہ پر قبضہ کرلیا، عبداللہ ہباری نے بعد میں فوجی طاقت جمع کر کے منصورہ واپس لے لیا اور اسی وقت سے منصورہ کو پایہ تخت بنالیا۔

270 ہجری میں ایک پڑوسی راجہ نے عبداللہ ہباری سے سندھی زبان میں اسلام کی تعلیمات لکھ کر بھیجنے کی درخواست کی، عبداللہ نے یہ کام ایک ایسے شخص کو سونپا جو اصل میں عراقی تھا لیکن اس کی پرورش منصورہ میں ہوئی تھی اور مقامی زبان سے وہ اچھی طرح واقف تھا، اس نے اسلامی تعلیمات کو نظم کی صورت میں لکھ کر راجہ بھیجا، راجہ بہت خوش ہوا اور درخواست کی کہ اس شاعر کو ہمارے پاس بھیج دیا جائے، عبداللہ ہباری نے شاعر کو راجہ کے پاس بھیج دیا وہ تین سال وہاں مقیم رہا اور راجہ کو اسلامی تعلیمات سے واقف کراتا رہا۔ 273 ہجری میں اس شاعر نے عبداللہ

ہباری کو بتایا کہ راجہ نے سچے دل سے اسلام قبول کرلیا ہے لیکن اس کے اظہار سے ڈرتا ہے اور یہ کہ اس نے ایک مکان تیار کیا ہے جہاں وہ تنہائی میں رہتا ہے اور عوام میں مشہور کر رکھا ہے کہ وہ امور سلطنت پر غور وفکر کیلئے وہاں جاتا ہے جب کہ دراصل وہ وہاں جا کر اسلامی طریقہ پر عبادت کرتا ہے، عبداللہ ہباری کے دور میں شوال 280 ہجری میں دبیل میں زبردست زلزلہ آیا جس میں پورا شہر تباہ ہوگیا اور ملبہ کے نیچے سے تقریباً ایک لاکھ پچاس ہزار کو مردہ نکالا گیا۔ اس بڑے حادثہ کی خبر پر چہ نویسوں نے خلیفہ معتضد باللہ کو روانہ کی۔ اس سے استدلال کیا جاسکتا ہے کہ عباسی خلفاء کا سندھ میں اثر ورسوخ باقی تھا۔

عبداللہ بن عمر ہباری کی حکومت 30 رسال رہی۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے بڑی لیاقت اور حسن تدبر کے ساتھ حکومت کی ہوگی اور عوام اس کے اقدامات سے خوش رہی ہوگی ورنہ عوامی اطمینان کے بغیر اتنے عرصے تک حکومت کرنا تقریباً ناممکن ہے۔

3.12 سلطنت خاندان بنوسامہ

ملتان میں حکمراں خاندان بنوسامہ کا تھا۔ بنوسامہ کا سلسلہ قریش میں لوی بن غالب پر جا کر ختم ہوتا ہے۔ لوی کی اولاد میں سامہ تھا اسی نسبت سے اس خاندان کو بنوسامہ کہا جانے لگا۔ اس خاندان کے افراد نے ملتان پر کب قبضہ کیا، کتب تاریخ سے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ ملتان کو محمد بن قاسم نے فتح کیا اور امیر داؤد بن نصر بن ولید کو ملتان کا حاکم بنایا۔ محمد بن قاسم کی اچانک معزولی اور گرفتاری سے سندھ میں ابتری پھیل گئی تھی، شاید اس کا فائدہ اٹھا کر امیر داؤد ملتان کا خودمختار حکمراں بن گیا۔ اس کے بعد ہمیں 151 ہجری میں جا کر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہشام بن عمر تغلبی نے ملتان فتح کیا، مورخین کے بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت ملتان میں کسی مسلم خاندان کی ہی حکومت تھی اگر غیر مسلموں کی حکومت ہوتی تو پھر مورخین اس کا ذکر ضرور کرتے۔ پھر 184 ہجری میں ابن عدی والی سندھ نے ملتان کو فتح کرنا چاہا لیکن ناکام رہا۔ تقریباً سو سال بعد ابن رستہ لکھتا ہے کہ اب (290 ہجری) میں ملتان پر بنومنبہ کی حکمرانی ہے (بنومنبہ بھی بنوسامہ کو ہی کہا جاتا ہے)۔ تاریخ کی کتابوں میں اس کا ذکر نہیں لیکن قیاس کیا جاتا ہیکہ 375 ہجری تک ملتان میں بنومنبہ کے افراد خاندان ہی حکمراں تھے۔ ابن حوقل اور اصطخری نے بھی اپنی کتابوں میں ملتان کے احوال میں ذکر کیا ہے کہ یہاں کے حکمراں بنومنبہ ہیں مگر حاکموں کے نام نہیں لکھے، لیکن جب 375 ہجری میں بشاری مقدسی نے سندھ کی سیاحت کی تو اس سلسلے میں لکھا کہ ملتان کے حکمراں اسماعیلی ہیں۔

3.13 ملتان میں اسماعیلی حکومت:

ملتان میں اسماعیلی دعاۃ کافی عرصہ سے انقلاب کی کوشش کرتے رہے۔ منصورہ میں ان لوگوں کو کامیابی نہ مل سکی لیکن ملتان میں ان کے ہم خیال افراد کی تعداد کافی ہوگئی پھر اسماعیلی امام العزیز قاہر باللہ متوفی 386 نے 372 ہجری میں جلہم بن شیبان کو فوج کے ساتھ سندھ بھیجا، سندھ کی آمد کا راستہ کیا تھا، مکران کا یا پھر خراسان، یہ واضح نہیں ہے اور ملتان پر حملہ کر کے قبضہ کیا گیا یا پھر ملتان میں اندر سے بغاوت ہوئی اور کامیاب ہوئی، اس بارے میں کچھ بھی واضح نہیں لیکن اتنی بات طے ہے کہ جلہم بن شیبان ملتان پر قابض ہوگیا۔

جلہم بن شیبان نے ملتان پر قبضہ کرنے کے ساتھ ہی فاطمی خلفاء کا سکہ اور خطبہ جاری کیا، اسی نے ملتان کے اس قدیم مندر کو تباہ کیا جس

کو محمد بن قاسم نے شہر کی آمدنی کے خیال سے رکھ چھوڑا تھا۔جلم بن شیبان کی حکومت کتنے عرصے رہی، کچھ پتہ نہیں چلتا،اس کے بعد تاریخی کی کتابوں سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ سبکتگین کا جب راجہ جے پال سے مقابلہ ہوا تو اور ہندوستان کے راجاؤں نے اس کی مالی اور فوجی مدد کی لیکن پھر بھی سبکتگین غالب رہا تو اس نے امیر ملتان شیخ حمید سے باز پرس کی کہ اس نے جے پال کی مدد کیوں کی۔شیخ حمید نے اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ سالانہ خراج دے گا۔فرشتہ نے لکھا ہے کہ شیخ حمید نے اسلام کا واسطہ دیا کہ ہم دونوں مسلمان ہیں لیکن میری حکومت سے ہندو راجاؤں کی حکومت ملتی ہے ملتان کی حفاظت کیلئے کچھ دستے متعین کر دیں۔امیر سبکتگین نے اس کو منظور کر لیا۔پھر تقریباً 16-15 سال خاموشی رہی اور اس دوران شیخ حمید کا انتقال ہو گیا اور ملتان کا نیا امیر شیخ ابوالفتوح داؤد بن نصر بنا۔غیر مسلم راجا بھاٹیہ سے لڑائی میں سلطان محمود کا ساتھ نہ دیا اور جب انند پال کی حمایت میں پورے ہندوستان کی فوجیں آ گئیں تو یہ سوچ کر کہ سلطان محمود انند پال کی متحدہ فوج سے نہیں جیت سکے گا،انند پال کا ساتھ دیا،اس جنگ میں شور وغل اور نفط اندازوں کی آگ سے انند پال کا ہاتھی بھاگنے لگا،اس امر کو انند پال کی فوج نے شکست پر محمول کیا اور بھاگنے لگی اور یہ دیکھ کر متحدہ فوج جو ہندوستان سے مدد کیلئے آئی تھی وہ بھی بھاگ کھڑی ہوئی۔سلطان محمود نے 401 ہجری میں اولاً تو غوریوں کو شکست دی پھر اچانک تیزی سے آگے بڑھ کر ملتان پر حملہ کر دیا اور ملتان سلطان محمود کی یلغار کا مقابلہ نہ کر سکا۔سلطان محمود نے باغیوں کو سخت سزا دی اور شیخ داؤد بن نصر بن حمد کو گرفتار کر کے غزنہ لے گیا اور تا حیات نظر بند رکھا۔اس طرح ملتان سے اسماعیلی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔فرشتہ نے بھی لکھا ہے کہ:

> ''شیخ حمید کے تعلقات سبکتگین کے ساتھ بڑے خوشگوار رہے لیکن اس کا پوتا ابوالفتح داؤد بن نصیر بن حمید جو ملاحدہ (اسماعیلیہ) میں سے تھا ابتداء میں اس کا طرز عمل اپنے باپ دادوں کے قدم بقدم رہا لیکن 395 ہجری میں اس نے غیر وفادارانہ حرکت کی''۔

منصورہ کے اسماعیلی:منصورہ میں 375 ہجری تک ہباری خاندان برسر اقتدار تھا کیونکہ بشاری مقدسی انہی تاریخوں میں سندھ آیا ہے اور اس نے لکھا ہے کہ منصورہ کے قاضی اہل حدیث ہیں اور عوام زیادہ تر حنفی ہیں اور حکمراں خاندان ہباری کو بتایا ہے اسی کے ساتھ ابن اثیر نے 416 ہجری کے حالات میں لکھا ہے کہ منصورہ کے حکمراں قرامطہ (اسماعیلی) تھے۔

مولانا ابوظفر ندوی مصنف تاریخ سندھ کی رائے یہ ہے کہ منصورہ میں اسماعیلی سلطنت کی دو صورت ہو سکتی ہے:

> ''پہلی صورت تو یہ کہ 376 ہجری سے لے کر 396 ہجری کے پر امن زمانہ میں اسماعیلیوں نے منصورہ میں بھی ملتان کی طرح انقلاب برپا کیا ہو لیکن منصورہ کی اسماعیلی حکومت اب بھی ملتان سے الگ رہی ہو،پس اسماعیلیوں کی گویا دو حکومتیں علیحدہ علیحدہ تھیں ایک ملتان میں اور دوسری منصورہ میں۔اس لئے سلطان محمود غزنوی کے ملتان پر حملہ کا منصورہ پر کوئی اثر نہیں پڑا۔دوسری صورت یہ ہے کہ 401 ہجری میں جب سلطان محمود نے ملتان پر قبضہ کر لیا اور داؤد کو گرفتار کر کے غزنہ بھیجا تو اسماعیلیوں نے اپنی منتشر طاقت جمع کر کے اچانک منصورہ پر قبضہ کر لیا ہو کیونکہ ہباری خاندان اس وقت بہت کمزور ہو رہا تھا اور اس کے مقبوضات کے کچھ حصے پر دوسرے قابض تھے۔ان دونوں نظریوں کے متعلق اس وقت تک کوئی علمی شہادت دستیاب نہیں ہوئی البتہ قیاس سے دوسری صورت کو ترجیح دی جا سکتی ہے''۔

منصورہ میں 416ہجری تک اسماعیلیوں کی خودمختار حکومت تھی۔منصورہ پر حملہ کی وجہ یہ ہوگی کہ جب سلطان محمود نے انند پال کا ساتھ دینے والے راجوں کی گوشمالی کرنی چاہی تو اس نے دریائے سندھ کے کنارے کنارے سفر کرنے کا سوچا لیکن منصورہ کے والی کو یہ خطرہ لاحق تھا کہ کہیں محمود اس کی حکومت پر قبضہ نہ کرلے،ایسا قیاس ہے کہ منصورہ کے حکمرانوں نے جاٹوں اور میدوں کو سرکشی کی شہہ دی ہوگی جس کی بناء پر جاٹوں نے سلطانی فوج کو بہت تنگ کیا جب سلطان محمود برہمن آباد پہنچا تو اس نے منصورہ کے حکمراں کی گوشمالی کرنی چاہی چنانچہ اس نے فوراً منصورہ والوں پر حملہ کردیا،منصورہ کا حکمراں جھاڑیوں میں جا کر چھپ گیا لیکن سلطان محمود نے جھاڑیوں کو گھیرلیا اور پھر چھپنے والے اکثر مارے گئے یا دریا میں غرق ہوئے اور بہت کم اپنی جان بچا سکے۔ابن اثیر نے الکامل فی التاریخ میں لکھا ہے۔

سلطان نے منصورہ کا قصد کیا،یہاں کا والی اسلام سے پھر گیا تھا۔تو جب اس کو سلطان کی آمد کی خبر ہوئی تو شہر سے نکل گیا اور اپنے آدمیوں کو لے جا کر جھاڑیوں میں چھپ گیا۔سلطان محمود نے اس کا تعاقب کیا اور دوطرف سے اس پر حملہ آور ہوا،اس میں بہت سے آدمی مارے گئے اور بہت سے دریا میں ڈوب گئے تھوڑے بچ گئے"۔

3.14 سومرہ حکمراں

جیسا کہ ماقبل میں لکھا جاچکا ہے کہ سومرہ کے تعلق سے اختلاف ہے۔انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار نے سومرہ کو نومسلم راجپوت بتایا ہے جب کہ مولانا عبدالحلیم شرر ان کو نومسلم یہودی لکھتے ہیں اور تاریخ ہند کے مصنف الیٹ ان کو راجپوت ہندو بتاتے ہیں علامہ سید سلیمان ندوی نے "عرب وہند کے تعلقات" اور مولانا ابوظفر ندوی نے "تاریخ سندھ" میں ان کو عرب مانا ہے ایسے عرب جنہوں نے یہاں شادی بیاہ کا سلسلہ قائم کرلیا ہے۔مولانا ابوظفر ندوی سومریوں کو راجپوت ہندو اور نومسلم راجپوت قرار دینے والوں کی مدلل طور پر غلطی ثابت کرنے اور ایک تفصیلی بحث کے بعد خلاصہ کے طور پر لکھتے ہیں:

> "پس ان حالات کی موجودگی میں یہ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ سومرہ ہندو راجپوت نہ تھے بلکہ عرب تھے جو ہندوستان میں آباد ہوگئے تھے اور پشت در پشت یہاں رہ کر ہندی نژاد بن گئے جس کی صحیح مثال ہندوستانی سادات ہیں"۔

علامہ سید سلیمان ندوی راجپوت اور عرب میں یوں تطبیق دیتے ہیں کہ جنہوں نے ان کو عرب کہا ہے انہوں نے ایک جانب کا لحاظ کیا اور جنہوں نے ان کو راجپوت کہا،انہوں نے دوسرے جانب کا لحاظ کیا۔

سومرہ حکمرانوں کو راجپوت قرار دینے یا راجپوت نومسلم سمجھنے والوں کو شاید ان کے غیر مسلموں جیسے نام سے اشتباہ ہوا ہوگا حالانکہ دیکھا جائے تو عرب سے دور بسنے والی کچھ قوموں نے قبول اسلام کے بعد بھی عربی ناموں کو اختیار نہیں کیا بلکہ اپنی زبان کے نام ہی استعمال کرتے رہے جیسے الپ تگین،سبکتگین،الپ ارسلان،ایلتتمش،بلبن وغیرہ حالانکہ یہ تمام لوگ پورے طور پر مسلمان تھے لہذا نام کی مشابہت ان کے غیر مسلم یا غیر مسلم سے نومسلم ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

سومرہ حکمران مذہب کے اعتبار سے اسماعیلی شیعہ تھے۔اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ دروزی شیعوں کا امام سلطان محمود کا ہم عصر

تھا،اس نے سلطان محمود کے ملتان اور منصورہ پر قبضہ کرنے کے بعد یہاں کے ایک طاقتور زمیندار کو خط لکھا جس کے مندرجات یہ ہیں۔

''ملتان اور ہندوستان کے موحدوں کے نام عموماً اور شیخ ابن سومرہ راجہ پال کے نام خصوصاً۔اے معزز راجہ پال! اپنے خاندان کو اٹھا،موحدین اور داؤد اصغر کو سچے دین میں واپس لا کہ مسعود نے جو اسے حال ہی میں قید اور غلامی سے آزاد کیا ہے۔وہ اس وجہ سے ہے کہ تو اس فرض کو انجام دے سکے جو تجھ کو اس کے بھانجے عبداللہ اور ملتان کے تمام باشندوں کے خلاف انجام دینے کیلئے مقرر کیا گیا ہے تا کہ تقدیس اور توحید کے ماننے والے جہالت،ضد،سرکشی اور بغاوت والی جماعت سے ممتاز ہو جائیں۔''

اردو دائرۃ المعارف کا مقالہ نگار سندھ کے مقالہ میں لکھتا ہے۔

''ادھر سندھ میں بھی ان دونوں سومرہ خاندان زور پکڑ رہا تھا۔یہ لوگ بھی عقیدتاً اسمٰعیلی تھے۔''

سومروں کی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا اقتدار سندھ میں کافی عرصے تک رہا لیکن کسی ایک جگہ انہیں مستقل طور پر حکومت کرنے کا نصیب نہیں ہوا،ادھر ڈوبے ادھر نکلے کے مصداق جس علاقہ میں ان کی حکومت کا سورج غروب ہوتا،وہ کچھ دوری پر اپنا مرکز بنا کر پھر سے طاقت حاصل کر لیتے تھے۔

مصری ائمہ فاطمیین کا طریقہ تھا کہ دور دراز کے علاقے جوان کے اقتدار کی دسترس سے باہر ہوتے وہاں ایک داعی بھیج دیتے جوان کا مذہبی اعتبار سے ذمہ دار ہوتا تھا۔سندھ کی دوری کا خیال کرتے ہوئے فاطمیوں نے ایک مقامی شخص کو مذہبی ذمہ داری سونپنا مناسب سمجھا جو سومرہ اپنی قوم میں ممتاز ہوگا اس لئے اس کو یہ ذمہ داری دی گئی۔بیس سال تک سومرہ حکومت کے قیام کی کوشش کرتے رہے اور بالآخر سلطان عبدالرشید(متوفی 444ہجری) کے دور میں جب کہ غزنی حکومت خانہ جنگی سے کمزور ہو چکی تھی،کامیاب ہو گئے اور سومرہ نام کے ایک شخص کو سندھ کا والی مقرر کر دیا۔اس وقت سے خاندان سومرہ کی حکومت مستقل طور سے تمام سندھ میں قائم ہو گئی۔سلطان عبدالرشید کے دور سے لے کر سلطان شہاب الدین غوری تک جو وقفہ ہے اس دوران تمام سندھ اور ملتان پر سومرہ خاندان حکمراں رہا اور انہی سومرہ خاندان سے ملتان کا علاقہ سلطان شہاب الدین غوری نے چھینا تھا۔سلطان شہاب الدین غوری کے بعد سومرہ خاندان کے اقتدار کی حالت یہ رہی کہ سندھ کے مختلف اضلاع پر مختلف اوقات میں حکومت کرتے رہے ان میں سے بعض خودمختار تھے اور بعد دہلی یا ملتان کی مرکزی حکومت کے زیر نگرانی تھے۔

سومرہ خاندان کی حکمرانی کا خاتمہ: سمہ خاندان نے کیا اور اس کے بعد پھر ان کی سیاسی طاقت کا ظہور نہیں ہوا،اب یہ عام افراد کی طرح رہتے ہین اور کاشتکاری کا شغل رکھتے ہیں لیکن مرکز کے ماتحت رہنا ان کی اب بھی خصوصیت ہے۔اردو دائرۃ المعارف میں مذکور ہے۔

''مغلوں کے مسلسل حملوں سے سندھ میں جو طوائف الملو کی پھیلی تھی اس سے فائدہ اٹھا کر سومرہ دوبارہ برسر اقتدار آ گئے۔وہ بظاہر سلطنت دہلی کی اطاعت کا دم بھرتے تھے لیکن موقع پاتے ہی خودمختاری کا اعلان کر دیتے اور جب مرکزی فوج ان کی تادیب کیلئے روانہ ہوتی تو پھر اطاعت قبول کر لیتے،یہ صورت حال 1324ء تا 1351ء رہی،اور بعد ازاں جنوبی سندھ کے ایک راجپوت قبیلہ سمہ نے سومروں کو شکست دے کر ان کی جگہ لے لی''۔

معلومات کی جانچ

1. سلطنت ہباری خاندان کی ابتداء اور انتہا بیان کیجئے۔
2. سندھ میں اسماعیلی حکومت کے قیام اور زوال کا جائزہ لیجئے۔

3.15 خلاصہ

سندھ کا علاقہ تاریخی طور پر بہت قدیم ہے۔اس علاقہ نے بہت سارے انقلابات دیکھے ہیں۔اسلامی دور حکومت سے قبل چچ نامی ایک برہمن سندھ کے راجا کی رانی کی بے وفائی سے سندھ کا راجہ بنا، اس نے باغیوں کا مقابلہ کیا اور سندھ کے علاقہ کو وسعت دی، اس کی موت پر خانہ جنگی ہوئی اور بالآخر راجہ داہر جو اس کا چھوٹا بیٹا تھا سندھ کا حکمراں بنا، اس نے بلاوجہ خلافت اموی سے عداوت مول لی جس کے نتیجہ میں محمد بن قاسم کو حجاج نے ایک بڑا لشکر دے کر روانہ کیا اور محمد بن قاسم نے جنگی تدبیروں سے سخ کے علاقے کو یکے بعد دیگر فتح کرنا شروع کیا تو دوسری جانب اپنے حسن اخلاق اور مہربانی سے سندھ کے عوام کے دلوں کو بھی موہ لیا۔محمد بن قاسم کی موت کے بعد فتوحات کا سیلاب رک گیا اور اکثر و بیشتر سندھ کے والی سندھ سے آگے بڑھ کر ہندوستان پر کوئی کارگر حملہ کرنے میں ناکام رہے، زیادہ ہوا تو سندھ کو مکمل طور پر مطیع کرلیا اور اس سے زیادہ ہوا تو گجرات کے سرحدی علاقے کاٹھیاواڑ، ماڑواڑ، بھروچ وغیرہ پر حملہ کیا۔اموی خلافت میں جنید محمد بن عمر بن قاسم اور داؤد مہلبی نے سندھ میں بہتر انداز سے حکومت کی۔مرکز میں خلافت امویہ کا تختہ پلٹ گیا اور عباسی حضرات کو اقتدار ملا لیکن سندھ کا حال جوں کا توں رہا۔

جب خلافت عباسیہ کمزور ہوگئی تو ہباری خاندان کی حکومت سندھ میں قائم ہوگئی۔ہباری خاندان نے برائے نام خلافت عباسی کی اطاعت گزاری کی درحقیقت وہ سندھ کے معاملے میں خودمختار تھے لیکن خلافت عباسیہ اپنی کمزوری سے اس برائے نام اطاعت پر بھی شکر گزار تھی۔خاندان ہباری کے بعد اسماعیلی شیعہ حضرات نے منصورہ اور ملتان کی حکومت کا باگ ڈور سنبھالا لیکن سلطان محمود غزنوی نے دونوں کا ہی خاتمہ کردیا۔اسماعیلی شیعوں کے ہی دوسرے گروہ سومروں نے غزنوی سلطنت کی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر اقتدار حاصل کیا اور ان کی یہ حکومت کئی صدیوں تک قائم رہی۔سومرہ عرب تھے لیکن یہاں کے ماحول میں رچ بس گئے تھے اور نام تک ہندوانہ اختیار کرلیا تھا۔ان کا اقتدار سندھ کے مختلف علاقوں میں طلوع اور غروب ہوتا رہا اور وہ کبھی ادھر نکلتے اور ادھر ڈوبتے رہے۔سومرہ خاندان سے سندھ اور ملتان اولاً شہاب الدین غوری نے چھینا پھر جب شہاب الدین غوری کے انتقال کے بعد مملوک خاندان میں حکومت کیلئے چپقلش شروع ہوئی تو سومرہ خاندان نے پھر سندھ کے علاقوں پر قبضہ کرلیا اس کے بعد ان کا معاملہ یہ رہا کہ دہلی سلطنت کے مضبوط ہونے کی صورت میں وہ دہلی کے اطاعت گزار ہوتے اور کمزور ہونے کی صورت میں خودمختار ہوجاتے۔ان کا یہ حال برابر قائم رہا یہاں تک کہ 1351 ہجری میں جنوبی سندھ کے ایک راجپوت قبیلہ نے ان کو شکست دے کر ان کی جگہ لے لی۔

سمہ قبیلہ سے ان کو ایسی شکست ملی کہ اس کے بعد وہ سیاسی طور پر کبھی طاقتور نہیں ہوسکے اور انہوں نے بھی سیاسی آویزش چھوڑ کر تجارت اور کاشتکاری کو اپنالیا لیکن مرکز سے جڑے رہنے کی جو عادت ان میں پڑ گئی تھی وہ تا حال باقی ہے۔

3.16 نمونے کے امتحانی سوالات

درج ذیل سوالات کے جواب تیس سطروں میں لکھیے۔

1. سندھ کی قدیم تاریخ اور اسلامی دور سے قبل کے حالات بیان کیجئے۔
2. سندھ پر حملہ کے اسباب اور محمد بن قاسم کی فتوحات اور روجوہات تحریر کیجئے
3. چچ کے راجہ بننے اور راجہ داہر کے اپنی بہن سے شادی کرنے کا پس منظر اور منظر بیان کیجئے۔

درج ذیل سوالات کے جواب پندرہ پندرہ سطروں میں لکھیے۔

1. اسماعیلی شیعوں کی حکومت کا قیام اور زوال لکھئے۔
2. ہباری خاندان اور سومرہ خاندان کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟
3. سندان میں قائم عرب حکومت کا زوال کیسے ہوا؟

3.17 مطالعہ کے لیے معاون کتابیں

1. فتح نامہ سندھ معروف بہ چچ نامہ بنی بخش خان بلوچ، مترجم اختر رضوی، مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ، پاکستان
2. تاریخ سندھ، جلد اول و دوم ۔ از مولانا سید ابوظفر ندوی، مطبوعہ دارالمصنفین شبلی اکیڈمی ۔ اتر پردیش
3. عرب و ہند کے تعلقات، از سید سلیمان ندوی، مطبوعہ دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اتر پردیش
4. آب کوثر، از شیخ محمد اکرام علی، مطبوعہ، ادبی دنیا دہلی،
5. محمد بن قاسم سے اورنگ زیب تک، از محمد سعید الحق، مطبوعہ اریب پبلکیشنز، دہلی
6. برصغیر ہند میں اشاعت اسلام کی تاریخ، از محمد مشتاق تجاوری، مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی

اکائی: 4 شمالی ہند میں مسلمانوں کی آمد

اکائی کے اجزاء

4.1 مقصد

4.2 تمہید

4.3 موجودہ ہندوستان کی چار خطوں میں تقسیم

4.4 شمالی ہندوستان سے کیا مراد ہے:

4.5 پنجاب

4.6 بنگال: نام اور سرحد

4.7 بہار

4.8 دہلی اور اتر پردیش

4.9 خلاصہ

4.10 نمونے امتحانی سوالات

4.11 مطالعہ کے لیے معاون کتابیں

4.1 مقصد

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد آپ واقف ہو جائیں گے کہ شمالی ہند میں مسلمان کب داخل ہوئے اور مسلمانوں کا اثر ونفوذ یہاں کیسے شروع ہوا۔ اسی کے ساتھ اس باب میں یہ بھی بتایا جائے گا کہ شمالی ہند میں اسلام کی نشر واشاعت کا کام فاتحین کی تلواروں سے نہیں بلکہ صوفیائے کرام کے نرم اور میٹھے بولوں سے ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ مسلم فاتحین سے نفرت کرتے ہیں لیکن صوفیائے کرام کے خلاف کوئی ہندو خواہ وہ کتنا ہی متعصب کیوں نہ ہوں، زبان نہیں کھولتا لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ صوفیائے کرام کی تبلیغ وتوسیع اسلام کی کوششوں کو مسلم فاتحین سے ایک گونہ مدد ضرور ملی۔

4.2 تمہید

اسلام ایک ابر کرم تھا جو ساری دنیا کو سیراب کرنے اور ہر خطے کو چمن زار بنانے آیا تھا، اس کا فیض جہاں چین وروما پر برسا، ایران وتوران کو اس نے اپنا حلقہ بگوش بنا اور ایشیا سے گزر کر افریقہ و یوروپ تک اپنا دست کرم دراز کیا وہیں اس کے کرم کی برسات گنگ وجمن کی زرخیز وادی پر بھی ہوئی اور یہاں بھی اسلام نے اپنے شاندار نقوش ثبت کئے جو یادگار زمانہ ہیں اور یادگار رہیں گے۔

رہے اس سے محروم خاکی نہ آبی

ہری ہوگئی ساری کھیتی خدا کی

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد پہلی صدی ہجری میں ہی ہوگئی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں مکران جو سندھ و ایران کا علاقہ ہے فتح ہوگیا تھا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ہی اسلامی لشکر کا سیل رواں ممبئی کے تھانے تک پہنچ چکا تھا۔اس کے بعد جب راجہ داہر نے فتنہ انگیزی کی تو اس کی سرکوبی کیلئے اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے عہد حکومت میں حجاج بن یوسف ثقفی نے اپنے داماد محمد بن قاسم کو سندھ کے راجہ کی گوشمالی کیلئے بھیجا۔محمد بن قاسم نے راجہ داہر اور اس کی فوج کو ہر معرکے میں شکست دی اور بالآخر وہ مارا گیا اور پھر محمد بن قاسم نے آگے بڑھ کر پنجاب کا علاقہ ملتان فتح کرلیا اور پھر دمشق میں اقتدار کی تبدیلی یعنی سلیمان بن عبدالملک کی خلافت کے ساتھ ہی ہند میں اسلامی فتوحات کا سیل رواں رک گیا اور تقریبا دو ڈھائی سو سالوں تک رکا رہا۔سندھ اور ملتان میں مختلف مسلم خاندان برسر اقتدار آئے لیکن وہ آگے نہیں بڑھ سکے بلکہ جتنا محمد بن قاسم فتح کر کے گیا تھا اسی کے دائرے میں محصور رہے اور پھر اسلامی فتوحات کا دور سلطان محمود غزنوی کے والد امیر سبکتگین کے دور سے شروع ہوتا ہے جنہوں نے پشاور اور کابل کو فتح کر کے شمالی ہند میں فتوحات کی بنیاد رکھی۔پھر اس کے لائق فرزند سلطان محمود غزنوی نے تو ہندوستان کو اپنے پے در پے حملوں سے دہلا دیا لیکن سلطان محمود غزنوی کا مقصد محض حملہ اور مال غنیمت ہوا کرتا تھا اس نے کبھی پائیدار سلطنت ہندوستان میں قائم کرنے کے بارے میں نہیں سوچا اتنا ضرور ہوا کہ اس نے اپنے حملوں سے ہندوستانی راجاؤں کی آپسی چپقلش اور کمزوری کو ظاہر کر دیا اور سلطان شہاب الدین غوری کیلئے راستہ ہموار کر دیا۔

سلطان شہاب الدین غوری نے دہلی میں اپنے گورنر قطب الدین ایبک کو قائم کر کے شمالی ہند میں اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی اور پھر یکے بعد دیگر مختلف خاندان دہلی کے تخت اقتدار پر جلوہ افروز ہوتے رہے اور اپنی فتوحات کا دائرہ وسیع کرتے رہے۔پہلے خاندان غلاماں آیا، پھر خلجی خاندان آیا، پھر تغلق خاندان آیا، پھر لودھی خاندان آیا پھر مغلیہ خاندان آیا اور مغلیہ خاندان کے دور حکومت میں ہی ایک قلیل عرصے کیلئے شیر شاہ شوری اور اس کی اولاد برسر اقتدار ہوئی، شیر شاہ شوری کا دور حکومت اگرچہ مختصر تھا لیکن اس کے حکومت کے بعض کارنامے پوری مغلیہ سلطنت پر بھاری پڑتے ہیں۔

4.3 موجودہ ہندوستان کی چار خطوں میں تقسیم

موجودہ ہندوستان کی اگر خطوں کے اعتبار سے تقسیم کی جائے تو وہ چار خطوں مین بٹا ہوا ہے۔جنوبی ہندوستان، شمالی ہندوستان مغربی ہندوستان، مشرقی ہندوستان ،ہر خطہ کی اپنی الگ اہمیت ہے اس کے باوجود شمالی ہندوستان کو ایک علاحدہ امتیاز حاصل ہے۔کیونکہ مسلم دور حکومت سے مراد شمالی ہندوستان ہی عموما ہوتا ہے اور دہلی کے شمالی ہندوستان میں ہونے کی وجہ سے بیشتر عسکری تگ و تاز یہیں ہوئی، مسلم علم وفن، تہذیب وثقافت کا زیادہ تر ظہور یہیں ہوا۔

4.4 شمالی ہندوستان سے کیا مراد ہے:

شمالی ہندوستان سے مراد ہندوستان کا وہ خطہ ہے جو دہلی سے قریب ہے یعنی پنجاب ،اتر پردیش ، بہار ، بنگال اور آسام ،اس میں سے بھی زیادہ تر مسلم فاتحین کی تگ و تاز پنجاب اور اتر پردیش اور بنگال میں رہی ہے ۔ بہار کو بھی اگر چہ مسلم فاتحین نے ابتدائی دور میں ہی فتح کرلیا تھا لیکن بنگالہ پر جس قدر مسلم فاتحین نے یورش کی ،اس قدر بہار پر یورش نہیں ہوئی اور آسام تو مسلم فاتحین کے دست رس سے اور بھی زیادہ دور تھا لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ آسام پر مسلم فاتحین نے شہاب الدین غوری کے دور حکومت میں ہی یورش کی تھی اور کامروپ کو فتح کر کے وہ تبت پر چڑھائی کا ارادہ رکھتے تھے ۔

4.5 پنجاب

اس نام کا اطلاق برصغیر پاک و ہند کے اس علاقے پر ہوتا ہے جو دریائے ستلج ، بیاس ، راوی ، چناب ، جہلم اور سندھ کے درمیان واقع ہے ۔اس کی حدود مختلف زمانوں میں مختلف رہی ہیں ۔آج کل اس کا مغربی حصہ پاکستان کے موجودہ صوبہ پنجاب پر مشتمل ہے ۔اور مشرقی حصہ بھارت کے تین صوبوں ہماچل پردیش ،صوبہ پنجاب اور صوبہ ہریانہ میں منقسم ہو چکا ہے ۔مختلف زمانوں میں اس کی حدود مختلف رہی ہیں ، پنجاب کی وجہ تسمیہ کیا ہے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں ، مفتی سرور نے مخزن پنجاب میں لکھا ہے کہ پہلے اس کا نام پنج دوآب تھا ،بعد میں دو کا لفظ زبان سے حذف ہو گیا اور پنجاب کہنے کی وجہ یہ ہوئی کہ اس کی حدود میں پنجاب دریا بہتے ہیں ۔

4.5.1 پنجاب میں مسلم فاتحین کی آمد

پنجاب میں مسلمانوں کی آمد آٹھویں صدی کے اوائل میں ہی محمد بن قاسم کی فوج کشی کے وقت سے ہی ہو گئی تھی اور ملتان کو محمد بن قاسم نے فتح کرلیا تھا لیکن عربوں کی فتوحات مشرق میں ملتان اور شمال میں بیج ندی سے آگے نہیں بڑھیں ، پنجاب میں مسلمانوں کا داخلہ صحیح معنوں میں غزنویوں کے زمانے میں ہوا ، ان دنوں ملتان میں قریشی امیروں کی ریاست قائم تھی جو جو مذہبا باطنی تھے ۔

1001 ء میں محمود غزنوی نے پشاور میں جے پال کو شکست دے کر دریائے جہلم کے کنارے نندنہ کے مضبوط پہاڑی قلعے پر قبضہ کرلیا اور یوں پنجاب کی پہلی گھاٹی اس معرکے میں سر ہو گئی ۔اس کے بعد محمود غزنوی کی فتوحات کبھی جنوب اور کبھی مشرق کی طرف بڑھتی گئیں ۔ان میں سومنات ،نگر کوٹ ،اور قنوج کی کشور کشائیوں کو اہمیت حاصل ہے ۔سنہ 413 ہجری مطابق 1022 ء میں سلطان محمود نے پنجاب کا الحاق کرلیا اور لوہور یا لہاور میں ایاز کو اپنا نمائندہ (صوبہ دار) مقرر کیا ۔اس کے بعد غزنوی حکومت کا دائرہ وسیع تر ہوتا گیا اور جالندھر ، جہلم ، ملتان اور سندھ وغیرہ غزنی سلطنت کے مختلف اضلاع قرار پائے ، پھر کشور کشائی کا یہ سلسلہ تھانیسر ، میرٹھ اور بنارس تک جا پہنچا ۔

اس دور میں پنجاب میں وارد ہونے والوں میں البیرونی کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے ۔علاوہ ازیں فرخی اور عنصری نے اپنے قصائد میں محمود غزنوی کی فتوحات ہند پر روشنی ڈالی ہے ۔خیال کیا جاتا ہے کہ مسعود سعد سلمان نے اس زمانے میں جو تین دیوان مرتب کئے ان میں ایک فارسی آمیز ہندی میں تھا جسے اردو کا نقش اول سمجھا جا سکتا ہے ۔

582 ہجری مطابق 1186 میں شہاب الدین محمد غوری نے لاہور فتح کیا اور پنجاب کی حکومت غزنویوں کے ہاتھ سے نکل کر غوریوں کے قبضے میں آ گئی۔ ایبک کی تخت نشینی کے بعد اسلامی سلطنت کا مرکز دہلی منتقل ہوگیا لیکن پنجاب اور سرحد کو اپنے حریفوں کی دست برد سے بچانے کیلئے سلطان کا قیام زیادہ تر لاہور میں ہی رہا اور یہیں اس نے 607 ہجری مطابق 1210 میں شہادت پائی۔

خاندان غلاماں اور خلجیوں کے عہد میں سیاسی حالات کے تحت پنجاب کو بڑی سیاسی اہمیت ملی، اس کی ایک وجہ شمال سے مغول کے پے در پے حملے بھی تھے، جن کا مقابلہ کرنے کیلئے ان سلاطین کو لاہور، دیپال پور اور ملتان وغیرہ میں فوجی استحکام کے خاصے اقدامات کرنے پڑے تھے۔ ان حملوں میں لاہور اور ملتان مغول کی خاص زد میں رہے اور لاہور کو کئی بار سخت بربادی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس لئے التمش نے اپنے فرزند رکن الدین فیروز شاہ کو اور ناصر الدین محمود نے شیر خان کو لاہور کا اور بلبن نے اپنے شہزادے سلطان محمد شہید کو اور جلال الدین خلجی نے اپنے ولی عہد ارکلی خان کو لاہور اور ملتان کا صوبے دار بنایا۔

سلطنت دہلی کے اس دور میں پنجاب سے متعلق کئی مقتدر اشخاص، مشائخ اور مشاہیر اہل علم کے نام ملتے ہیں، مثلاً ملک عین الدین علیشہ کوہ جودی، قاضی رکن الدین اور مولانا ضیا الدین، لاہور سے مولانا علا الدین قصور سے مولانا سراج الدین اور مشائخین عظام میں شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی اور شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

اکبر کی تخت نشینی کے وقت پنجاب سیاسی اعتبار سے دو حصوں میں منقسم تھا، ایک حصہ براہ راست مغلوں کی عملداری میں تھا لیکن یہاں کی صورت حال اطمینان بخش نہ تھی۔ دوسرا حصہ زیادہ شمالی جانب تھا جو خود مختار کوہستانی راجاؤں اور سرداروں کی چھوٹی بڑی ریاستوں میں منقسم تھا۔ ان میں کانگڑہ، جموں، کشمیر، مظفر آباد، راجوری، پونچھ، بھمبر اور کوٹلی وغیرہ قابل ذکر ہیں، اکبر کے زمانے میں یہ علاقہ پوری طرح مغلیہ حکومت کے زیر نگیں آ گیا۔ اس عہد میں پنجاب کے مختلف حصے دہلی، لاہور ملتان اور کابل کے صوبوں میں شامل تھے۔ اس خاندان کے شہنشاہ اکثر لاہور میں طویل عرصہ تک قیام کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے عہد میں دہلی کی طرح لاہور بھی ایک علمی اور ثقافتی مرکز بنا رہا۔ دور مغلیہ کے دوسرے حصے میں بالخصوص یہاں علوم و فنون کو بڑی ترقی ہوئی۔

4.5.2 پنجاب میں اشاعت اسلام میں صوفیا کرام کا کردار

برصغیر پاک و ہند میں اشاعتِ اسلام کا سہرا صوفیہ کرام کے سر ہے جن کی مساعی جمیلہ سے دیار ہند میں ہر سو صدائے لا الہ الا اللہ گونجنے لگی، اس خطہ ارض میں قدم رنجہ فرمانے والے صوفیہ عظام نے اپنے اعلیٰ کردار کے ذریعے یہاں کے باسیوں کے دل موہ لیے اور وہ جوق در جوق دولتِ اسلام سے بہرہ ور ہونے لگے۔ یہ انہی بزرگانِ دین کے قدوم میمنت لزوم کا اثر ہے کہ آج یہاں کروڑوں مسلمان موجود ہیں۔ پروفیسر ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ (T.W.Arnold) نے اپنی کتاب "The Preaching of Islam" میں لکھا ہے:

Among the ..... millions of Indian Musalmans there are vast numbers of converts or descendants of converts, in whose conversion force played no part and the only influences at work were the teaching and persuasian of peaceful missionaries.

ترجمہ: ہندوستان میں آباد لاکھوں مسلمانوں میں سے اکثر ایسے نومسلم یا نومسلموں کی نسل سے ہیں جن پر مسلمان ہونے کے لیے کسی طرح کا جبر یا تشدد نہیں ہوا بلکہ پرامن دعاۃ اسلام کی تعلیم وہدایت سے انہوں نے بخوشی اسلام قبول کیا۔

سلطان محمود غزنوی نے یوں تو عسکری طور پر لاہور کو فتح کیا تھا لیکن لاہور کو اسلامی رنگ میں رنگنے کا کام صوفیا کرام نے انجام دیا سب سے قبل جن بزرگ نے لاہور میں اشاعت اسلام کا کام انجام دیا وہ شیخ اسماعیل بخاری ہیں۔ وہ اس زمانے میں جب کہ لاہور باقاعدہ طور پر محمود غزنوی کی سلطنت میں شامل نہیں تھا بلکہ وہاں کا راجہ سلطان محمود غزنوی کو خراج دیتا تھا۔ شیخ اسماعیل بخاری لاہور میں آئے۔ وہ علوم ظاہری اور باطنی دونوں میں کمال رکھتے تھے۔ وہ یہاں آکر وعظ وتبلیغ کرنے لگے۔ ان کی مجلس میں ہزاروں افراد شریک ہوتے تھے اور ہر روز صدہا لوگ اسلام قبول کرتے تھے۔ تذکرہ علمائے ہند میں ان کی بابت لکھا ہے وہ گراں قدر محدث اور مفسر تھے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم حدیث اور تفسیر سے لاہور کو منور کیا، ہزاروں لوگ ان کے وعظ میں شریک ہوتے تھے اور ان کا وعظ سن کر اسلام قبول کرتے تھے۔ خزینۃ الاصفیا کے مولف لکھتے ہیں کہ جب شیخ اسماعیل لاہور تشریف لائے اور جمعہ میں وعظ کہا تو ایک ہزار افراد مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

دوسرے بزرگ جنہوں نے لاہور کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز کیا وہ شیخ علی بن عثمان ہجویری معروف حضرت داتا گنج بخش لاہوری ہیں۔ مختلف اسلامی ممالک کا سفر کیا اور وہاں کے علما و مشائخ سے کسب فیض کیا اور سلطان مسعود بن محمود غزنوی کے اخیر عہد حکومت میں لاہور آئے اور یہاں آکر تصنیف وتالیف اور تبلیغ اسلام کا کام شروع کیا، کئی لوگ آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے جس میں خاص طور پر قابل ذکر لاہور کا رائے راجو ہے۔ مسلمان ہونے کے بعد آپ نے اس کا نام شیخ ہندی رکھا۔ آپ نے تصوف میں متعدد کتابیں لکھیں جس میں سے کشف المحجوب بطور خاص مشہور ہے۔ یہ کتاب اس وقت لکھی گئی ہے جب ابن عربی کی فصوص اور شیخ شہاب الدین سہروردی کی عوارف المعارف ابھی نہیں لکھی گئی تھی اس لئے اس کی خاص اہمیت ہے اس کے علاوہ اپنی دل آویز زبان کی وجہ سے فارسی ادب میں بھی اس کی خاص اہمیت ہے۔

ان کے علاوہ دیگر بزرگوں میں سید احمد المعروف سلطان سخی سرور یا لکھ داتا ہیں آپ ملتان میں پیدا ہوئے اور زبان زد خلق روایت کی بنیاد پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور شیخ شہاب الدین سہروردی سے کسب فیض کیا اور پھر موضع سودھرہ) پنجاب (میں اقامت اختیار کی اور خلقت آپ پر پروانے کی طرح ٹوٹ پڑی، غیر مسلم بطور خاص آپ سے عقیدت رکھتے ہیں بلکہ غیر مسلموں کی اس علاقے میں ایک نئی قوم بستی ہے جسے سلطانی کہتے ہیں اور وہ کئی باتوں میں مسلمانوں سے مشابہ ہیں اور ان کا سب سے بڑا تہوار سلطان سخی سرور کے مزار کی زیارت ہے۔

ان کے علاوہ دیگر مشائخ میں سید احمد تو ختہ ترمذی ہیں آپ ترمذ سے لاہور تشریف لائے اور ہزاروں مخلوق خدا کو فیض پہنچایا۔ ان کے علاوہ سید یعقوب صدر دیوان زنجانی ہیں، آپ ترکستان سے لاہور آئے۔

4.5.3 حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ اور اشاعت اسلام

شیخ فریدین الدین گنج شکر کے آبا واجداد چنگیزی حملے کے دوران کابل سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے اور ملتان کے کھوتوال میں

ان کے دادا قاضی مقرر ہوئے ۔یہیں شیخ فریدالدین جن کا اصل نام مسعود تھا، پیدا ہوئے ،کھوتوال میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ ملتان تشریف لے گئے اور حصول تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔یہاں اٹھارہ برس کی عمر میں خواجہ قطب الدین سے ملاقات ہوئی۔ان کے ساتھ آپ دہلی کی طرف چلے ۔خواجہ قطب الدین بختیار کا کی نے ان کو نصیحت کی کہ وہ پہلے علوم ظاہری کی تکمیل کرلیں اور پھر ان کے پاس دہلی آئیں ۔پانچ سال تکمیل تعلیم کیلئے قندھار میں گزارے اور پھر دہلی آئے تھوڑے ہی دنوں میں شیخ قطب الدین نے آپ کو نعمت ہائے روحانی سے مالامال کردیا۔جب آپ نے دیکھا کہ دہلی میں لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے یکسوئی نہیں ہوتی تو مرشد کی اجازت سے ہانسی چلے گئے،آپ کے روحانی استعداد سے خواجہ معین الدین اجمیری بھی متاثر تھے،سیر العارفین میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے مرید خواجہ بختیار کا کی سے کہا:بابا بختیار،شہباز عظیم بقید آوردہ کہ جز بہ سدرالمنتہی آشیاں نگیرد،این فرید شمعیست کہ خانوادہ درویشان منور سازد،چنانچہ ایسا ہی ہوا۔خواجہ بختیار کا کی کی وفات کے بعد آپ پاک پٹن چلے گئے ،وہاں آپ جنگل میں رہتے، پھٹے پرانے کپڑے پہنتے ،پیلو اور جنگل کے پھل پھول پر گزارہ کرتے بلکہ زیادہ تر روزہ سے رہتے ۔جہاں آپ رہتے وہ جگہ وحوش وحشرات الارض کا مسکن تھا فوادالفواد میں متعدد مقامات پر سانپ سے مختلف درویشوں کے ڈسے جانے کا ذکر ملتا ہے،خود وہاں کے لوگوں کی نسبت بھی لکھا ہے کہ وہ زیادہ تر کج طبع اور درشت مزاج اور بداعتقاد تھے۔آہستہ آہستہ آپ کی عبادت وریاضت کی شہرت عام شروع ہوئی اور پھر تو لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ آنے لگے حتی کہ شاہان وقت بھی آپ سے ملاقات کے متمنی رہنے لگے۔

آپ کی حیثیت سلسلہ چشتیہ میں موسس ثانی کی ہے کیونکہ آپ کے خلفا میں بڑے نامی گرامی حضرات شامل ہیں جیسے حضرت خواجہ نظام الدین اولیا جو محبوب الٰہی اور سلطان الاولیا کے نام سے معروف ہیں اسی طرح حضرت علاالدین صابر کلیری ہیں۔

بیعت وارشاد کے ساتھ ہی آپ کی توجہ اشاعت اسلام کی بھی جانب تھی چنانچہ راجپوتوں کی کئی برادریاں آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئیں،اس سلسلے میں ضلع ملتان اور ضلع منٹگمری کے گزیٹر میں درج ہے کہ اشاعت اسلام میں جتنی کامیابی آپ کو ہوئی ہے ۔حضرت خواجہ بختیار کا کی کو شاید ہی ہوئی ہو۔مغربی پنجاب کے کئی بڑے بڑے قبیلے آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے ۔مثلاً سیال ،راجپوت ،وغیرہ۔شیخ فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ کے ایک سوانح نگار نے لکھا ہے کہ ان کے دست حق پرست پر 16 قوموں (برادریوں) نے اسلام قبول کیا۔

4.5.4 حضرت شیخ بہاالدین زکریا ملتانی اور اشاعت اسلام

شیخ بہاالدین زکریا سہروردی ہندوستان میں سہروردیہ سلسلے کے موسس اعلی ہیں ۔شیخ بہاالدین ملتان میں پیدا ہوئے ۔آپ بارہ برس کے تھے کہ والد کا انتقال ہوا،اس کے بعد آپ خراسان چلے گئے اور سات برس تک علوم ظاہری وباطنی کی تحمیل کی ،پھر بخارا میں یہ سلسلہ جاری رہا،اس کے بعد حج کیلئے تشریف لے گئے اور مدینہ منورہ میں پانچ سال تک روضہ نبویؐ کی مجاوری کی اور شیخ کمال الدین محمد یمنی سے علم حدیث کی سند لی ۔پھر بغداد گئے اور شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے مرید ہوئے ۔خلعت خلافت سے سرفراز کرنے کے بعد بالغ نظر مرشد نے آپ سے کہا کہ اب آپ ملتان جائیں اور وہاں اقامت اختیار کرکے وہاں کے لوگوں کو مقصود تک پہنچائیں ۔چنانچہ آپ ملتان آئے اور جلد ہی وہاں آپکو بڑا اعتبار اور وقار حاصل ہوگیا۔آپ کے درگاہ کے خادمان نے ایک کتاب انوارغوثیہ کے نام سے شائع کی ہے جس میں خاندانی اور سینہ بہ سینہ روایات بھی جمع کی گئی ہیں۔

حضرت بہاالدین زکریا کے مریدین کا حلقہ بہت وسیع تھا۔آپ کے خلفا نے سلسلہ سہروردیہ کی ترویج کے ساتھ ساتھ اشاعتِ اسلام کا فریضہ بطریقِ احسن سرانجام دیا۔آپ نے حضرت سید جلال الدین سرخ بخاری کو خرقہ خلافت عطا فرما کر روحانی علوم کی دولت سے مالا مال کر دیا۔وہ تیس برس تک آپ کی خدمت میں رہے پھر حضرت صدرالدین عارف (فرزندِ اکبر و سجادہ نشین درگاہ زکریا) کے حکم پر اوچ تشریف لے گئے۔ان دنوں اوچ کے گردونواح میں ہندوؤں کا تسلط تھا۔سید جلال الدین نے پوری خود اعتمادی کے ساتھ دینِ اسلام کی تبلیغ کی اور کفار کو راہِ راست پر لانے کی ذمہ داری قبول کی اور اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی۔

محمد دین کلیم مورخ لاہور نے لکھا ہے کہ:

حضرت بہاوالدین ملتانی علیہ الرحمہ مختلف ممالک اور شہروں کی سیر و سیاحت کے بعد ملتان تشریف لائے، یہاں آ کر آپ نے سلسلہ عالیہ سہروردیہ کا ایک بڑا زبردست مرکز قائم کیا جس کا کام مبلغ پیدا کرنا تھا۔انہوں نے آپ کے تبلیغی دوروں کے حوالے سے یہ بتایا کہ عام طور پر گرمی کا موسم کشمیر، بلخ، بخارا، دمشق، نیشاپور اور افغانستان کی طرف گزرتا اور سردی کے ایام راجپوتانہ، سندھ اور پنجاب کے میدانی علاقہ میں وعظ و تبلیغ پر جاتے۔ساون بھادوں کے مہینوں میں دیبل، ملہیر اور سہوان کی طرف نکل جاتے۔

غیر مسلموں کا اعترافِ عظمت

حضرت بہاوالدین زکریا ملتانی قدس سرہ العزیز کی تبلیغی مساعی اور سلسلہ عالیہ سہروردیہ کی ترویج کے لیے خدمات کا اعتراف غیر مسلم قلمکاروں نے بھی کیا۔ان کا ذکر متعدد مستشرقین کی کتب میں ملتا ہے۔یہاں بطور نمونہ بعض غیر مسلم مصنفین کی کتب سے حضرت شیخ الاسلام سے متعلق اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔

سر تھامس آرنلڈ (Sir Thomas W. Arnold) سابق پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور اپنی تصنیف ''دعوتِ اسلام'' میں رقم طراز ہیں:

پنجاب کے مغربی صوبوں کے باشندوں نے بہاوالحق ملتانی (جو شیخ بہاوالدین زکریا کے نام سے بھی معروف ہیں) اور بابا فرید پاک پتن کی تعلیم و تلقین سے اسلام قبول کیا۔یہ دونوں بزرگ تیرہویں صدی کے قریب خاتمہ اور چودھویں صدی عیسوی کے شروع میں گزرے ہیں۔

معروف مستشرق اے۔جے۔آربری (A.J.Arbery) اپنی کتاب تصوف "Sufism" میں حضرت زکریا ملتانی علیہ الرحمہ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

شیخ شہاب الدین (سہروردی) نے بہت سی چھوٹی بڑی کتابیں لکھی ہیں جن میں سب سے معروف اور اثر انگیز ''عوارف المعارف'' ہے جو اس سلسلے بنیادی درسی کتاب بن گئی ہے۔ان کی تعلیمات ہندوستان میں بہاوالدین زکریا ملتانی کے ذریعے پہنچیں۔اس لیے فوری قبولیت پائی۔

ایل بی ون جونز (Bevan L. Jones) جو بپٹسٹ مشنری سوسائٹی سے تعلق رکھتے تھے، سلسلہ سہروردیہ کا تعارف کرواتے ہوئے شیخ بہاوالدین زکریا علیہ الرحمہ کا یوں ذکر کرتے ہیں۔

ترجمہ:اس سلسلے کی بنیا دضیاءالدین ابونجیب سہروردی نے رکھی جن کا 1167ء میں انتقال ہوا۔ہندوستان میں اسے ملتان کے شیخ بہاو الدین زکریا نے متعارف کرایا جو بانی سلسلہ کے جانشین شیخ شہاب الدین کے مرید تھے۔بہاءالدین نے 1266ء میں وفات پائی۔ملتان میں ان کے مزار کا بہت احترام کیا جاتا ہے۔ان کی روحانی اولاد نے اسلام کی اشاعت کا کام مستعدی اور کامیابی سے سرانجام دیا۔

معلومات کی جانچ

1. پنجاب میں اسلامی دور حکومت کی تاریخ بیان کیجئے
2. شیخ بہاءالدین زکریا اور شیخ فریدالدین گنج شکر کی پنجاب میں تبلیغی مساعی کا کیا اثر ہوا؟

4.6 بنگال:نام اور سرحد

بنگال یا بنگالہ کا نام بنگا یا ونگا سے نکلا ہے۔ یہ ایک غیر آریائی قوم تھی جس کا ذکر سنسکرت کی قدیم رزمیہ کتابوں اور دھرم شاستروں نیز بودھی ادب (میلندا پنہو) میں ملتا ہے۔آئین اکبری اور توزک جہانگیری میں بنگال کی تقریباً وہی حدود ملتی ہیں جو برطانوی ہند کے صوبہ بنگال کی تھیں یعنی شمال میں ہمالیہ کی ترائی سے خلیج بنگال تک اور مغربی میں راج محل کی پہاڑیوں سے مشرق میں گارو،کھاسی اور چاٹگاؤں تک۔اس کی طبعی سرحد نے اسے تبت،چین اور برما سے علاحدہ کیا ہے۔

لفظ بنگالہ پہلے پہل بلبن کے زمانے میں استعمال ہوا،جسے ضیاءالدین برنی نے "فاتح اقلیم لکھنوتی وعرصہ بنگالہ" لکھا ہے۔بنگال کے یہ دو مختلف حصے (لکھنوتی اور بنگالہ) سلطان الیاس شاہ کے عہد میں متحد ہوئے اور دونوں حصوں کا نام بنگالہ ہوا،چنانچہ سلطان الیاس شاہ نے شاہ بنگالہ (یا شاہ بنگالیاں) کا لقب اختیار کیا،اس زمانے سے بنگالہ سے وہ وسیع جغرافیائی خطہ مراد لیا جانے لگا جو تلیا گڑھی سے چاٹگاؤں تک ہمالیہ کی ترائی سے خلیج بنگال تک پھیلا ہوا ہے اور یہاں کے لوگ فارسی ادب اور چینی اور ترکی کی کتابوں میں بنگالی کے نام سے موسوم ہوئے۔

4.6.1 اسلامی دور:

1199 عیسوی میں قطب الدین ایبک کے ترک سپہ سالار اختیارالدین محمد بن بختیار خلجی نے جنوبی بہار میں مسلم سلطنت کی توسیع کرنے کے بعد بنگالہ کی طرف کوچ کیا اور اپنی فوج کو پیچھے چھوڑ کر صرف 1800 سواروں کے ساتھ 1201 عیسوی میں سین راجہ کے دارالحکومت ندیا میں داخل ہوا۔لکشمن سین کو جب خبر ملی تو وہ کھانا چھوڑ کر محل کے پچھلے دروازے سے بھاگ گیا اور ندیا پر بغیر جنگ وجدال کے مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا اور جلد ہی وریندرا اور گور بھی مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔اس کی قائم کردہ حکومت لکھنوتی کی وسعت شمال میں پورنیا سے دیوکوٹ اور رنگپور تک،مشرق میں ٹیسٹا اور کروٹیا تک،جنوب میں گنگا تک اور مغرب میں کوسی سے راج محل کی پہاڑیوں تک تھی۔ونڈھیا چل سے راج محل کی پہاڑیوں تک جنوبی بہار اور گنڈک کے دھانے سے کوسی تک کے علاقے بھی لکھنوتی میں شامل کر لیے گئے۔یہ چھوٹی سی سلطنت بعد میں کوڑ کی ایک بڑی خودمختار حکومت بنی۔کچھ عرصے بعد محمد بن بختیار خلجی دس ہزار فوج لے کر تبت پر حملہ کرنے کیلئے روانہ ہوا لیکن پہاڑی راستوں کی دشواری اور نیم وحشی قبائل کی لڑائیوں نے فوج کو بددل کر دیا اور وہ مراجعت پر مجبور ہوگیا جب وہ اپنی حدود میں پہنچا تو تین چوتھائی فوج ضائع

ہوچکی تھی ۔فوج کے جانی نقصان کا اسے سخت صدمہ ہوا اور اسی صدمہ میں لکھنوتی کے راستے ہی میں دیوکوٹ کے مقام پر 1205 عیسوی میں فوت ہوگیا ۔بختیار خلجی فوج کے ضیاع اور اپنی ناکامی پر بار بار یہ کہتا تھا کہ خدانخواستہ کہیں شہاب الدین غوری کا انتقال تو نہیں ہوگیا جس کی وجہ سے ہم جو اس کی برکت سے ہمیشہ فتح مند ہوتے تھے ناکام ہوگئے ،او رواقعہ ایسا ہی تھا کہ انہی ایام میں سلطان شہاب الدین غوری کا انتقال ہوا تھا ۔

1211 عیسوی میں حسام الدین خلجی سلطان غیاث الدین کے لقب سے بادشاہ بن گیا ۔اس کے زمانے میں بنگال نے بڑی ترقی کی ۔حدود سلطنت میں توسیع ہوئی ۔اڑیسہ ،کامروپ اور وکرم پور کے راجا خراج دینے لگے اور دارالحکومت دیوکوٹ سے گور (لکھنوتی) میں منتقل ہوگیا ۔1219 عیسوی میں اس نے جہازوں کا ایک بڑا بیڑا بنایا ،1225 عیسوی میں سلطان التمش بہار و بنگال پر حملہ آور ہوا تو اس نے سلطان کی اطاعت قبول کر لی ۔

سلطان بلبن (عہد حکومت 1265ء تا 1286ء) میں اس کے غلام صوبیدار نے بلبن کی موت کی افواہ اڑنے کے بعد خود مختاری کا اعلان کر دیا ۔بلبن نے اس کی سرکوبی کی اور اس صوبے کی گورنری اپنے بیٹے بغرا خان کے سپرد کر دی ۔1287ء میں خاندان غلامان کے ہاتھ سے دہلی کی سلطنت جاتی رہی اور 1290 میں خلجیوں اور پھر 1320ء میں تغلقوں کا اس پر قبضہ ہوا تاہم بنگال میں بلبنی خاندان بدستور حاکم رہا اور سلاطین دہلی نے بھی ان پر کسی طرح کا جبر کرنا پسند نہیں کیا ۔

آزاد مسلمان بادشاہوں کے زمانے میں بنگال نے بڑی آسودگی پائی ، ملک کے گوشے گوشے میں سرکاری عمارات ، قلعے ، مسجدیں ، مدرسے ، اقامت خانے ، سرائیں اور خانقاہیں تعمیر ہوئیں ، تالاب کھودے گئے اور سڑکیں تیار ہوئیں ، اس عہد میں دو شاہی خاندان حکمراں رہے ۔ایک حاجی الیاس کا اور دوسرا اعلاء الدین حسین کا ۔

بنگال کو مسلم حکمرانوں نے اتنا وسیع کر دیا کہ مغربی آسام (کامروپ) کوچ بہار اور جاج نگر (اڑیسہ) کے اقطاع اور شمالی وجنوبی بہار کا علاقہ پٹنہ تک ان کے زیر حکومت رہا ۔اسی دور میں مسلم فوجوں نے دریائے میگھنا کو عبور کیا جو پہلے ان کی پیش قدمی میں سد سکندری بنتا رہا تھا اور سلہٹ ،مغربی پٹرہ اور نواکھلی (بشمول چاٹگاؤں) تک مسلط ہوگیں ۔۔اس مملکت کے مرکزی شہر تین تھے ۔غوریا گور جو قدیم لکھنوتی کا نیا نام تھا اور وسط بنگال (موجودہ ضلع مالدہ میں گنگا کے کنارے واقع) اور چند وقفوں کے ساتھ بہت عرصہ تک پایہ تخت رہا ۔

1342ء میں حاجی (ملک) الیاس مغربی بنگال کے حاکم علی مبارک کو قتل کر کے تخت پر قابض ہوا اور سلطان شمس الدین کا لقب اختیار کیا ۔اس نے مغرب میں اپنی سلطنت ترہٹ سے آگے چمپارن ،گورکھپور اور بہرائچ تک بڑھالی ۔دوسری جانب اس نے اپنی سلطنت کو بڑھاتے بڑھاتے کامروپ ،ناگرا ،اور رورندا (راج شاہی اور دیناپور کے اضلاع) تک بڑھالی ۔

1442 سے 1459 تک ناصرالدین محمود شاہ نے بھاگلپور ،سات گاؤں ،باگرہاٹ ،فرید پور اور نصرت آباد سے اپنے سکے جاری کر دیئے ۔اس کے لڑکے رکن الدین بارک شاہ نے اڑیسہ کے راجا سے جنگ کی اور قلعہ مندارن پر دوبارہ قبضہ کیا ،اس کے فوجی افسر اسماعیل نے کامروپ کے راجا کو ماہی سنتوش (ضلع دیناجپور) کے قریب شکست دے کر اپنی سرحد دریائے کروتیا تک بڑھالی ،ہاربک اور اراکان کے راجا کے درمیان چاٹگاؤں کیلئے بھی جنگ ہوتی رہی ۔جیسور اور کھلنا کا علاقہ جنوب میں فتح کیا گیا ۔اس کے بعد بھی بنگال میں یکے بعد دیگر افراد اور خاندان برسر اقتدار آتے رہے اور جاتے رہے ۔

اس مختصر تفصیل سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ موجودہ دور سے 600 سو سال قبل ہی مسلمانان ہند بنگال کے بیشتر مواضع میں پہنچ چکے تھے۔لیکن یہ فاتحانہ پیش قدمی تھی سپاہیوں سے قلعے فتح کئے جاتے ہیں لیکن سپاہیوں کی چاہے جتنی بھی زیادہ ہو وہ عوام کے مقابل میں کم ہوتی ہے،ضرورت اس بات کی تھی کہ عوام کو اسلام کے حلقہ بگوش کیا جائے اور یہ کام علماء اور صوفیاء حضرات کا تھا اور صوفیاء حضرات نے اس کام کو بخوبی انجام دیا،اب ہم ذیل میں حضرات صوفیاء کی بنگال میں تبلیغ وتوسیع اسلام کیلئے کاوشوں اور جانکاہیوں پر مختصر روشنی ڈالیں گے۔

4.6.2 بنگال میں تبلیغ وتوسیع اسلام میں صوفیاء کرام کی کاوشیں:

سب سے پہلی جو بزرگ شمالی ہند کے راستے بنگال تشریف لے گئے،شیخ جلال الدین تبریزی تھے۔آپ ایرانی نسل سے تھے،پہلے پہل شیخ ابوسعید تبریز کے مرید ہوئے اور ان کی وفات کے بعد شیخ شہاب الدین سہروردی سے کسب فیض کیا۔شیخ جلال الدین گھومتے گھومتے دہلی تشریف لائے،یہاں ان کی خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے اچھی دوستی ہوگئی۔

سیر العارفین میں لکھا ہے کہ جب آپ بنگالہ پہنچے تو وہاں مخلوق خدا پروانہ وار آپ کے گرد نثار ہونے لگی وہاں آپ انہوں نے آپ کیلئے ایک خانقاہ تعمیر کی اور کئی باغ اور بہت سی زمین خرید کر لنگر کیلئے وقف کی۔اس جگہ کو بندر دیوگل کہتے ہیں،یہاں ایک بڑا تالاب تھا جس کے قریب ایک ہندو راجہ نے زر کثیر صرف کر کے ایک بت خانہ تعمیر کیا تھا۔آپ نے اس جگہ بہت سے غیر مسلموں کو مسلمان کیا اور بت خانے کو اپنی جائے قیام بنایا،اب آپ کا مزار اسی جگہ ہے اور اس مندر کی نصف آمدنی آپ کے لنگر کیلئے وقف ہے۔

ڈاکٹر انعام الحق کا خیال ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزی بنگالے میں 1195ء اور 1200ء کے درمیان کسی ایسے وقت میں پہنچے جب وہاں لکشمن سین کا راج تھا اور مسلمانوں نے ابھی بنگالہ کو فتح نہیں کیا تھا۔بنگالہ میں تبلیغ اسلام کی وجہ آپ کی یہ کرامت بنی کہ شیخ جلال الدین جب دیوہ محل آئے تو ایک کمہار یا مالن کے یہاں قیام کیا،دیکھا کہ اس کے گھر میں آہ وشیون کا طوفان برپا ہے،پوچھا تو پتا چلا کہ اس کے شہر میں ایک رسم یہ تھی کہ راجا کے حکم کے مطابق ہر روز ایک نوجوان دیو کے سامنے بھیجا جاتا تھا اور وہ اسے کھالیتا تھا۔اس روز شیخ کے میزبان کے بیٹے کی باری تھی،شیخ نے کہا کہ اپنے بیٹے کو نہ بھیجو مجھے بھیجو،لیکن وہ نہ مانا کہ اگر دیو نے تمہیں قبول نہیں کیا تو راجا مجھے قتل کرادے گا۔چنانچہ اس نے اپنے بیٹے کو نہلایا،دھلایا،نئے کپڑے پہنائے اور اسے بت خانے میں لے گیا،شیخ بھی ساتھ تھے،بت خانے میں پہنچ کر شیخ نے نوجوان کو تو رخصت کر دیا اور خود دیو کا انتظار کرنے لگے،جب دیو اپنے معمول کے مطابق ظاہر ہوا تو شیخ نے اسے اپنے عصا کی ضرب سے ہلاک کر دیا،صبح کو راجا اپنے لشکریوں کے ساتھ بت کی پرستش کو آیا تو دیکھا کہ اس بت خانے میں ایک آدمی سیاہ کپڑے اور سیاہ ٹوپی پہنے کھڑا ہے اور لوگوں کو بلا رہا ہے ،لوگ یہ دیکھ کر حیران تھے،راجا خود آگے بڑھا،شیخ نے کہا کہ تم بلا کھٹکے آگے آؤ،دیو کو میں نے ہلاک کر دیا ہے۔لوگوں نے دیکھا تو واقعی ایسے ہی تھا،چنانچہ سب لوگ ایمان لائے اور مسلمان ہوئے،شیخ جلال الدین کی وفات کب ہوئی اس تعلق سے مختلف روایات ہیں سیر العارفین اور آئین اکبری کے مطابق آپ کی وفات 642 ہجری یعنی 1244ء میں ہوئی،یہی تاریخ خزینۃ الاصفیاء میں بھی درج ہے لیکن مشہور اسلامی سیاح ابن بطوطہ کہتا ہے کہ اس نے سنہ 746 ہجری مطابق 1345ء میں شیخ کی زیارت کی ہے۔چنانچہ وہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے

"سات گام سے میں نے کامروپ کے پہاڑوں کی طرف کا راستہ اختیار کیا جو یہاں سے ایک مہینہ کی مسافت پر ہے،میرا ارادہ اس ملک میں جانے سے یہ تھا کہ میں شیخ جلال الدین تبریزی کی جو مشہور اولیاء اللہ تھے،زیارت کروں،یہ ان کے ہاتھ پر اس ملک کے

اکثر باشندوں نے اسلام قبول کیا ہے۔اس ملک کے ہندو مسلمان سبھی شیخ کی زیارت کرتے ہیں اور ان کے واسطے تحفے لاتے ہیں۔"

پروفیسر گب کا خیال ہے کہ ابن بطوطہ نے جس شیخ جلال الدین کی زیارت کی تھی وہ شیخ جلال الدین تبریزی نہیں بلکہ جلال الدین سلہٹی تھے،لیکن اس نظریہ کو ماننے میں بھی الجھن ہے کیونکہ شیخ جلال الدین کی اس نے جو صفات بیان کی ہیں یعنی بغداد کی زیارت،خلیفہ مستعصم کا تاتاریوں کے ہاتھ قتل وغیرہ تو وہ شیخ جلال الدین تبریزی پر صادق آتی ہیں۔

شیخ سراج الدین عثمانی: شیخ سراج الدین عثمان کا وطن بنگال کا دارالخلافہ لکھنوتی تھا لیکن وہ عہد طفولیت سے ہی دہلی آ گئے تھے اور حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کا دامن پکڑ لیا تھا شیخ نے ان کو تحصیل علم کی ہدایت کی اور پھر ان کو خلافت سے نوازا،شیخ نظام الدین اولیاء کے بعد اپنی تکمیل کا احساس انہیں حضرت چراغ دہلی کے یہاں لے گیا انہوں نے ان کی مزید تربیت کی اور پھر ان کو بنگال کی جانب روانہ کیا،بنگال میں ایک بزرگ شیخ علاءالدین پہلے سے موجود تھے لیکن ان کی روحانی برتری کا شیخ علاء الدین نے برملا اعتراف کیا اور اپنی مشیخت درکنار کرتے ہوئے ان کے مرید ہو گئے اور اپنے شیخ کی بڑی خدمت کی۔شیخ سراج الدین کی وفات کے بعد ان کے جانشیں بنے اور مخلوق خدا کی رہبری کی بالخصوص آپ کا لنگر ہر ایک کیلئے عام تھا اور جود وسخا کی گرم بازاری تھی یہاں تک بادشاہ وقت اس پر معترض ہوا اور آپ کو لکھنوتی چھوڑ کر سنارگاؤں جانے کا حکم دیا۔آپ کی وفات 1398ء میں ہوئی۔مزار مبارک پنڈوہ میں ہے۔شیخ علاءالحق سے بھی زیادہ فروغ ان کے صاحبزادے نورالحق المعروف نورقطب عالم نے پایا جن کی نسبت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبارالاخیار میں لکھتے ہیں

"شیخ نورالحق والدین رحمتہ اللہ علیہ المشہور بہ شیخ نورقطب عالم فرزند ومرید خلیفہ علاءالحق است ازمشاہیر اولیائے ہندوستان وصاحب عشق ومحبّ وذوق وشوق وتصرف وکرامت۔

جب بنگال کے راجہ غیاث الدین کو راجا گنیش نے قتل کر کے تخت سنبھالا تو گنیش نے مسلمانوں اور علماء ومشائخ کا قتل شروع کیا اس کا ارادہ تھا کہ بنگال سے اسلام کا نام ونشان مٹا دے،یہ دیکھ کر شیخ قطب عالم نے جونپور کے حکمراں ابراہیم شاہ شرقی کو مدد کیلئے خط لکھا،اس نے بڑی فوج بھیجی،گنیش نے فوج کے آنے کی خبر سن کر معافی مانگی شیخ نے کہا کہ تم کافر ہو تمہاری ہم مدد کیسے کر سکتے ہیں،گنیش نے کہا کہ میں دنیا ترک کرتا ہوں اور حکومت سے علاحدہ ہوتا ہوں،آپ میرے بیٹے جدو کو مسلمان کر لیں چنانچہ جدو کو جلال الدین کا نام دیا گیا،فوج کے واپس جانے کے بعد گنیش نے بیٹے کو پھر سے غیر مسلم بنانا چاہا تو جدو نے انکار کر دیا اور سلطان جلال الدین کے نام سے تخت بنگالہ پر رونق افروز ہوا۔

شیخ جلال الدین سہلٹی: آپ کا مزار مسلمانان بنگلہ دیش کی بڑی اہم زیارت گاہ ہے۔ضلع سہلٹ کے سرکاری گزیٹر میں لکھا ہے "گوڑیا سہلٹ کو مسلمانوں نے 1384ء میں فتح کیا آخری ہندو راجا کو سکندر غازی کی فوجوں سے زیادہ شاہ جلال کی کرامات نے بے بس کر دیا،شاہ صاحب کی وفات کے بعد یہ علاقہ صوبہ بنگالہ میں داخل کیا گیا اور نظم ونسق کیلئے ایک علیحدہ صوبیدار مقرر ہوا،اس ضلع کے تقریباً 53 فیصدی باشندے گزشتہ مردی شماری کی رپورٹ کے مطابق مسلمان ہیں۔1303ء میں سلہٹ فتح ہوا اور 20 ذی قعدہ 740ء کو شاہ جلال نے وفات پائی،قیام سلہٹ کے 37 سال میں کچھ وقت تو شیخ جلال نے ظاہری انتظامات میں گزارا اور باقی عبادت اور ارشاد وہدایت میں۔ضلع سہلٹ میں چار ایسے مقامات مشہور ہیں جہاں شیخ جلال نے اپنے ساتھی پیروں کو بسایا اور ان سپرد ارشاد وہدایت کا کام کیا یعنی سلہٹ،لاتو،ہاپنیہ ٹیلہ،ہمنگ ٹیلہ۔

4.6.3 بنگال کے غازی بابا

بنگال میں اشاعت اسلام کی ایک بڑی وجہ بنگال کے "غازی اولیاء ہیں جن کی اصل دلچسپی تو خدا اور دوسری دنیا سے تھی لیکن جنہیں حالات کے تحت عسکری مہمات میں حصہ لینا پڑا اور جن کی مدد سے اسلامی حکومت کی توسیع کے ساتھ اسلام کی اشاعت بھی ہوئی۔مثلاً ہگلی میں ایک مقام پنڈوہ اہل علم اور اشراف مسلمانوں کی بستی ہے۔اس بستی کی تاریخی روایتیں یہ ہیں کہ یہ چھ سات سو سال قبل یہاں شاہ صفی الدین رہتے تھے۔انہیں مقامی راجے نے تنگ کیا تو انہوں نے مسلمان بادشاہوں کے پاس جا کر شکایت کی اور فوج بلا کر پنڈوہ کو فتح کیا،ایک دوسرے اسلامی مرکز بنگل کوٹ ضلع بردوان کے پیر راہی کی نسبت بھی اسی طرح کی روایت ہے۔سات گاؤں میں ظفر خان اسی قسم کے مجاہد ولی تھے جو مقامی روایات کے مطابق ہندو راجا کے ساتھ لڑائی میں شہید ہوئے لیکن ان کے بیٹے نے یہ مقام فتح کر لیا۔شاہ اسماعیل غازی کے تعلق سے ایک مخطوطہ میں یہ ملتا ہے کہ راجا کامروپ کے ساتھ لڑائی میں کوڑ کے مسلمان بادشاہ نے شاہ اسماعیل غازی سے مدد لی اور فتح کے بعد اس علاقے کی حکومت ہی ان کے سپرد کر دی۔اسی طرح ڈھاکہ (بنگلہ دیش کا صدر مقام) بابا آدم شہید کا مزار ہے جن کی نسبت مشہور ہے کہ وہ ہندو راجا کے ساتھ کشمکش میں شہید ہوئے۔مزار کے قریب ایک مسجد ہے جو 1483ء میں بادشاہ بنگالہ نے تعمیر کرائی تھی۔

4.6.4 بنگال میں اشاعت اسلام کی وجوہات

بنگال میں صوفیائے کرام نے اشاعت اسلام میں جو کارہے نمایاں انجام دیئے ان کے متعلق ڈاکٹر کالی راجن قانون گو بنگال میں اشاعت اسلام کے سلسلے میں لکھتے ہیں

"بلبنی سلاطین کے عہد حکومت میں نہ صرف بنگالے میں اسلام کو وسعت نصیب ہوئی بلکہ اس کی بنیادیں بھی گہری ہو گئیں،یہ وہ زمانہ تھا جب اولیائے کرام نے جوبرہمنوں اور ہندو سادھوؤں سے عملی پارسائی،قوت عمل اور دور اندیشی میں بڑھ کر تھے،وسیع پیمانے پر تبلیغ شروع کی۔جس کی کامیابی کا باعث طاقت نہ تھی بلکہ ان کا مذہبی جوش اور ان کی عملی زندگی۔وہ نچلے طبقہ کے ان ہندوؤں میں رہتے اور اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے جو اس وقت بھی توہم پرستی اور معاشرتی دباؤ کے پنجے میں گرفتار تھے۔دیہاتی علاقوں کے یہ باشندے مسلمان ہو کر اسلامی حکومت کیلئے ایک نئی تقویت کا ذریعہ ہو گئے۔بنگالے کی عسکری اور سیاسی فتح کے سو سال بعد صوفیانہ سلسلوں کی مدد سے جو ملک کے کونے کونے میں پھیل گئے تھے۔اس سرزمین میں اخلاقی اور روحانی غلبے کا سلسلہ شروع ہوا۔مندروں اور ہندو خانقاہوں کو تباہ و برباد کر کے ابتدائی مسلمان فاتحین نے صرف ان کے زر و جواہر پر قبضہ کیا تھا۔لیکن تلوار کے زور سے تاریخی روایات ختم نہ ہو سکتی تھی اور ان ہی ان غیر فانی روحانی خزائن کا خاتمہ ہو سکتا تھا جن پر ہندو قومیت اور ہندو مذہب کی بنیادیں قائم تھیں۔مسلمان اولیاء نے اخلاقی اور روحانی فتح کے عمل کو مکمل کیا اور اس مقصد کیلئے ہندو دھرم اور بدھ مت کے پرانے استھانوں پر (جو اب برباد ہو گئے تھے) ایک پالیسی کے مطابق درگاہیں اور خانقاہیں قائم کر دیں۔اس کے دو نتیجے ہوئے۔ایک تو بت پرستی کے ان قدیم استھانوں سے ہندو مت کے احیاء کا امکان جاتا رہا اور دوسرے عوام الناس میں ایسے قصے کہانیاں رائج ہو گئیں جن کے مطابق یہ نووارد قدیمی مقدس ہستیوں کے جانشیں ہو گئے۔ہندو عوام صدیوں سے ان مقامات کو مقدس مانتے آئے تھے وہ ان کی پرانی تاریخ کو بھول گئے اور بڑی آسانی سے انہوں نے اپنی ارادات کا سلسلہ ان پیروں اور غازیوں سے وابستہ کر دیا جو ان مقامات پر قابض ہو گئے .....ہندو سوسائٹی بالخصوص نچلے طبقے کے ہندو اولیاء اور غازیوں کی کرامات کے ایسے قصوں کی بدولت

جو بسا اوقات قدیم ہندو اور بودھی روایتوں پر مبنی تھے۔ آہستہ آہستہ اسلام کی طرف مائل ہو گئے۔ شاید ہندو تیرتھوں پر اس اثر کی سب سے نمایاں مثالیں دو ہیں۔ ایک راجگیر میں سرنگی رشی کنڈ کا مخدوم کنڈ بن جانا اور دوسرے دیواوتا روایات کے معجزہ باز بدھ کا ایک مقدس مسلمان مخدوم ولی بن جانا۔

بنگال کے ممتاز مورخ سر جادو ناتھ سرکار کا خیال یہ ہے کہ اسلام کی اشاعت زیادہ تر ان علاقوں میں ہوئی جہاں ہندو مذہب کی تعلیمی حالت اچھی نہ تھی اور نہ وہی وہاں برہمن اور ہندوؤں کو تعلیم دینے والے موجود تھے لہذا مسلم مبلغین کو میدان خیالی ملا اور انہوں نیا شاعت اسلام میں نمایاں کردار ادا کیا۔

جب کہ ایک انگریزی مورخ اس سلسلے میں لکھتا ہے کہ بنگال میں اشاعت اسلام کو نمایاں کامیابی ملنے کی وجہ اسلام کا "درس مساوات "ہے جس کی وجہ سے ذات کے چکر میں جکڑے کم تر ذات کے لوگوں نے اسلام میں اپنی ہر قسم کی محرومی کا مداوا دیکھا اور اسے قبول کر لیا۔

ڈاکٹر ہنٹر لکھتے ہیں

> "ان لوگوں کیلئے جن میں مفلس، ماہی گیر، شکاری قزاق اور ادنیٰ قوم کے کاشتکار لوگ تھے۔ اسلام ایک ایسا اوتار تھا جو ان کیلئے آسمان سے اترا تھا۔ وہ حکمراں قوم کا مذہب تھا۔ اس کے پھیلانے والے باخدا لوگ تھے۔ جنہوں نے توحید و مساوات کا مژدہ ایسی قوم کو سنایا جس کو سب ذلیل و خوار سمجھتے تھے۔ اس کی تعلیم نے خدا اور اسلامی اخوت کا بلند تر تخیل پیدا کر دیا اور بنگال کی کثرت سے بڑھنے والی قوموں کو جو صدیوں سے ہندوؤں کے طبقے سے تقریباً خارج ہو کر بڑی ذلت و خواری کے دن کاٹ رہی تھیں۔ اسلام نے بلا تامل اپنی اخوت کے دائرے میں شامل کر دیا۔

معلومات کی جانچ

1. بنگال میں اسلامی دور حکومت کب سے تک رہا؟
2. بنگال میں اشاعت اسلام کی وجوہات کیا رہیں؟

4.7 بہار

ہندوستان کا ایک صوبہ جس کے مغرب میں اتر پردیش، شمال میں نیپال، مشرق میں بنگال اور جنوب میں اڑیسہ ہے۔ اس صوبے کا نام "شہر بہار" کے نام سے موسوم ہوا۔ کو خود یہ شہر جس کے اردگرد بدھ مت کی خانقاہیں (سنسکرت vihara) تھیں، اب کسی اہمیت کی حامل نہیں۔ بہار سلطنت دہلی سے دور ہونے کی وجہ سے کبھی ہائی لائٹ میں نہیں رہا جس طرح کے اتر پردیش کے علاقے دہلی سے قریب ہونے وجہ سے مورخین کی نگاہ میں رہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کی تاریخ بطور صوبہ مکمل کرنا ایک مشکل کام ہے بس کچھ شہر ایسے ہیں جن کی تاریخی حیثیت ہے اور اسی بناء پر اس کا ذکر آجاتا ہے۔

4.7.1 اسلامی دور

بہار میں اسلام کے قدم تب پڑے جب اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی کے بہار پر حملہ کے دوران 589ہجری مطابق 1193ء میں مونگیر فتح ہوا۔اور وہ قطب الدین ایبک سلطان دہلی کے زیر سیادت اسی اختیار الدین کے قبضے میں رہا۔730ہجری مطابق 1330ء میں محمد بن تغلق نے اسے دہلی میں شامل کرلیا۔799ہجری مطابق 1397ء میں یہ جونا پور سے ملحق ہوا۔893ہجری مطابق 1488ء میں سکندر لودھی کے حملہ کے بعد پھر دہلی میں شامل کرلیا گیا اور کچھ مدت کے بعد جب تک کہ بنگال پر مغلوں کا تسلط نہیں ہوگیا یہ شاہان بنگال کے قبضے میں رہا۔ ساتویں صدی ہجری مطابق تیرہویں صدی عیسوی میں بہار کے کچھ حصوں کو انتظامی وحدت کی حیثیت حاصل رہی ہے۔626ہجری مطابق 1225ء میں شمس الدین التمش نے بہار میں ایک صوبہ دار مقرر کیا تھا۔اکبری عہد میں 990ہجری مطابق 1582ء میں یہ ایک صوبہ قرار دیا گیا۔جس میں آٹھ "سرکاریں" تھیں اور یہ صوبہ بنگال کے ماتحت تھا۔اس کا صدر مقام شہر بہار ہی رہا۔یہاں تک کہ شیر شاہ نے نویں صدی ہجری مطابق پندرہویں صدی عیسوی میں اس کے بدلے پٹنہ مقرر کیا۔یہ علاقہ سلطنت مغلیہ کے قیام سے قبل اودھ اور بنگال کے درمیان حد فاصل کا کام دیتا تھا۔لیکن جب مغل آئے تو اسے اودھ اور بنگال کے درمیان ذریعہ مواصلات ہونے کی اہمیت حاصل ہوگئی، جسے مغلیہ شاہان کے بنائے ہوئے بہت سے نفیس پل ثابت کررہے ہیں۔

جس طرح پنجاب یا بنگال میں صوفیاء کرام کی تبلیغی کوششوں کی تاریخ ملتی ہے بہار میں اس طرح کی تاریخ عام طور پر دستیاب نہیں ہے اور شاید اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ بہار کے اہل علم نے پتہ نہیں کس بناء پر خود کو تصنیف وتالیف سے ہمیشہ دور رکھا ہے۔بہار میں اہل علم بہت گزرے ہیں لیکن ان کی نسبت سے ان کی تصنیفات دیکھئے تو حیرت ہوتی ہے اس کی ایک بڑی وجہ یہ رہی ہوگی کہ تصنیف وتالیف کیلئے جو ذرائع اور وسائل اور ماحول چاہئے وہ سلطنت دہلی سے دور رہونے کی بناء پر اہل علم کو میسر نہیں آیا۔

4.7.2 اشاعت اسلام میں صوفیائے کرام کا کردار

مسلم فاتحین کے فتوحات کا سیل بہار کے تمام شہروں تک نہیں پہنچا اس کے باوجود بہار میں مسلمانوں کی بہت بڑی آبادی ہے جو یہ بتارہی ہے کہ صوفیاء کرام کی تبلیغی کوششیں یہاں ازحد بارآور ثابت ہوئیں، بہار کا کوئی ضلع اور کوئی مقام ایسا نہیں ہے جہاں مسلم نہ بستے ہوں۔

سیمانچل کا علاقہ یعنی کشن گنج، اراریہ، کٹیہار، پورنیہ، دیناجپور کا علاقہ جو بنگال میں یا بنگال سے قریب ہے وہاں مسلمان اکثریت میں ہیں اگرچہ معاشی اور تعلیمی طور پر پسماندہ ہیں لیکن بطور مذہب اسلام کے ماننے والے اکثریت میں ہیں، اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس علاقے میں بنگال کے صوفیاء کرام جن کا ذکر بنگال کے باب میں ہو چکا ہے نے اشاعت اسلام میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

پٹنہ اور اس سے ملحقہ علاقے چونکہ صوبائی راجدھانی میں یا اس کے قریب رہے ہیں لہذا اسلامی ہلچل اور صوفیائے کرام کی خانقاہیں یہاں زیادہ دیکھنے کو ملتی ہیں، بطور خاص شیخ شرف الدین یحیی منیری علیہ الرحمہ کا ذکر کرنا بیجا نہیں ہوگا جنہوں نے اس علاقے میں اسلام کی شمع روشن کی اور وہ بھی شمالی ہند میں اسلام کے ابتدائی دور میں۔اللہ نے انہیں طویل عمر دی تھی جس کا انہوں نے پورا فائدہ اٹھایا۔انہوں نے راج گیر کے جنگل میں شدید ریاضتیں کیں اور پھر ایک متروک ہندو سادھو کے استھان کو اپنا مقام بنایا اور آج یہ جگہ مخدوم کنڈ کے نام سے ہی روشن ہے۔شیخ

شرف الدین یحیی منیری علیہ الرحمہ کے خلفاء کی بڑی تعداد نے بہار میں اشاعت اسلام میں نمایاں کردار ادا کیا ہے جنہوں نے حکومت وسلطنت کی اعانت کے بغیر محض تزکیہ قلب اور بلند کرداری کی بناء پر مقامی آبادی کو متاثر کیا۔شیخ شرف الدین یحیی منیری کے اندر اشاعت اسلام کا جذبہ اپنے والد سے ورثہ میں ملا تھا لیکن اس کی تبلیغی کوششوں کی کوئی تفصیل نہیں ملتی ۔تذکروں میں کچھ متفرق واقعات ملتے ہیں۔ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک جوگی نہایت حسین وجمیل تھا،اس کو دیکھ کر شیخ مخدوم کے مریدوں کے دل میں خیال آیا کہ ایک کافر کتنا حسین وجمیل ہے۔چونکہ جوگی صفائے باطن کا حامل تھا اس لئے ان کے خیال سے آگاہ ہوگیا اور ان کو اس طرح کے وساوس پر تنبیہ کی اور پوچھا کہ تمہارا گرو کون ہے لوگوں نے بتایا کہ شرف الدین یحیٰ۔جوگی ان کے گرو کو دیکھنے ان کے ساتھ چلا لیکن جوں ہی اس کی نظر حضرت مخدوم پر پڑی، بے تحاشا بھاگا،لوگوں نے پوچھا کہ کیوں بھاگتے ہو،اس نے جواب دیا کہ مخدوم تا ررو پ ہوگئے ہیں یعنی متصف بصفات حق ہیں (یہ صوفیہ کی اصطلاح ہے) اگر میں ان کے قریب گیا تو جل جاؤں گا۔حضرت مخدوم کو اس کی خبر ملی تو مسکرائے اور ان کو بلوایا۔یہ دیر تک مجلس میں بیٹھا رہا۔حضرت مخدوم نے اسلام نے تلقین کی۔تین دن تک اپنی صحبت میں رکھا اور خلافت عطا کر کے رخصت کیا۔

حضرت شیخ شرف الدین کی اولاد میں شاہ دولت نامی ایک شخص بڑے پائے کے صوفی اور بزرگ گزرے ہیں۔ان کے یہاں امراء اور صلحاء کی آمد رہتی تھی۔ان کے اندر اشاعت اسلام کا بڑا جذبہ تھا۔جس کا اندازہ مآثر الامراء کے اس اندراج سے ہوتا ہے۔

''راجہ مان سنگھ بنگال جاتے ہوئے منیر میں شاہ دولت سے ملے،انہوں نے راجہ کو اسلام کی تلقین کی،راجہ اسلام کی طرف مائل تھا اور اسی غرض سے اس نے ایک ماہ وہاں قیام کیا تھا لیکن نہ جانے کیا چیز مانع ہوئی کہ اسلام قبول نہیں کیا''۔

شیخ شرف الدین کے والد تاج فقیہہ کے اندر اشاعت اسلام کا بڑا جذبہ تھا اور آپ ہی کی بدولت منیر اور اس کے اطراف میں اسلام کی اشاعت ہوئی۔شیخ شرف الدین یحیی منیری کے سوانح نگار سید ضمیر الدین لکھتے ہیں

"مولانا تاج فقیہہ کی ذات سے منیر اور مضافات میں اسلام کی بہت کچھ اشاعت ہوئی۔شاید ہی کوئی گھر ایسا ہو جہاں اذان وتکبیر کی آواز نہ سنائی دیتی ہو۔مولانا کے باعث منیر میں ایک باوقعت اور باقوت جماعت مسلمانوں کی پیدا ہوگئی تھی۔"

4.8 دہلی اور اتر پردیش

یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ دہلی کے تخت پر مسلمانوں کا قبضہ شہاب الدین غوری کے دور میں ہوا پھر جب اس نے اپنا نائب دہلی میں قطب الدین ایبک کو بنایا تو یہاں سے خاندان غلاماں کی ابتداء ہوتی ہے۔قطب الدین ایبک کا دور حکومت 1206 عیسوی تا 1210 عیسوی رہا۔بنارس اور دہلی قطب الدین ایبک نے فتح کیا تھا،پھر قطب الدین ایبک کے غلام ایلتتمش نے اس میں موجودہ اتر پردیش کے کے راجاؤں کی سلطنت کا خاتمہ کر کے ان کی ریاست کا الحاق دہلی سلطنت سے کیا،ایلتتمش کا دور حکومت 1211 عیسوی تا 1236 عیسوی رہا۔رضیہ سلطانہ کو امراء کے جھگڑوں سے فرصت نہیں ملی اور رضیہ سلطانہ کے بعد دہلی کے تخت پر بیٹھنے والے اس کے بھائی امراء کے ہاتھ میں بے دست وپا تھے جب ناصر الدین کو حکومت ملی اور اس نے بلبن کو سیاہ وسفید کا مالک بنایا تو بلبن کو نصیحت کی کہ کوئی ایسا کام نہ کرنا جس کی وجہ سے مجھے کل قیامت میں شرمندگی ہو،ناصر الدین کا عہد اقتدار 1246 تا 1266 عیسوی رہا۔ناصر الدین کی وفات کے بعد امراء نے بلبن کو بادشاہ منتخب کیا۔بلبن کا

دور بطور بادشاہ 1266 عیسوی تا 1286 عیسوی رہا۔ بلبن نے فتوحات سے زیادہ مقبوضات کے استحکام پر زور دیا، اس کے دور میں مغل بار بار لاہور پر حملہ کر رہے تھے۔ بلبن نے مغربی علاقوں کو فوجی اعتبار سے مستحکم کیا اور وہاں اپنے بیٹے اور جانشیں سلطان محمد کو تعینات کیا۔ مغلوں سے لڑتے ہوئے سلطان محمد کی موت ہوگئی جس کے غم میں کچھ عرصہ بعد بلبن بھی مر گیا۔

خلجی خاندان میں سے سلطان علاءالدین ان پڑھ ضرور تھا مگر اس کے اندر سلطنت کرنے کی پوری لیاقت تھی، مغلوں کی یورش کم ہو چکی تھی اب اس نے فتوحات کی جانب توجہ دی اور اس نے کشمیر اور نارتھ ایسٹ کو چھوڑ کر تقریباً پورے ہندوستان پر قبضہ کر لیا، اس کی فتوحات کا علم گجرات، دکن، راس کماری جیسے دور دراز مقامات تک لہرانے لگا۔ موجودہ یوپی جو دہلی سے متصل ہے تقریباً پوری کی پوری اس نے فتح کر لی تھی۔ سلطان علاءالدین کا عہد حکومت 1299 عیسوی تا 1319 عیسوی رہا۔ یہ بات واضح رہے کہ بعض شہر جیسے جونپور، فیروزپور وغیرہ بعد میں سلطان فیروز شاہ تغلق نے بسائے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی موجودہ یوپی کے کچھ حصے مزید بعد میں بسے ہیں۔

4.8.1 دہلی سلطنت کے قیام سے قبل اتر پردیش میں اسلامی آبادی

یہ ایک حیرت کی بات ہے لیکن حقیقت ہے کہ شہاب الدین غوری کے حملہ سے قبل موجودہ یوپی کے کچھ علاقوں میں مسلم آبادی کا ثبوت ملتا ہے۔ شمالی ہند کے اندرونی علاقوں جیسے قنوج، بنارس، بدایوں وغیرہ میں بھی مسلمان آباد تھے۔ مسعودی نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ قنوج میں مسلمانوں کا ایک محلّہ تھا۔ بنارس میں مسلمانوں کی خاصی تعداد آباد تھی بلکہ بنارس کے راجہ کی فوج کافی مسلمان شامل تھے۔ اس کا تذکرہ ابن اثیر نے الکامل فی التاریخ میں کیا ہے۔ بدایوں، بہرائچ، بلند شہر اور بلگرام میں بھی مسلمانوں کی موجودگی کے شواہد ملتے ہیں۔

سلطان محمود کی معاصر شخصیت سید سالار مسعود غازی کی ہے۔ 421 ہجری مطابق 1031 عیسوی میں سید سالار نے اپنا سفر شروع کیا اور بہت کم وقفہ میں متعدد فتوحات حاصل کیں۔ اجمیر اور دہلی کے درمیان دھندہ گڑھ، ریواڑی کے قریب راجا کرن پال نے ان پر شب خون مارا، اس کا بدلہ لینے کیلئے انہوں نے راجہ کرن پال کا تعاقب کیا اس نے تجارہ کے راجا تیج پال کے یہاں پناہ لی، لیکن راجہ تیج پال کو بھی شکست ہوئی، راجہ تیج پال مسلمان ہو گیا، اس کا نام جلال خان رکھا گیا۔

نواح دہلی میں میواتیوں کی بستیاں قدیم زمانہ سے آباد ہیں اور سالار کی قسم، سالار کا جھنڈا وغیرہ ان کے یہاں معروف ہیں۔ جس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ بھی ان سے ہی متاثر ہو کر مسلمان ہوئے ہوں گے۔ سید سالار نے مستر کی (بارہ بنکی) کو اپنا مستقر قرار دے کر گردونواح میں اشاعت اسلام کیلئے اپنے ماتحتوں کو بھیجا، خود بھی جہاد کرتے رہے اور 424 ہجری مطابق 1035 عیسوی میں ان کی شہادت ہوئی۔

محمود غزنوی کے بعد غوری حکومت کے قیام سے قبل شمالی ہند میں مسلمانوں کی خاصی تعداد کی موجودگی کا اندازہ ہوتا ہے مثلاً بہرائچ میں سالار مسعود غازی شہید ہوئے لیکن ان کا پختہ مزار دہلی سلطنت کے ابتدائی ایام میں تعمیر ہوا۔ اس سے قیاس ہے کہ اس وقت بہرائچ میں یقیناً کچھ مسلم آبادی رہی ہوگی جنہوں نے مزار بنایا۔ بعض دیگر مقامات پر بھی اس عہد کے مسلم مزار کا ذکر ملتا ہے۔ مثلاً میران ملھم کا مزار بدایوں میں، خواجہ مجدالدین کا بلگرام میں، کوپامئو میں لال پیر کا مزار، اناؤ میں گنج شہیداں، منیر (بہار) میں امام تقی فقیہہ کا مزار، یہ تمام مزار غوری حملہ سے قبل

کے ہیں ۔سید سالار کے تعلق سے مشہور ہیکہ وہ اس علاقہ سے گزرے اور بہرائچ جا کر راجا بالادت کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے ۔سلطان مسعود کے حملہ سے قبل سرستی نام کی ہندوستانی ریاست میں مسلمان موجود تھے۔

بلند شہر جس کا قدیم نام برن ہے اس کو سلطان محمود غزنوی نے 1019 عیسوی میں فتح کیا تھا، یہاں کا راجہ ہردت مسلمان ہوگیا تھا اور اس کیساتھ دس ہزار مزید افراد مسلمان ہوگئے تھے۔قطب الدین ایبک (متوفی 607 ہجری مطابق 1210 عیسوی) نے 1194 عیسوی میں علی گڑھ فتح کیا اور یہاں کے متعدد لوگوں نے اسلام قبول کیا۔

فیروز شاہ تغلق ایک مرتبہ نواح دہلی میں شکار کھیل رہا تھا کہ شیر نے اس پر حملہ کیا، شیر کو رائے چھجمل نے مار دیا۔اس کو ماہر بہادر کا خطاب ملا۔بعد میں ماہر بہادر مسلمان ہوگیا۔اس کے اخلاف آج بھی ملک اور خان زادہ کے ام سے بڑی تعداد میں موجود ہیں۔چوہان راجپوتوں کی ایک شاخ جوالور کے قریب قبصہ منڈ اور اس کے نواح میں آباد تھی وہ بھی فیروز شاہ کے ذریعہ مسلمان ہوئی۔مراۃ الانساب میں مولوی ضیاء الدین علوی نے لکھا ہے کہ راؤ حاجی چاند بکری سمیت 1499 میں فیروز شاہ کے عہد میں مسلمان ہوئے اور شاہی خاندان سے اس کے مصاہرتی تعلقات قائم ہوئے۔بابر کے ساتھ ایک جنگ میں اودھ کا بڑا زمین دار قید ہوگیا، اس نے اسلام قبول کرلیا تو بابر نے اعزاز میں اسکو رہا کردیا۔آرنلڈ نے لکھا ہیکہ یہ خاندان اس وقت اودھ کا سب سے زیادہ بااثر راجپوت مسلم خاندان ہے۔شاہ جہاں کے عہد میں لال خانی مسلمان ہوگئے تھے۔لال خانیوں کے مسلمان ہونے کے بارے میں کئی روایتیں ہیں لیکن معتبر اور صحت سے قریب روایت وہی ہے کہ لال خانی حکمراں سالباھن اپنی اولاد کیساتھ شاہ جہاں کے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا تھا۔شاہ جہاں کے دور کا اہم واقعہ یہ ہے کہ اس نے ہندو مسلمانوں کی آپسی شادی کی ممانعت کردی تھی اس فیصلہ کے بعد چار تا پانچ ہزار ہندو جن کی بیویاں مسلمان تھیں مسلمان ہوگئے۔یہ واقعہ بھدنور کا ہے۔

4.8.2 اشاعت اسلام میں صوفیائے کرام کا حصہ

خواجہ اجمیری رحمتہ اللہ علیہ (متوفی 633 ہجری مطابق 1236 عیسوی) کا قیام اگرچہ بنیادی طور پر اجمیر میں رہا لیکن ان کی روحانی فتوحات کا دائرہ پورا ہندوستان تھا۔خواجہ اجمیر کی تبلیغی مساعی کے سلسلے میں آرنلڈ نے لکھا ہے کہ

''خواجہ اجمیر آئے، جہاں کا راجہ ہندو تھا۔اور ملک میں ہر طرف بت پرستی پھیلی ہوئی تھی۔یہاں پہنچنے کے بعد جس ہندو کو آپ نے سب سے پہلے مسلمان کیا وہ راجہ کا جوگی گرو تھا، رفتہ رفتہ اس کی مریدوں کی ایک جماعت آپ کے پاس جمع ہوگئی۔جنہوں نے آپ کی تعلیم وتلقین سے بت پرستی چھوڑ کر اسلام اختیار کرلیا۔آپ کی شہرت سن کر بہت سے ہندو اجمیر آئے اور آپ کی ترغیب سے مسلمان ہوگئے۔روایت ہے کہ اجمیر جاتے ہوئے دہلی کے مقام پر ٹھہرے تو وہاں آپ کے ہاتھ پر 700 ہندوؤں نے اسلام قبول کیا''

سیر الاولیاء کے مولف امیر خورد کرمانی (متوفی 770 عیسوی) جس نے خواجہ کی وفات کے محض 100 برس بعد حالات کا بچشم خود معائنہ کیا وہ آپ کے سلسلے میں لکھتے ہیں۔

"ان (خواجہ اجمیری) کی دوسری کرامت یہ ہے کہ آپ کے آنے سے پہلے پورے ہندوستان میں کفر و بت پرستی کا راج تھا اور ہند کا ہر ایک سرکش انا ربکم الاعلیٰ کا دعویٰ کرتا تھا۔اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھتا تھا اور وہ سب پتھر، ڈھیلے، درخت، چوپایوں اور گائے اور اس

کے گوبر کو سجدہ کرتے تھے اور کفر کی تاریکی سے ان کے دلوں کے تالے مضبوط ہو رہے تھے۔"

داراشکوہ نے بھی لکھا ہے کہ خواجہ اجمیری کی آمد کی وجہ سے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ اگر صوفیا نہ خوش اعتقادی کو راہ دی جائے تو بعض روایتوں کے بقول 90 لاکھ افراد آپ کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے۔

خواجہ بختیار کاکی کے ہاتھوں پر قبول اسلام کے سلسلے میں روایتیں نہیں ملتی ہیں۔ ان کے مرید حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر کے ہاتھوں راجپوتوں کی کئی برادریوں نے اسلام قبول کیا۔ لیکن ان کا دائرہ عمل پنجاب کا علاقہ تھا۔ حضرت گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے مرید حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے ہاتھوں پر بھی تبلیغ اسلام کے واقعات نہ کے برابر ملتے ہیں لیکن ان کے دل میں اس کی تڑپ ضرور تھی کہ غیر مسلم مسلمان ہو جائیں، ان کا تجربہ اور احساس یہ تھا کہ کہنے سننے سے زیادہ فائدہ نہیں ہوتا ہاں اگر ان کو کسی مرد صالح کی صحبت نصیب ہو جائے تو اس کی برکت سے وہ مسلمان ہو جائے گا۔

شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی متوفی (1140 ہجری مطابق 1727 عیسوی) کی فکر کا محور اشاعت اسلام تھا۔ انہوں نے خود بھی اس کیلئے کوشش کی اور اپنے مریدوں کو اس جانب متوجہ کیا۔ ان کے مکتوبات اشاعت اسلام اور اعلائے کلمتہ الحق کی نصیحت سے بھرے پڑے ہیں۔ ایک مکتوب میں وہ لکھتے ہیں

"ہر حال میں کلمتہ الحق کی سربلندی کیلئے کوشش کیجئے اور مشرق سے مغرب تک ہر جگہ اسلام حقیقی قائم کیجئے" ایک دوسرے مکتوب میں وہ لکھتے ہیں "اب یہ ضروری ہے کہ جہاں رہیں، اعلا کلمتہ اللہ کیلئے جدوجہد کریں اور اس راہ میں جان و مال کی قربانی دیں۔ اپنے ایک مرید کو تاکید کرتے ہیں کہ جو لوگ پوشیدہ طور پر مسلمان ہو گئے ہیں اب وہ اپنے اسلام کا اظہار بھی کریں۔

"بھیایا درام اور دوسرے بہت سے ہندو اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے ہیں۔ لیکن اپنے اہل قبیلہ سے اسلام پوشیدہ رکھتے ہیں۔ میرے بھائی اس کا اہتمام کیجئے کہ یہ عظیم الشان کام ظاہر ہو جائے"۔ ان کے علاوہ بھی بہت سارے صوفیائے کرام نے یوپی میں دعوت اسلام کا اہتمام کیا اور ان کی کوششوں سے مقامی آبادی مسلمان ہوئی۔

4.9 خلاصہ

شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کی شہرت یوں تو فاتحانہ ہے لیکن بعض تاریخی مصادر یہ بھی بتاتے ہیں کہ محمود غزنوی کے حملوں سے قبل شمالی ہند میں متعدد مسلم آبادی موجود تھی۔ محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کے دوران ملتان بھی فتح کیا تھا جو پنجاب کا ایک حصہ ہے۔ اس کے بعد سندھ میں متعدد حکومتیں قائم ہیں لیکن شمالی ہند کی طرف ان میں سے کسی نے توجہ نہیں دی، سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر متعدد حملے ضرور کیے لیکن اس کا مقصد سلطنت کا قیام نہیں بلکہ انند پال کا ساتھ دینے والے راجوں کی گوشمالی اور ہندوستان کی دولت سے اپنے خزانے کو بھرنا تھا۔ غزنی سلطنت کے زوال کے بعد شہاب الدین غوری نے شمالی ہند کی جانب توجہ کی اور لاہور کو فتح کرنے کے بعد دہلی کو بھی فتح کیا۔ دہلی فتح کرنے کے بعد شہاب الدین غوری نے قطب الدین ایبک کو دہلی میں اپنا گورنر مقرر کیا، یہاں سے دہلی اور شمالی ہند میں ایک مضبوط اسلامی سلطنت کی بنیاد پڑی اور خاندان غلاماں سے ہوتے ہوئے مختلف خاندان دہلی کے تخت پر جلوہ گر ہوئے۔ ان حکمرانوں نے نہ صرف دہلی بلکہ

آس پاس کے علاقے کی فتوحات پر بھی پوری توجہ دی۔شہاب الدین غوری کے ایک غلام سپہ سالار بختیارالدین خلجی نے نہ صرف بہار پر جو دہلی سے کافی دور ہے چڑھائی کر کے فتح حاصل کی بلکہ اس نے اپنی فتوحات کا علم آسام تک لہرایا اور کامروپ کو بھی زیر نگیں کیا،اس کا حوصلہ تو یہ تھا کہ وہ اس راستے سے تبت پر چڑھائی کرنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن مرکز سے دوری، دشوار راستے اور جنگلی قبائل کی آویزش جیسی وجوہات نے اس کو نا کام کیا لیکن اس کے باوجود اس کی ہمت مردانہ کی داد انگریز مورخین نے بھی دی ہے۔

پنجاب پر تو پہلے ہی قبضہ ہو چکا تھا، بہار بھی شہاب الدین غوری کے دور میں ہی فتح ہو گیا اور بختیارالدین خلجی نے ہی بنگال پر بھی دھاوا بولا اور بنگال کے کچھ حصوں کو فتح کر لیا۔اس کے بعد مختلف سلاطین کے دور میں فتوحات کا دائرہ بڑھتا رہا۔ان فتوحات کا دائرہ بڑھنے سمیٹا کام یہ ہوا کہ جہاں بھی کوئی قلعہ یا شہر فتح ہوا تو کچھ مسلمانوں کو انتظامی اور سپاہیانہ ذمہ داری انجام دینے کیلئے رکھا گیا اس طرح وہاں گویا ایک مسلم آبادی بس گئی،ان فتوحات کا دوسرا اثر یہ ہوا کہ صوفیائے کرام کیلئے راہ ہموار ہو گئی کہ وہ بلا خوف وخطر تبلیغی خدمات انجام دیں۔

صوفیائے کرام نے پنجاب، بنگال، بہار میں زبردست تبلیغی خدمات انجام دیں،آج ان علاقوں میں جو مسلمان ہمیں نظر آتے ہیں یہ سب ان کی ہی کاوشوں اور جانکاہیوں کا ثمرہ ہے۔

پنجاب میں شیخ بہاءالدین زکریا اور شیخ فریدالدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے بڑے پیمانے پر اشاعت اسلام کا کام انجام دیا اور متعدد برادریاں مکمل طور پر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئیں۔بنگال میں شیخ جلال الدین تبریزی اور شیخ جلال الدین مجرد نے بھی زبردست انداز میں تبلیغی خدمات انجام دیں،اس کے علاوہ بنگال کے غازی بابا حضرت نے بھی متعدد مقامات پر اشاعت اسلام کا نمایاں کارنامہ انجام دیا۔بہار میں یوں تو صوفیائے کرام کی تبلیغی مساعی کا کوئی بڑا نمونہ ہمارے سامنے نہیں ہے لیکن بنگال کی اشاعت میں جہاں مورخین نے لکھا ہے کہ بدھ مذہب وہاں کا عوامی مذہب تھا اس لئے وہاں اشاعت اسلام کے کام میں صوفیائے کرام کو زیادہ کامیابی حاصل ہوئی، یہی بات بعینہ بہار کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے کہ بہار تو بدھ مذہب کا علمی فکری اور مذہبی مرکز تھا ایسے میں بہار کے بودھوں نے بنگالی حکمرانوں کے ظلم وستم سے نجات پانے کیلئے اور اسلام کی تعلیمات سے متاثر ہو کر بڑے پیمانہ پر اسلام قبول کیا ہوگا۔

اتر پردیش کو دہلی سے قربت کا بڑا فائدہ حاصل ہوا،متعدد بزرگوں نے جو بخارا،سمرقند،ماوراءالنہر اور شام ومصر سے ہندوستان آئے، دہلی سے قربت کی وجہ سے یوپی کے علاقوں میں سکونت اختیار کی۔ان بزرگوں نے بھی اشاعت اسلام کا کام بڑے پیمانہ پر انجام دیا جس کی وجہ سے آج یوپی میں مسلمانوں کی قابل لحاظ تعداد ہمیں نظر آتی ہے۔

4.10 نمونے کے امتحانی سوالات

درج ذیل سوالوں کے جوابات تیس سطروں میں لکھئے۔

1. بہار اور اتر پردیش میں اشاعت اسلام میں صوفیاء کا کیا کردار تھا؟
2. بنگال میں اسلام کی تبلیغ میں صوفیاء کرام کی مساعی کیا رہیں؟

3. پنجاب میں اسلامی دور اور صوفیائے کرام کی تبلیغی مساعی پر اپنی معلومات تحریر کیجئے۔

درج ذیل سوالات کے جوابات پندرہ سطروں میں لکھئے:

1. دہلی سلطنت کے قیام سے قبل اتر پردیش میں مسلم آبادی کہاں کہاں تھی؟
2. بنگال کے غازی بابا کون تھے اور ان کی کیا خدمات رہیں؟
3. یوپی میں اشاعت اسلام میں صوفیاء کے کردار پر روشنی ڈالئے۔

4.11 سفارش کردہ کتابیں

1.	آب کوثر	شیخ محمد اکرام
2.	دعوت اسلام	آرنلڈ، ترجمہ عنایت اللہ
3.	ہندوستان اسلام کے سائے	شیخ عابد علی وجدی
4.	تاریخ اشاعت اسلام	شیخ اسماعیل پانی پتی
5.	دائرۃ المعارف الاسلامیہ اردو	زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب، لاہور
6.	برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ	اشتیاق حسین قریشی

بلاک:2 دہلی سلطنت

فہرست

اکائی نمبر	عنوان
5	دہلی سلطنت کا قیام اور سلاطین
6	دہلی سلطنت کا نظم ونسق
7	دہلی سلطنت میں نظام عدل اور سماجی ومذہبی حالات
8	دہلی سلطنت میں علمی خدمات اور فن تعمیر

کچھ اس بلاک کے بارے میں

عہد وسطی کے اندر ہندوستان میں ایک مضبوط اور وسیع سلطنت قائم ہوئی جو تاریخ میں دہلی سلطنت کہلاتی ہے۔ تقریباً سوا تین سو برس یہ سلطنت باقی رہی۔ اس دوران پانچ خاندانوں نے یکے بعد دیگرے حکومت کی۔ ہندوستان کے اندر سینکڑوں برس کے بعد ایسی مضبوط اور اتنی بڑی حکومت قائم ہوئی تھی جس سے ہندوستانی عوام کو امن وسکون حاصل ہوا اور ملک کے اندر خوشحالی عام ہوئی۔ دہلی سلطنت کے دوران تمدنی ترقیات کے بڑے بڑے کام انجام پائے، خوبصورت اور مضبوط عمارتیں تعمیر کی گئیں، نئے نئے شہر بسائے گئے، طرح طرح کی صنعتوں کو فروغ دیا گیا، علم وادب کے ادارے قائم ہوئے، مختلف موضوعات پر اہم کتابیں تصنیف ہوئیں، کاشتکاری اور آب پاشی پر بہت زیادہ توجہ دی گئی۔ عوام کی اخلاقی تربیت اور سماجی برائیوں کے خاتمہ کے لئے کوششیں کی گئیں۔ مالگذاری اور بازار کی نرخ بندی کے نئے نئے تجربات کئے گئے۔ فوجی اور دفاعی نظام کے میدان میں کافی بہتری لائی گئی، عدالتی نظام کو آسان اور پختہ بنایا گیا۔ شاہراہیں بنائی گئیں، سرائے خانوں اور مسافر خانوں کی تعمیر کر کے عوامی سہولیات کا انتظام کیا گیا، ڈاک کے نظام کو تیز رفتار اور چست بنایا گیا، حکومتی نظم ونسق میں پختگی اور بہتری لائی گئی۔ غرض ہندوستان کے اندر یہ پہلی ایسی متحدہ حکومت تھی جو شوکت اور ہرش کے بعد اتنی مضبوطی اور وسعت کے ساتھ قائم ہوئی تھی اور جس نے زندگی کے تمام میدانوں میں اپنے نقوش ثبت کئے اور تہذیب وتمدن کی نئی تاریخ رقم کی۔

دہلی سلطنت کا یہ دور تاریخ میں اس لئے بھی اہمیت رکھتا ہے کہ اس وقت عالم اسلام کے اندر تہذیب وتمدن کے قدیم مراکز ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہے تھے۔ بسے بسائے شہر ویران اور گھنی آبادیاں سنسان بنادی جارہی تھیں، بغداد اور مشرق کے دوسرے بارونق شہروں پر منگولوں کے حملہ سے سینکڑوں برس کی تہذیب وتمدن کی عالیشان عمارتیں زمین بوس اور علمی وفنی ترقیات کے خزانے دریا برد اور نذر آتش ہو رہے تھے۔ ایسے ہمت شکن حالات میں دہلی کی سرزمین پر ایک مضبوط حکومت کا قیام امید اور روشن مستقبل کی ایسی شمع بن گئی تھی جس کی روشنی کی طرف ہر چہار جانب سے اہل علم وفن اور ماہرین کھنچے چلے آرہے تھے، اور دہلی اور ملک کے دوسرے شہر رشک ارم بنتے جارہے تھے۔

اسلامی مطالعات کے طالب علموں کے لئے بھی دہلی سلطنت مخصوص اہمیت رکھتی ہے۔ گو کہ ہندوستان کی سرزمین کے ساتھ اسلام اور دیگر مسلم عربوں کا تعلق بالکل ابتدائے اسلام میں یعنی ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی میں قائم ہوگیا تھا، مغربی اور جنوب مشرقی ساحلی علاقوں میں مسلم آبادیوں کے علاوہ شمال مغرب کے علاقے سندھ اور اس کے اطراف میں مسلم حکومت قائم ہوگئی تھی، جو سیاسی نشیب وفراز کے ساتھ تین صدیوں تک باقی رہی، لیکن شمالی اور مشرقی ہند نیز جنوب کے علاقوں تک اسلام کی آمد میں پانچ صدیاں لگ گئیں۔ اس دوران کچھ طالع آزما افراد ہندوستان کے اندرونی علاقوں میں آندھی طوفان کی طرح آئے لیکن اسی طرح واپس چلے گئے۔ جن لوگوں نے ہندوستان کو اپنا وطن بنایا اور ٹکڑیوں میں بٹی اور آپس میں لڑتی بھڑتی چھوٹی ریاستوں کو ایک متحدہ ومضبوط ہندوستان کی شکل دی اور پھر اس کی تعمیر وترقی اور خوشحالی کے لئے تن من دھن لگادئے وہ محمد شہاب الدین غوری اور اس کے وہ وفادار وجانباز غلام تھے جن سے ہندوستان کی غلام حکومت یعنی خاندان غلاماں کا

آغاز ہوتا ہے۔اور جو دہلی سلطنت کے پر عظمت نام اور شہرت کے بقائے دوام سے مزین ہے۔اس سلطنت کے زیر سایہ امن و عافیت کے ماحول میں علم و ادب، شعر و شاعری، فنون و حکمت، تصوف اور صنعت و حرفت کے ماہرین نے اپنی بہترین خدمات سے ہندوستان کو مالا مال کیا۔ طلبائے اسلامیات کے لئے اس سلطنت میں دلچسپی کا ایک خصوصی میدان یہ بھی ہے کہ یہاں غیر مسلموں بالخصوص ہندوؤں کے ساتھ مسلمانوں کے رہن سہن کی ایک نئی روش قائم ہوئی۔مسلمان اگر چہ حاکم تھے لیکن عوام کی اکثریت ہندوؤں کی تھی اور حکومت و سلطنت میں اشتراک کے ساتھ مختلف معاملات میں ان کے ساتھ میل جول، رہن سہن اور قانونی معاملات میں نئے موقف طے ہوئے۔سندھ میں اگر چہ ایسا ایک تجربہ ہو چکا تھا، لیکن ہندوستان کے وسیع علاقے میں یہ پہلی مثال قائم ہو رہی تھی۔یہ بات قابل فہم ہے کہ باہر سے آنے والی چھوٹی سی اقلیت کے لئے یہاں حکومت قائم کر کے صدیوں تک امن و امان سے رہنا اور ملک کی خوشحالی میں کامیابی کی تاریخ رقم کرنا مقامی غیر مسلموں کے تعاون کے بغیر ناممکن ہے، محبت و ملاپ اور حسن رواداری نیز انصاف و تعاون کی جو خوبصورت مثالیں دہلی سلطنت کے اندر ملتی ہیں، ان سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ تکثیری سماج کے اندر اسلام کے روادارانہ موقف کا بہترین اظہار یہاں ہوتا رہا ہے۔

زیر نظر بلاک میں دہلی سلطنت کی ان ہمہ جہتی خدمات اور کارناموں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔اس موضوع پر انگریزی اور دوسری زبانوں میں کافی کچھ لکھا گیا ہے، اس زمانہ میں چونکہ فارسی زبان رائج تھی اور اہل علم فارسی کے علاوہ عربی زبان میں تصنیفی کام انجام دے رہے تھے، ان دونوں زبانوں میں اس دور کی تاریخ اور ادب کا سرمایہ موجود ہے۔خوشی کی بات ہے کہ ان میں سے بعض کا اردو زبان میں ترجمہ بھی دستیاب ہے۔زیر نظر بلاک کو کہ درسی مواد کے طور پر تیار کیا گیا ہے، لیکن امید کی جاتی ہے کہ اس سمت میں یہ ایک مفید نقش ثابت ہوگا۔

اکائی۔5 دہلی سلطنت کا قیام اور سلاطین

اکائی کے اجزاء

5.1 مقصد

5.2 تمہید

5.3 سلطنت کا قیام

5.4 غلام خاندان

5.4.1 قطب الدین ایبک

5.4.2 شمس الدین التمش

5.4.3 رضیہ سلطان

5.4.4 غیاث الدین بلبن

5.5 خلجی خاندان (1290-1320)

5.5.1 سلطان علاء الدین خلجی

5.6 تغلق خاندان

5.6.1 غیاث الدین تغلق

5.6.2 فیروز شاہ تغلق (1351-1388)

5.7 سید خاندان (1414-1451)

5.8 لودھی خاندان (1451-1526)

5.8.1 سکندر لودھی

5.9 دہلی سلطنت کا کردار اور زوال

5.10 علاقائی حکومتوں کا قیام

5.11 خلاصہ

5.12 نمونے کے امتحانی سوالات

5.12 مطالعہ کے لئے معاون کتابیں

5.1 مقصد

1206 میں قطب الدین ایبک کے ذریعہ دہلی میں قائم ہونے والی سلطنت بتدریج ہندوستان کے بیشتر علاقوں تک وسیع ہوگئی اور

پہلے غلام خاندان پھر خلجی پھر تغلق، پھر سید خاندان اور آخر میں لودھی خاندان نے اس ملک پر حکومت کی ۔سوا تین سو برس تک قائم رہنے والی اس دہلی سلطنت نے ملک کو ایک مضبوط اور مستحکم حکومت دی ۔امن وامان عام کیا، اور عوام کی خوشحالی کے لئے طرح طرح کے منصوبے نافذ کئے ۔اس اکائی کے مطالعہ کے بعد آپ اس بات سے واقف ہو جائیں گے کہ دہلی سلطنت کے نام سے قائم ہونے والی یہ حکومت کس پس منظر میں اور کن لوگوں کے ذریعہ قائم ہوئی ۔مختلف خاندانوں کے وہ کون کون سے سلاطین رہے جنھوں نے یہاں حکمرانی کی ۔ ان کے عہد میں ملک کی کیا صورت حال تھی اور کہاں کہاں تک دہلی سلطنت کے دائرے پہنچ گئے تھے ۔اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ دہلی سلطنت میں حکومت کی منتقلی کس طور پر انجام پاتی تھی، اور سلطنت کی پوری مدت میں حکومت کن نشیب وفراز سے گذرتی رہی ۔آپ کو مطالعہ کے دوران اس بات کا بھی اندازہ ہوگا کہ سلطنت دہلی کے سلاطین نے ہندوستان کو کیا کچھ عطا کیا اور یہاں کی عوام اس سلطنت سے کس طرح مستفید ہو پائی اور ان کی خوشحالی وترقی کے لئے کیا کیا اقدامات کئے گئے ۔

5.2 تمہید

افغانستان کے شہر غزنہ کے قریب علاقہ غور میں غوری حکومت قائم ہوئی جس نے بتدریج غزنوی حکومت کے علاقوں پر قبضہ کرلیا ۔پھر اس نے مشرق کی جانب قدم بڑھائے ۔اس حکومت کا ایک فرمانروا غیاث الدین محمد ہوا ہے، اس کا چھوٹا بھائی اس کا شریک سلطنت ہوا، جو محمد شہاب الدین غوری کے نام سے مشہور ہے ۔ اس نے ملتان اور لاہور سے آگے بڑھ کر اجمیر اور دہلی کے آس پاس تک کے علاقوں کو فتح کیا اور اپنے وفادار غلام جرنیلوں کو وہاں مقرر کیا، ان ہی غلام فوجی سپہ سالاروں میں ایک کا نام قطب الدین ایبک تھا جسے شہاب الدین غوری نے اندرپرست دہلی کا گورنر مقرر کیا تھا ۔ 1206 میں غوری کی وفات کے بعد قطب الدین ایبک نے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا اور اس طرح دہلی سلطنت کی بنیاد پڑی ۔ایبک کے بعد کئی غلام سرداروں اور ان کے خاندان کے افراد نے حکومت کی ۔85 برس کی حکومت کے بعد 1290 میں اس خاندان کی جگہ خلجی خاندان نے لے لی اور جلال الدین فیروز خلجی کے ذریعہ خلجی خاندان کی حکومت شروع ہوئی جو 1320 تک 30 برس رہی ۔ اس خاندان کے زوال کے بعد غیاث الدین تغلق کے ذریعہ تغلق خاندان کی حکومت شروع ہوئی، 93 برس کی حکومت کے بعد 1413 میں تغلق خاندان کا خاتمہ ہوا اور سید خاندان نے اس کی جگہ لے کر 1451 تک یعنی 37 برس حکومت کی ۔دہلی سلطنت کا آخری حکمراں خاندان لودھی تھا جسے بہلول لودھی نے قائم کیا اور 75 برس کی حکومت کے بعد آخری لودھی حکمراں ابراہیم لودھی کی بابر کے ہاتھوں شکست کے بعد 1526 میں یہ حکومت ختم ہوگئی، اور اس طرح پانچ خاندانوں کی حکومت کے خاتمہ کے ساتھ دہلی سلطنت ختم ہوگئی، اور مغلیہ سلطنت نے اس کی جگہ لے لی ۔

زیر نظر اکائی میں دہلی سلطنت کے قیام کی تفصیل اور یہاں حکومت کرنے والے اہم حکمرانوں کی سیاسی وتمدنی کارکردگیوں کا تعارف کرایا جارہا ہے ۔

5.3 سلطنت کا قیام

غزنوی خاندان کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر جب غوریوں نے طاقت حاصل کرلی تو وہ اپنی حکومت کا دائرہ وسیع کرنے لگے، غور کے علاء الدین حسین جہاں سوز کے بعد سیف الدین حکمراں ہوا، اس کے بعد اس کا چچازاد بھائی غیاث الدین اس کا جانشین ہوا، شہاب الدین محمد

غوری جو اس کا چھوٹا بھائی تھا شریک سلطنت بنا۔شہاب الدین غوری نے اپنی ترک تازیوں کا میدان مشرق کو بنایا، پہلے اس نے 1175 میں ملتان پر حملہ کیا، پھر اوچ کو فتح کیا۔ 1177 کے گجرات پر حملہ میں اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا، 1186 میں اس نے لاہور کو فتح کیا اور 1189 میں بھٹنڈہ پر بھی قبضہ کرلیا، یہاں سے وہ غزنی واپس لوٹ رہا تھا تو دہلی کا راجہ پرتھوی راج چوہان مزاحم ہوا۔ترائین کے میدان میں 1191 میں چوہان کے ساتھ غوری کا مقابلہ ہوا جس میں غوری نے شکست کھائی ۔اگلے سال 1192 میں وہ پوری تیاری کے ساتھ آیا اور اسی ترائین کے میدان میں پرتھوی راج چوہان کو شکست دی۔اس طرح دہلی اور اطراف کا علاقہ شہاب الدین غوری کے قبضہ میں آ گیا۔اس جنگ میں چوہان کی قوت بالکل ختم ہوگئی اور غوری نے اس کے بعد ہانسی، کہرام اور سرستی وغیرہ پر بھی قبضہ کرلیا۔غوری اس کے بعد غزنیں واپس چلا گیا، البتہ اس نے دہلی پر اپنے وفادار غلام قطب الدین ایبک کو مقرر کیا، جس نے 1194 میں علی گڑھ کو بھی فتح کرلیا۔1195 میں غوری دوبارہ ہندوستان آیا، اس بار قنوج کے راجہ جے چند سے اس کا مقابلہ ہوا، اٹاوہ کے پاس راجہ نے شکست کھائی، اور بنارس تک کا ملک غوری کے قبضہ میں آ گیا۔1206 میں شہاب الدین غوری کھوکھروں کا فساد ختم کر کے غزنیں واپس جا رہا تھا کہ راستہ میں کسی اسماعیلی کھوکھر نے اس پر حملہ کر کے شہید کر ڈالا۔

شہاب الدین غوری کی وفات کے بعد قطب الدین نے 1206 میں اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا۔اس نے پہلے دہلی کو اپنا مرکز بنایا، پھر جلد ہی لاہور منتقل ہوگیا، اور اسے اپنا پایہ تخت بنالیا۔اور اس طرح دہلی سلطنت کی بنیاد پڑ گئی' اور قطب الدین ایبک دہلی سلطنت کا بانی قرار پایا۔1210 تک ایبک نے اپنے چار سالہ دور میں سلطنت کے استحکام اور وسعت پر توجہ دی۔ساتھ ہی اپنے آقا شہاب الدین غوری کی طرح خود اس نے بھی اپنے وفادار اور قابل غلاموں کی عمدہ تربیت کی، جنھوں نے دہلی سلطنت کی بنیادوں کو مضبوط کرنے اور اس کے دائرے کو وسیع کرنے میں بہترین کارنامے انجام دئے۔

دہلی سلطنت کا پہلا حکمراں خاندان قطب الدین ایبک کا خاندان تھا، اسکے بعد ایبک کے غلام شمس الدین التمش اور اس کے افراد خاندان نے حکومت کی، اس خاندان کے بعد التمش کے غلام غیاث الدین بلبن اور اس کے خاندان کے افراد نے حکومت کی۔ان غلاموں کی وجہ سے دہلی سلطنت کے اس پہلے حکمراں خاندان کو خاندان غلاماں بھی کہتے ہیں۔غلام خاندان کے بعد یکے بعد دیگرے خلجی، تغلق، سید اور لودھی خاندانوں نے تین سو برس تک اس حکومت کو برقرار رکھا۔یہ سارے حکمراں سلطان کہلاتے تھے، اسی لئے یہ پوری حکومت سلطنت کے نام سے مشہور ہوئی، اور شہر دہلی جو اس سلطنت کا پایہ تخت رہا، اس کی نسبت سے دہلی سلطنت کہلاتی رہی۔

5.4 غلام خاندان

دہلی سلطنت کا پہلا حکمراں خاندان غلام خاندان کہلاتا ہے۔شہاب الدین غوری کا وفادار اور قابل اعتماد جرنیل قطب الدین ایبک نہ صرف دہلی سلطنت کا بانی ہے، بلکہ غلام خاندان کی حکومت کی بنیاد بھی رکھنے والا وہی ہے۔چونکہ یہ غلام سلطان شہاب الدین سے وابستہ تھے جو معز الدین نام رکھتا تھا، اس لئے یہ معزی بھی کہلاتے تھے۔اس خاندان نے 1206 سے 1290 تک تقریبا ایک صدی ہندوستان پر حکومت کی، اور اس قابلیت کے ساتھ حکمرانی کی کہ آئندہ دو صدیوں تک دہلی سلطنت برقرار رہی۔اس خاندان کے پہلے حکمراں قطب الدین ایبک نے اور اس کے جرنیلوں نے تقریبا پورے شمالی ہندوستان یعنی لاہور، سندھ، سروتی، کہرام، ہانسی، دہلی، اجمیر، قنوج اور بنارس سے لے کر بہار و بنگال تک

کے علاقوں پر مسلم سلطنت کا پرچم لہرایا۔ان علاقوں میں حکومت کا مستحکم نظام اور امن وامان قائم کردیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ غیر مسلم اکثریت کے دلوں کو فتح کرلیا۔ایبک نے ہی علم وادب کی شاندار محفلیں آراستہ کیں اور اس کا اس قدر اہتمام کیا کہ دنیا بھر کے باکمال اور اہل فن لاہور اور دہلی کی طرف کھنچ کر آنے لگے۔اس خاندان میں کل دس سلاطین ہوئے،جن میں زیادہ شہرت وناموری اور سلطنت کے استحکام میں حسن کارکردگی ایبک،التمش،رضیہ سلطانہ اور غیاث الدین بلبن کے حصہ میں آئی۔ذیل کی سطروں میں ان کا مختصر تعارف دیا جارہا ہے۔

5.4.1 قطب الدین ایبک

قطب الدین ایبک ترکستان میں پیدا ہوا تھا،بچپن میں اسے غلام کے طور پر نیشاپور میں فروخت کردیا گیا تھا۔یہ قطب الدین کی خوش قسمتی تھی کہ اسے بچپن میں ہی علم وفضل سے آراستہ گھرانہ ملا۔نیشاپور کے قاضی فخر الدین کوفی نے قطب الدین کو خریدا،قاضی صاحب امام ابو حنیفہ کی اولاد میں سے تھے اور اپنے علاقہ کے حاکم بھی تھے،ان کا گھرانہ علم وفضل سے معمور تھا،انھوں نے ایبک کو بھی اچھی دینی تعلیم دی،اور اپنے بچوں کی طرح اس کی تربیت پر توجہ دی۔ایبک نے کلام پاک کی ایسی تعلیم پائی کہ قرآن خواں کے نام سے مشہور ہوگیا،اس نے لکھنا پڑھنا سیکھا اور دوسرے آداب وکمالات میں اچھی مہارت حاصل کرلی،نیز سواری اور تیراندازی کی بھی تعلیم پالی۔قاضی فخر الدین کی وفات کے بعد ان کے لڑکوں نے قطب الدین کو کسی تاجر کے ہاتھ فروخت کردیا،جس سے سلطان معز الدین غوری نے اسے بڑی قیمت دے کر خرید لیا۔اس کی چھوٹی انگلی ٹوٹی ہوئی تھی،اس لئے وہ قطب الدین ایبک شل (ٹوٹی انگلی) کہلانے لگا،اور آگے چل کر صرف ایبک سے مشہور ہوگیا۔قطب الدین ابتداء سے فیاض طبیعت کا مالک تھا،اپنے آقا سے ملنے والے انعامات کو بھی ادنی غلاموں میں تقسیم کردیا کرتا تھا۔اس کی بلند حوصلگی اور فیاضی سے خوش ہوکر سلطان شہاب الدین نے اسے اپنے امراء میں شامل کرلیا،پھر بتدریج ترقی کرتا ہوا وہ امیر آخور کے عہدہ پر فائز ہوگیا،اپنے آقا کے ساتھ فوج کشی میں بھی وہ اپنی شجاعت کی خوب داد دیا کرتا تھا۔

1192ء / 587ھ میں جب شہاب الدین اجمیر اور دہلی کو فتح کرنے کے بعد 1193 میں غزنی واپس ہونے لگا تو اس نے قطب الدین کو کہرام اور سامانہ کا اقطاع دار اور ہندوستانی مقبوضات کا نائب مقرر کردیا۔ہندوستان میں قطب الدین کی انتظامی اور فوجی سرگرمیوں کا یہیں سے آغاز ہوتا ہے۔اس نے دہلی کو اپنا مرکز بنایا اور نہ صرف مقبوضہ علاقوں کا اچھا انتظام کیا اور ان پر اپنا قبضہ برقرار رکھا،بلکہ آگے بڑھ کر میرٹھ اور علی گڑھ کو بھی فتح کرلیا۔1193 میں شہاب الدین نے اسے غزنیں بلا کر اس کے کارناموں کی داد دی،اور انعامات سے نوازا،غزنیں سے واپس آکر قطب الدین نے اپنی انتظامی اور فوجی سرگرمیاں جاری رکھیں۔1194 میں سلطان شہاب الدین غوری قنوج اور بنارس کے راجہ جے چند سے مقابلہ کے لئے ہندوستان آیا تو قطب الدین نے اس موقع پر نہ صرف فوجی ساز وسامان بہم پہنچائے بلکہ غوری کی فوج کا پیشرو لشکر بن کر اس مقابلہ میں بہترین کارنامے انجام دئے۔سلطان شہاب الدین نے اس جانبازی سے متاثر ہوکر اسے اپنا فرزند بنایا اور فرمان فرزندی عطا کیا۔بنارس اور قنوج کی فتح سے شمالی ہند کا بڑا علاقہ غوری کے ماتحت آگیا۔اس کے ساتھ ہی قطب الدین کے ایک فوجی سالار محمد بن بختیار خلجی نے بہار اور بنگال میں اپنی فتوحات کا پرچم لہرایا اور 1202 میں اس نے تبت کے پہاڑی علاقوں تک اپنی ترک تازیاں پہنچادیں۔گوکہ تبت کے دشوار گذار پہاڑی علاقوں میں اسے کافی فوجی اور جانی نقصان اٹھانا پڑا لیکن بہار اور بنگال کے علاقے تک اس کی بلند ہمتی نے دہلی سلطنت کی وسعت قائم کردی اور تقریباً تمام شمالی ہندوستان پر مسلم سلطنت کی عملداری قائم ہوگئی۔

شہاب الدین غوری کی وفات کے بعد غزنیں میں سلطان محمود بن غیاث الدین تخت کا وارث بنا تو اس نے قطب الدین کو سلطان کا خطاب، امارت با دشاہی اور آزادی کا فرمان بھیجا۔ قطب الدین اپنے آقا کے خاندان سے ملنے والی اس خلعت اور فرمان آزادی کو حاصل کرنے کے لئے دہلی سے آگے بڑھ کر لاہور آیا اور اس اعزاز کا استقبال شایان شان انداز سے کیا۔ پھر لاہور میں ہی وہ آزاد سلطان کے طور پر ذی قعدہ 602ھ مطابق جون 1206ء میں تخت نشین ہوا۔ اور ہندوستان کی سیاسی، تمدنی اور علمی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوگیا۔

قطب الدین ایبک نے لاہور کو مرکز بنا کر چار برس حکومت کی، اس مختصر مدت میں اس نے اپنی مقبوضات کے اندر بہترین نظم ونسق قائم کر دیا۔ ایبک جس طرح حوصلہ مند فوجی تھا، اسی طرح دور اندیش اور قابل منتظم بھی تھا۔ اپنی سلطنت میں اس نے امن وامان قائم کر دیا، ڈاکہ اور لوٹ مار کا خاتمہ کر دیا، وہ بڑا منصف مزاج اور عطا پرور تھا۔ مظلوموں کی دادرسی اور انصاف کا قیام اس نے اپنا فرض منصبی سمجھا اور عدل نوازی کی بہترین روایت قائم کر دی۔ داد ودہش اور انعامات دینے میں وہ بڑا فراخدل واقع ہوا تھا۔ اپنی فیاضی اور سخاوت کی وجہ سے وہ لکھ بخش سے مشہور ہوگیا تھا، علمی اور ادبی سرپرستی اس نے دل کھول کر کی۔ چنانچہ اس کے دربار سے کئی بڑے شعراء وابستہ رہے اور اہل فضل وکمال کی قدردانی ہوتی رہی۔ قطب الدین ایبک اوصاف حمیدہ کا حامل تھا۔ مذہب کا احترام اور شریعت نوازی اس کے مزاج کا حصہ تھی۔ تخت نشیں ہونے کے بعد غیر شرعی وصولی بند کرادی، مسلمانوں کی زندگی کی تشکیل شرعی نہج پر کرنے کی کوشش کی، سنت کی پیروی کرنے کا ماحول بنایا اور تمام نامشروع بدعتیں دور کر دیں۔ اس نے اجمیر اور دہلی میں مسجدیں بنوائیں۔ دہلی کا قطب مینار اسی کی یادگار ہے، جو دراصل مسجد قوت الاسلام کے مینارہ کے طور پر بنوایا گیا تھا۔ قطب الدین ایبک چوگان کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر پڑا اور 1210 میں وفات پائی۔

5.4.2 شمس الدین التمش

صرف چار سال کی حکومت کے بعد اچانک قطب الدین ایبک کی وفات ہوگئی تھی، اس کے انتقال پر امراء نے اس کے لڑکے آرام شاہ کو تخت نشیں کیا۔ یہ وقت حکومت کے لئے بڑا مشکل اور چیلنجز سے بھرا تھا، ہندوستان میں ابھی نئی حکومت کے قیام پر مختصر عرصہ ہی گذرا تھا۔ آرام شاہ نئی صورت حال کو پوری طرح قابو میں نہیں رکھ سکا، اور جگہ جگہ علاقائی امیروں نے خودمختاری کے خواب دیکھنے شروع کر دئے۔ داخلی اور بیرونی دونوں سطحوں پر کئی چیلنجز پیدا ہو گئے تھے۔ قطب الدین ایبک کا ایک قابل اور با اعتماد غلام شمس الدین التمش تھا، اپنی فوجی صلاحیت، اعلی انتظامی قابلیت اور جرأت وحوصلہ مندی کی وجہ سے قطب الدین ایبک نے اسے اپنا داماد بنایا تھا، اور اس کے کارناموں سے خوش ہوکر اسے پروانہ آزادی بھی عطا کر چکا تھا۔ وہ گوالیار کا امیر، پھر بدایوں کا مقطع رہ چکا تھا۔ ملک کی نئی صورت حال میں وہ امیروں کے مشورہ پر جلد دہلی آیا اور اپنی حکمرانی کا اعلان کر دیا۔ لاہور کی شاہی فوج کے ساتھ مقابلہ میں اسے کامیابی حاصل ہوئی۔ ایک برس سے کم مدت میں ہی آرام شاہ معزول کر دیا گیا۔ التمش بہت سی خوبیوں کا مالک تھا، تاریخوں اور تذکروں میں اسے بہادر سپاہی، بیدار مغز حکمراں، برگزیدہ ولی اللہ اور جلیل القدر اہل علم کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ وہ سیاسی ہوشمندی اور سپہ گری کے ساتھ عشق الٰہی اور علم نوازی میں بھی اپنی مثال آپ تھا۔ وقت کے بزرگوں کی خدمت اور قدم بوسی اس نے اپنا وطیرہ بنائے رکھا، مشائخ کبار نے بھی اس کی شان میں اونچے کلمات ارشاد فرمائے ہیں۔ خواجہ بزرگ اجمیری، خواجہ بختیار کاکی، شیخ جلال الدین تبریزی، شیخ بہاؤالدین ملتانی، قاضی حمیدالدین ناگوری جیسے مشائخ کبار کے ساتھ اس نے گہرے عقیدت مندانہ مراسم رکھے۔ عالم اسلام کے دگرگوں حالات کی وجہ سے وقت کے بڑے بڑے علماء اور اصحاب فضل ہندوستان کا رخ

کررہے تھے،التمش نے ان کی قدر دانی کی ،شیخ نورالدین مبارک غزنوی، قاضی منہاج الدین سراج اور دیگر علماء اس کے دربار کی زینت تھے۔ اس کے دستر خوان پر اور سفر میں سینکڑوں علماء اس کے ساتھ ہوتے ،جن سے وہ ملکی نظم ونسق ،حکمرانی کے نظریہ نیز علمی مسائل پر گفتگو کرتا،اوران کی نصیحتوں اور رایوں کو قبول کرتا۔اس کا وزیر نظام الملک جنیدی بھی بڑا عالم وفاضل اور علم وفضل کا قدر داں تھا۔التمش نے دہلی میں دو مدرسے معزیہ اور ناصریہ قائم کئے تھے جہاں سے بڑے علماء وابستہ رہے۔بدن میں بھی اس نے مدرسہ قائم کیا تھا۔ملکی نظام میں اس نے ملکی مصالح اور شریعت کے احکام کے درمیان توازن رکھنے کی کوشش کی۔ایک موقع پر علماء کی ایک جماعت نے غیر مسلموں کے تئیں التمش کی بعض پالیسیوں پر شرعی نقطہ سے اعتراض کیا تو التمش نے اپنے وزیر جنیدی کے ذریعہ انھیں ملکی مصالح اور ہندوستان کے مخصوص حالات کے بارے میں بات کر کے مطمئن کرایا۔التمش نے خواجہ قطب الدین کاکی کے مشورہ سے جگہ متعین کر کے عوامی سہولت کے لئے حوض شمسی بنوایا۔اس نے قطب الدین ایبک کے شروع کردہ قطب مینار کی تعمیر مکمل کرائی۔اپنے ان سب کارناموں کی وجہ سے وہ نہ صرف دہلی سلطنت کی تاریخ میں بلکہ عمومی تاریخ میں اپنا نام روشن کر گیا ہے۔

5.4.3 رضیہ سلطان

سلطان شمس الدین کی وفات کے بعد اس کی اولاد میں خانہ جنگی شروع ہوگئی،اور دس سال کے عرصہ تک سیاسی حالات غیر مستحکم رہے۔التمش نے اپنی مدد اور مشاورت کے لئے چالیس امیروں پر مشتمل مجلس چہلگانی بنائی تھی جو امور سلطنت میں بادشاہ کے لئے دست وبازو تھی،لیکن یہ مجلس اب اتنی طاقت ور ہوگئی تھی کہ یہی بادشاہ بناتی اور بادشاہت ختم کرتی تھی۔دس سال کے عرصہ میں تخت سلطنت پر چار بادشاہ آئے اور گئے۔جب 1246 میں التمش کا سب چھوٹا لڑکا صوفی صفت اور خدا ترس بادشاہ ناصرالدین محمود تخت نشین ہوا اور اس نے اپنے وزیر باتدبیر بلبن کو سلطنت کے سیاہ وسپید کا مالک بنا کر خود گوشہ نشین ہوگیا تب بلبن کے آہنی ہاتھوں اور پر ہیبت نظریات نے سلطنت کو استحکام بخشا۔

التمش کے بعد خانہ جنگی میں اس کا منجھلا لڑکا رکن الدین فیروز شاہ حریفوں پر غالب آیا اور تخت نشیں ہوا،لیکن صرف سات ماہ کی مدت کے بعد اسے قتل کر دیا گیا اور التمش کی بیٹی رضیہ سلطان تخت نشین کی گئی۔

رضیہ سلطان ہندوستان کی پہلی حکمراں خاتون ہے۔یہ 1246ء/634ھ میں تخت دہلی پر بیٹھی۔اس کے اندر حکمرانی کے تمام اوصاف موجود تھے،وہ التمش کی اولاد میں سب سے زیادہ قابل ولائق تھی۔عقلمند، بہادر،بلند ہمت اور معاملہ فہم خاتون تھی،اس نے اعلی تعلیم وتربیت بھی پائی تھی،اسی لئے التمش نے اسی کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا۔وہ اپنے باپ کے زمانہ میں ملکی معاملات میں دخل دیا کرتی تھی اور فرمانروائی کیا کرتی تھی،رضیہ نے تخت نشین ہونے کے بعد حبشی غلام یاقوت کو اہم عہدہ پر فائز کیا،لیکن امراء چہلگانی میں سے بعض جو رضیہ کی حکومت کو اس کے عورت ہونے کی بنا پر پسند نہیں کرتے تھے،اس کے مخالف ہوگئے۔التمش کا وزیر نظام الملک جنیدی بھی مخالف تھا۔رضیہ کے خلاف بغاوت کر دی گئی،اور مقابلہ میں رضیہ گرفتار ہو کر تبرہندہ میں قید کر دی گئی۔رضیہ نے اپنی دانشمندی سے کام لیتے ہوئے جیل کے محافظ التونیہ کو اپنے ساتھ ملالیا اور اس سے شادی کر لی،اور مقابلہ کے لئے نکلی لیکن میدان جنگ میں شکست کھائی اور راستہ میں کسی نے اسے قتل کر دیا۔رضیہ کے بعد اس کا بھائی معزالدین بہرام شاہ دو برس حکمراں رہا،پھر التمش کا پوتا اور رکن الدین فیروز شاہ کا بیٹا علاء الدین مسعود شاہ تخت نشین کیا گیا،جس نے چار برس حکومت کی۔پھر 1246 میں التمش کا سب سے چھوٹا بیٹا ناصرالدین محمود تخت نشین ہوا۔

رضیہ سلطان نے چار برس حکومت کی، اس کے عہد میں گو سیاسی طور پر انتشار رہا، لیکن اس نے بیدار مغزی اور جرأت کے ساتھ حکومت کی۔ وہ مردانہ لباس پہن کر دربار لگاتی، جنگوں میں فوج کی قیادت کرتی، اس نے ملک کے اندر بغاوتوں پر قابو پایا اور امن وامان کو برقرار رکھا۔ رضیہ کے دور میں علمی کام بھی انجام پائے، طبقات ناصری کے مصنف منہاج سراج نے اسے عالم نواز لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی طرف سے علم وادب کی سرپرستی اور قدر دانی جاری رہی۔ خود قاضی منہاج سراج رضیہ کے عہد میں ہی کوالیار سے دہلی آئے تو رضیہ نے انھیں مدرسہ ناصریہ کا مہتمم بنایا۔ مشہور عالم ومحدث اور حدیث کی کتاب مشارق الانوار کے مصنف شیخ حسن صغانی ایک مرتبہ خلیفہ بغداد کی طرف سے سفیر بن کر رضیہ کے عہد میں ہندوستان آئے تھے اور یہاں کچھ عرصہ قیام کر کے بغداد واپس گئے۔ رضیہ کے عہد کا ایک اہم واقعہ رنوتر ک کی سربراہی میں دہلی پر قرامطہ کا حملہ ہے جس میں انھوں نے جمعہ کے دن مسجد اور مدرسہ کے اندر قتل وخون کا بازار گرم کیا اور بہت سارے مسلمان مقابلہ میں مارے گئے۔

5.4.4 غیاث الدین بلبن

بلبن ہندوستان کے نامور بادشاہوں میں سے ایک ہے۔ اس نے دہلی سلطنت کو وقار واعتبار عطا کیا اور اپنے مخصوص طرز حکومت اور مضبوط انتظامی وعدالتی نظام کے ذریعہ ملک میں بغاوت کے تصور کو بھی ختم کرنے میں کامیابی حاصل کر لی، اور مفسدوں و رہزنوں کی بدامنی سے عوام کو راحت دلا دی، نیز منگولوں کی ناقابل شکست فوجوں کو سرحدی علاقوں میں ہی کراری شکست دے کر ہندوستان کی طرف رخ کرنے کی ان کی ہمت توڑ کر رکھ دی۔

بلبن بھی التمش کی طرح ترکستان کے البری قبیلہ کا ایک ترک امیر زادہ تھا، اس کا باپ البری ترک کے دس ہزار خاندانوں کا سردار تھا۔ چنگیز خانی حملہ میں وہ مغل سپاہی کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور بغداد میں لا کر بیچ دیا گیا۔ یہاں خواجہ جمال الدین بصری نے اسے خریدا اور اپنے فرزند کی طرح اس کو تعلیم وتربیت دی۔ اسی گھرانہ میں بلبن کی مذہبی تربیت ہوئی، خواجہ جمال نے اسے دہلی لا کر سلطان شمس الدین التمش کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ التمش نے بلبن کی تربیت پر خصوصی توجہ دی اور اس کے اندر عظمت کے آثار دیکھ کر اسی کو اپنا خاصہ دار یعنی ذاتی محافظ مقرر کر دیا۔ بلبن کا بھائی کشلی خان پہلے سے التمش کے دربار میں تھا، اور ترقی کر کے امیر حاجب کے عہدہ پر مامور تھا۔ یہاں بلبن کی عزت ووقعت میں اضافہ ہوتا گیا۔ شروع میں اس نے ایک معمولی سپاہی، اور بہشتی کا کام کیا، پھر رفتہ رفتہ میر شکار بنا اور چہل گانی امراء میں داخل ہو گیا، بلبن کے اندر پیدا ہونے والے مذہبی رنگ میں التمش کی ان مجلسوں کا اہم رول ہے جو وہ اپنے دربار میں علماء اور مشائخ کیساتھ منعقد کرتا تھا' اور بلبن ان سے استفادہ کرتا تھا۔ التمش کے بعد پیدا ہونے والی سیاسی رسہ کشی میں بلبن نہ تو رکن الدین فیروز شاہ کی حمایت کرنے والے گروہ میں تھا، نہ رضیہ سلطان کی اس نے حمایت کی، جس کی وجہ سے وہ قید وبند کا شکار بھی ہوا، لیکن جلد ہی اسے قید سے نجات ملی، اور میر شکار کا عہدہ عطا ہوا۔ پھر معز الدین بہرام شاہ کے عہد میں اس کا رتبہ اور بڑھ گیا، اور وہ امیر آخور یعنی داروغہ شاہی اصطبل مقرر ہوا، پھر اسے ریواڑی کی جاگیر عطا ہوئی۔ یہاں اس نے نہ صرف میواتیوں کی سرکشی کو فرو کیا بلکہ اپنی جاگیر کا اچھا انتظام کیا۔ علاء الدین مسعود کے زمانہ میں بلبن امیر حاجب کے عہدہ پر مقرر ہوا اور اسی زمانہ میں دوآبہ کی فوجی مہم میں مغلوں کے حملہ کو روکنے میں زبردست خدمات انجام دیں جس سے اس کی سپہ گری اور فوجی قابلیت کی دھاک بیٹھ گئی۔ ناصر الدین محمود کے زمانہ میں بلبن کو الغ خاں کا خطاب اور وزارت عطا کی گئی اور وہ نائب الملک بن کر پوری سلطنت پر

حکومت کرنے لگا۔ناصرالدین محمود درویش صفت بادشاہ تھا، اس نے بادشاہی کے تمام اختیارات اپنے وزیر اور خسر الغ خاں کے سپرد کردئے اور خود گوشہ نشیں ہوگیا، اس نے بلبن سے کہا:

''اپنے تمام اختیارات کا باگ ڈور تمہارے ہاتھ میں دیتا ہوں، لیکن کبھی تم کوئی ایسا کام نہ کرنا کہ کل خدا کے حضور میں اس کا جواب نہ بن پڑے اور اپنے ساتھ مجھ کو بھی شرمندہ کرو''۔

بلبن نے بیس برس تک نائب الملک بن کر حکومت کی۔اس دوران اس نے پنجاب میں کھوکھروں کی بغاوت فرو کی، دوآبہ کو سلطنت کے تابع کیا، اور رنتھمبور کی تسخیر کی، اور گوالیار، چنڈیری اور مارواڑ کی فتوحات حاصل کیں۔اس نے اندرونی نظم کو بھی مستحکم بنایا۔ 1259 اور 1260 میں دو مغل حملوں کا کامیاب مقابلہ کیا، راجپوت راجاؤں کو بھی اس عرصہ میں قابو میں رکھنے کی کوشش کی۔

1260 میں ناصرالدین محمود لاولد مرا تو بلبن کی سیاسی بصیرت اور سپہ گری کا سکہ اتنا جم تھا گھا کہ امراء نے بالاتفاق اسے تخت شاہی پر بٹھایا۔بادشاہ بننے کے بعد اس نے سلطان کے دبدبہ اور سطوت کو ایسے اونچے مقام تک پہنچادیا کہ اس سے زیادہ تصور مشکل ہے۔چہل گانی امراء کی طاقت توڑدی تاکہ کسی اندرونی خطرہ کا امکان باقی نہ رہے۔دربار کی شان وشوکت اور آداب شاہی کا اعلی معیار قائم کردیا، اس کے دربار میں تقریباً پندرہ شاہزادے ایسے تھے جو مغل حملوں اور بربادی کی وجہ سے عالم اسلام کے مختلف علاقوں سے آکر پناہ گزیں ہوگئے تھے۔ان میں سے صرف دو عباسی شاہزادوں کو دربار میں بیٹھنے کی اجازت تھی۔باقی شاہزادے کھڑے رہا کرتے تھے۔امراء میں سے کسی کو دربار میں مذاق اور ہنسی کی مجال نہ تھی۔بلبن اپنے وقار اور دربار کے آداب کا بذات خود اتنا اہتمام کرتا کہ نج کے ملازموں کے سامنے بھی کبھی مکمل شاہی لباس کے بغیر نہیں آتا۔

بلبن نے مغل حملوں کو روکنے کے لئے مغربی سرحدوں پر مضبوط قلعے تعمیر کرائے، اپنے بیٹوں محمد اور بغرا خاں کو وہاں مقرر کیا، شاہراہوں اور راستوں کی تعمیر کرائی، دہلی اور اس کے اطراف میں میواتیوں کی ڈاکہ زنی کو روکنے کے لئے اس نے ان جنگلات کو صاف کرایا جہاں وہ چھپ جایا کرتے تھے۔راستوں کو درست کرایا اور جگہ جگہ مضبوط تھانے قائم کردئے، اور ڈاکوؤں کو سخت ترین سزائیں دیں۔

بلبن کے عہد میں طغری خاں نے بنگال میں بغاوت کی اور شاہی فوج کو شکست دیدی تو بلبن خود ایک بڑے لشکر کے ساتھ نکل کھڑا ہوا، طغری خاں کو قرار واقعی سزا دی اور اپنے بیٹے بغرا خاں کو وہاں کا گورنر مقرر کردیا جس کے بعد داخلی امان اور مستحکم ہوگیا۔

بلبن بڑا مذہبی اور علم وفضل کا قدردان تھا، مشائخ کے ساتھ اس کی عقیدت بہت بڑھی ہوئی تھی، وہ اپنے تمام شاہی کروفر اور آداب کے باوجود ہر جمعہ کو بزرگان دین کی خدمت میں حاضری دیتا، ان کے وعظ سننے جاتا، راستے میں اگر کہیں وعظ کی محفل ہوتی تو وہیں سواری سے اتر کر عام آدمی کی طرح بیٹھ جاتا۔اس عہد کے بڑے مشائخ اور علماء نے بھی بلبن کی بڑی تعریف کی ہے۔خواجہ نظام الدین اولیاء اس کا نام دعائیہ کلمات کے ساتھ لیتے ہیں اور اس کی عبادت وراسخ العقیدگی کی تعریف کرتے ہیں۔اس عہد میں بابا گنج شکر، خواجہ علی چشتی، شیخ بہاؤالدین زکریا، شیخ بدرالدین غزنوی، شیخ ابوالمؤید نظام الدین، شیخ جمال الدین ہانسوی، خواجہ علاءالدین علی بن احمد صابر، سیدی مولہ، شیخ حسام الدین ملتانی، شیخ نجیب الدین فردوسی، اور شیخ ابوبکر طوسی جیسے مشائخ موجود تھے۔علماء وفقہاء میں مولانا برہان الدین بزاز، مولانا کمال الدین زاہد، مولانا برہان الدین محمود بلخی، علامہ نجم الدین عبدالعزیز دمشقی، شیخ سراج الدین ابوبکر، مولانا شرف الدین ولوالجی، مولانا شمس الدین خوارزمی، مولانا فخرالدین

نا قلہ، قاضی جلال الدین کاشانی ،قاضی رفیع الدین گازرونی ،مولانا سراج الدین سجزی اور مولانا منہاج الدین جوزجانی وغیرہ علم وفن کے آفتاب وماہتاب تھے۔ان میں بیش تر کے ساتھ بلبن کا گہرا لگاؤ تھا اور بلبن نے ان کی بڑی قدردانی کی۔

بلبن نے حتی الامکان اپنی سلطنت کو شرعی احکام کے مطابق رکھنے کی سعی کی ،لیکن سیاسی امور اور سزاؤں میں وہ شریعت کی مکمل پابندی نہیں کرپاتا تھا۔جس کا اسے احساس بھی رہا اور وہ کہا کرتا تھا کہ عوام کی بھلائی کا کام کرکے اس کی تلافی کی کوشش کی جاسکتی ہے۔البتہ اس نے حمیت اسلام اور شعائر اسلام کو برقرار رکھنے کی کوشش کی۔بادشاہت سے پہلے بلبن کے اندر جو غیر شرعی عادتیں تھیں ان کو اس نے چھوڑ دیا،اور اپنی سلطنت میں شراب وممنوعات شرعیہ پر روک لگادی۔اس کے عہد میں غیر مسلموں کو بھی پورا عدل وانصاف ملا اور خوشحالی وترقی حاصل ہوئی۔بلبن نے توسیع حکومت کی کوشش نہیں کی ،البتہ اندرونی امن وامان اور خارجی حملہ آوروں سے حفاظت میں پوری کامیابی حاصل کرلی۔اس نے عدل وانصاف کی ترویج میں مذہب اور قرابت داری کو حائل نہیں ہونے دیا۔بلبن نے اپنے دونوں بیٹوں محمد اور بغرا خاں کی تربیت اعلی پیمانہ پر کی تھی۔ خاں محمد کا دربار تو اہل علم وفضل کا مرکز تھا،امیر خسرو اسی دربار سے وابستہ تھے،مغلوں سے مقابلہ میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد نماز پڑھتا ہوا خان محمد شہید ہوا تو بلبن اس صدمہ سے بہت زیادہ متاثر ہوا اور ایک برس بعد اسی غم میں 1286 میں وہ چل بسا۔

معلومات کی جانچ

1۔دہلی سلطنت کی بنیاد کس سنہ میں ڈالی گئی ؟

2۔وزیر نظام الملک جنیدی کس بادشاہ کا وزیر تھا؟

3۔ناصر الدین محمود کے زمانہ میں نائب الممالک کون تھا اور کتنے دن رہا؟

5.5 خلجی خاندان (1290-1320)

غلام خاندان کا آخری فرمانروا معز الدین کیقباد اپنی بداطواری کی وجہ سے اپنے انجام کو پہنچا اور اس کے خاندان میں کوئی قابل نہیں رہ گیا تو ستر سالہ بوڑھے جلال الدین فیروز خلجی نے تاج شاہی اپنے سر پر رکھا۔جلال الدین خلجی افغانستان سے آیا ہوا ترک تھا،فوجی قابلیت میں دھنی ،لیکن حکومت کی باگ سنبھالنے کے بعد انتہائی نرم دل ورحم کرنے والا بن گیا۔اس کے دور میں سرحد پر مغلوں نے حملہ کیا تو جلال الدین نے ان کا مقابلہ کرکے مصالحت کرلی جس کے نتیجہ میں چنگیز خاں کا نواسہ الغوخاں اور چار ہزار مغلوں نے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ اسلام قبول کرلیا اور دہلی میں آباد ہوگئے۔بادشاہ کی نرمی سے فائدہ اٹھا کر رہزنوں اور ڈاکوؤں نے فساد شروع کردیا اور جگہ جگہ سازشیں ہونے لگیں، ملک چھجو کی بغاوت کو بھی جلال الدین نے معاف کردیا،لیکن یہ معافی مہنگی ثابت ہوئی ،جلال الدین کے داماد اور بھتیجہ علاء الدین خلجی نے سازش کرکے اپنے چچا کو قتل کردیا اور خود تخت حکومت پر قابض ہوگیا۔علاء الدین خلجی کا دور حکومت بڑا طویل ،زریں اور نئے نئے تجربات سے آراستہ ہے۔اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔آخر میں علاء الدین کی پیرانہ سالی میں اس کے محبوب سپہ سالار ملک کافور نے اس کے مزاج میں دخل حاصل کرلیا اور حکومت کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں کرکے خاندان خلجی کو تقریبا نابود کردیا،اس خاندان کے آخری بادشاہ قطب الدین مبارک شاہ نے قسمت سے حکومت حاصل کرلی لیکن وہ بھی اپنے محبوب خسرو خاں کے فریب میں گرفتار رہا جس سے حکومت کا نظم ونسق ڈھیلا ہوتا گیا ، بلکہ خسرو

خاں ہی کے ہاتھوں وہ مارا گیا ۔نومسلم خسرو خاں کی اسلام دشمن حرکتوں سے تنگ آ کر دیپال پور کے گورنر غازی ملک نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ خاندان خلجی کا کوئی فرد موجود نہ بچا تھا، نتیجہ حکومت غازی ملک کے خاندان یعنی تغلق خاندان میں منتقل ہوگئی ۔خلجی خاندان میں کل چار بادشاہ ہوئے، اور انھوں نے 1290-1320 تک کل تیس برس حکومت کی ۔جس میں اصل حکومت علاء الدین خلجی کی تقریبا بیس برس رہی ۔اس خاندان میں یہی ایک نامور سلطان گذرا ہے، بلکہ یہ اپنی ناموری میں نہ صرف دہلی سلطنت بلکہ ہندوستان کے چند بادشاہوں میں سے ایک ہے ۔ذیل کی سطروں میں اس نامور سلطان کے بارے میں پڑھئے ۔

5.5.1 سلطان علاء الدین خلجی

علاء الدین خلجی خاندان خلجی کے اولین فرمانروا جلال الدین خلجی کا بھتیجہ اور داماد تھا، اپنے چچا کے بعد تخت سلطنت پر بیٹھا، اور پورے کروفر کے ساتھ طویل عرصہ تک حکومت کی ،اس نے حکومت کا مستحکم نظام بنایا، نئے نئے معاشی تجربے کئے ،سلطنت کے دائرے کو وسیع کیا اور نئے نئے علاقے اپنی سلطنت میں شامل کئے ،دکن کے علاقہ میں پہلی مرتبہ علاء الدین نے ہی فتوحات کا پرچم لہرایا،فوجی محکمہ کو ترقی یافتہ اور مضبوط بنایا، سامان خورد ونوش کی ارزانی کا زبردست انتظام کیا، گو وہ ان پڑھ تھا لیکن اپنی دور اندیشی اور ذہانت کے بل بوتے پر وہ کامیاب حکمراں ثابت ہوا۔

علاء الدین ،جلال الدین کے ایک بھائی شہاب الدین مسعود خلجی کا بیٹا تھا ،اس کی تاریخ پیدائش متعین طور پر معلوم نہیں ہے، بچپن اور جوانی کے ابتدائی حالات پر بھی اخفاء کا پردہ پڑا ہے۔ بچپن میں اسے لکھنے پڑھنے کی تعلیم نہیں مل سکی ،البتہ شہسواری، اسلحہ کے استعمال اور کھیلوں کی باقاعدہ تربیت حاصل ہوئی تھی ۔اس کا چچا جلال الدین غیر متوقع طور پر بادشاہ ہوگیا تھا، جب کڑہ میں ملک چھجو نے بغاوت کی تو علاء الدین ہی نے اس بغاوت کو فرو کیا، اور اپنے چچا کو راضی کر کے کڑہ کا گورنر مقرر ہوگیا ۔علاء الدین آٹھ ہزار سواروں کا دستہ لے کر دکن کے دیوگیر پر حملہ آور ہوا، شمالی ہند کی جانب سے دکن کے علاقہ پر یہ پہلا حملہ تھا، علاء الدین نے اس کے لئے زبردست تیاریاں کی تھیں اور پورے عزم و ہمت کے ساتھ دشوار گذار راہوں کو طے کرتا ہوا یہاں پہنچا اور اسے فتح کرنے کے بعد بے انتہا مال و دولت کے ساتھ واپس ہوا۔دولت کی کثرت اور فوجی قابلیت نے اس کے دماغ پر حکمرانی کا نشہ چڑھا دیا، اس نے تدبیر سے اپنے چچا کو کڑہ بلا کر طے شدہ منصوبہ کے تحت اس کا کام تمام کر دیا، اور دولت کا منہ کھول کر امراء کو رام کرنے کی کوشش کی ۔اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ اس کے سامنے کئی اہم چیلنجز ہیں ۔مغل حملہ آوروں سے ملک کی حفاظت، طاقتور امراء پر غلبہ، ہندو سرداروں کی طرف سے مقابلہ کا خطرہ اور مرکزی اقتدار کی شوکت کی بقاء، چنانچہ اس نے ان چیلنجز سے نبرد آزما ہونے کے لئے مستحکم نظم ونسق ، طاقتور فوج ،مضبوط معیشت، اور اپنے ماتحت قابل اعتماد امراء کی جماعت تیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ دیوگیری پر 1296 میں حملہ اور فتح سے اسے بے اندازہ دولت و مال مل گیا، اور جلال الدین کی حکومت سے غیر مطمئن امراء کا تعاون بھی اسے حاصل ہوگیا، علاء الدین نے اپنے چچا کی نرمی کے نتائج دیکھے تھے کہ نرمی کی وجہ سے کس طرح نظام حکومت درہم برہم ہوگیا' علاء الدین نے اس کے برعکس طریقہ اپنایا۔ 1297 سے 1306 تک اس نے پانچ مرتبہ مغلوں سے مقابلہ کیا اور ان کی یورش و بربادی سے ملک کی کامیاب حفاظت کی اور منگولوں نے علاء الدین کے خوف سے ہندوستان کی طرف رخ کرنے کی جرأت بند کر دی۔

علاء الدین نے سلطنت کے استحکام وتوسیع کی طرف توجہ کی، چنانچہ 1299 میں اس نے گجرات پر قبضہ کیا، 1301 میں رنتھمبور کی تسخیر کی ، پھر راجستھان کی طرف متوجہ ہوا، 1303 میں چتوڑ کو فتح کیا، 1305 میں مانڈو کو زیر بنایا، 1308 میں سیوان اور 1312 میں جالور کو دہلی

سلطنت میں شامل کیا۔اس طرح راجستھان میں اسے وسیع کامیابی حاصل ہوئی۔

علاءالدین کے سپہ سالار ملک کافور نے 1309 میں دوبارہ دیوگیری پر حملہ آور ہوکر بقیہ خراج کی ادائیگی پر اسے مجبور کیا۔پھر دو برس کے بعد اس نے تلنگانہ کی کاکتیہ حکومت کو دہلی کے تابع کیا۔1311-1310 میں وہ جنوب کے دور دراز مقام رامیشورم تک اپنا پرچم لہراتا چلا گیا۔ اس طرح علاءالدین نے بڑی کامیابی کے ساتھ وسطی اور جنوبی ہندوستان کی چھوٹی ریاستوں کو دہلی سلطنت کے زیر تسلط بنالیا۔

علاءالدین مذہبی انسان نہیں تھا،اس نے اصول حکومت اپنے خود بنائے۔اس کے دربار میں علماء کو وہ مقام حاصل نہیں تھا جو سابق حکمرانوں کے یہاں انھیں ملتا رہا تھا،لیکن وہ علماء کا احترام کرتا اور ان سے مسائل بھی پوچھتا اور ان کے مشورہ کو قبول بھی کرتا تھا۔قاضی مغیث سے اس نے غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ، بیت المال کی حیثیت اور اپنی سزاؤں کے بارے میں شرعی احکام پوچھے۔وہ شیخ محبوب الٰہی کا معتقد تھا اور خواجہ نظام الدین اولیاء سے ملنے کا خواہش مند رہا۔اس نے اپنی حکومت میں غیر مسلموں کو بھی شامل کیا۔علاءالدین نے یہ محسوس کر کے کہ امراء اپنی نجی محفلوں میں شراب پیتے ہیں اور بے عقلی میں حکومت کے خلاف سازشیں کر سکتے ہیں،اس نے خود بھی شراب چھوڑ دی اور اپنی سلطنت میں شراب ونشہ آور اشیاء کی صنعت اور فروخت پر پابندی لگادی اور لوگوں کو شراب پینے سے منع کر دیا۔

علاءالدین نے معاشی اصلاحات میں بھی دلچسپی لی،اس نے زمینوں کی پیائش کرائی، پیداوار کے تخمینے لگوائے اور اسی حساب سے زمینوں پر ٹیکس مقرر کئے،اس نے مدد معاش دینے کا سلسلہ بند کر دیا،اور ایسی زمینیں سرکاری تحویل میں لے لیں جس سے سرکاری زمینیں جو خالصہ کہلاتی تھیں بڑی تعداد میں حاصل ہوگئیں۔پیداوار کا ٹیکس غلہ اوراناج کی شکل میں اصول کرایا اور اسے سرکاری گودام میں رکھوا کر قحط کے موقعوں پر اور دوسرے مواقع پر کم قیمت میں فراہم کرایا۔اس نے بازار کے نرخ کی تعیین کرائی اور نہایت سختی سے اس کی پابندی کرائی،جس کی وجہ سے غلے اوراناج بے انتہا سستے ہوگئے۔نرخوں کی نگرانی کے لئے اس نے ایک مارکٹ سپرنٹنڈنٹ مقرر کیا جو اپنی ٹیم کے ساتھ نرخ پر نظر رکھتا، اور خلاف ورزی کرنے والوں کو نہایت ظالمانہ سزائیں دلواتا۔

علاءالدین ایک کامیاب فوجی تھا،اس نے یہ محسوس کرلیا کہ ایک مستحکم حکومت کی برقراری کے لئے مضبوط اور طاقتور فوج کا ہونا ضروری ہے،چنانچہ اس نے سرکاری فوج تیار کی،جس کی تقرری براہ راست مرکزی حکومت کرتی اور اسے نقد تنخواہ ادا کی جاتی۔نقد تنخواہ کا یہ طریقہ بھی علاء الدین کا اختراع تھا،اس نے گھوڑوں کو داغنے کا طریقہ بھی جاری کیا تا کہ ان کی شناخت رہے،کہا گیا ہے کہ سرکاری رجسٹر میں درج سرکاری فوج کی تعداد چار لاکھ پچھتر ہزار تھی،جن کو تنخواہیں اور غلہ جات کی ادائیگی حکومت کرتی تھی۔

علاءالدین ایک کامیاب بادشاہ اور مدبر منتظم تھا،اس نے ملک کو وسیع اور مستحکم بنایا،سری شہر بسایا،قطبی مسجد میں توسیع کرائی،اور اس میں ایک دروازہ کی تعمیر کرائی جو علائی دروازہ کہلاتا ہے،قطب مینار کے مقابل ایک اور مینار کی تعمیر شروع کرائی جو نامکمل رہ گئی۔وہ اگرچہ ان پڑھ تھا لیکن اس کے دربار سے اہل کمال وشعراء وابستہ رہے،امیر خسرو بھی اس دور میں تھے۔

5.6 تغلق خاندان

ملک کی ابتر صورت حال اور بالخصوص خسرو خاں کے اقدامات نے دہلی سلطنت کے امراء کو بے چین کر دیا تھا۔دیپال پور کے گورنر غازی

ملک نے اس صورت حال میں اقدام کا فیصلہ کیا، کئی ہم خیال امراء کو ساتھ لے کر اس نے دہلی پر حملہ کیا اور خسرو خاں کو شکست دی، ملک کافور، قطب الدین خلجی اور پھر خسرو خاں نے خلجی خاندان کا کوئی فرد زندہ باقی نہ رکھا تھا۔ ناچار غازی ملک نے غیاث الدین تغلق کے لقب سے عصائے سلطنت اپنے ہاتھ میں لی، اور ملک کے انتظامات درست کئے، ایک سال میں امن وامان قائم ہوگیا، اس نے مالگذاری کم کر کے رعایا کو خوشحال بنا دیا، اپنے بیٹے محمد جونا کے ذریعہ دکن کی بغاوت ختم کرائی، اور جونا کو ہی دہلی میں نائب بنا کر بنگال کی بغاوت ختم کرنے گیا، واپسی میں دہلی کے باہر استقبال کے لئے بنائے گئے عارضی خیمہ میں اترا تھا کہ خیمہ گرنے سے دب کر مر گیا۔ اس کی صرف چار برس کی حکومت کے بعد محمد جونا بادشاہ ہوا جس نے طویل حکومت کی، اس کا دور بھی نت نئے تجربات اور سرد وگرم حالات سے پر رہا ہے۔ 25 برس کی حکومت کے بعد جب وہ مرا تو اس کا بھتیجہ فیروز شاہ تغلق سریر آرائے سلطنت ہوا اور اڑتیس برس تک امن وسکون کے ساتھ حکومت کر کے رعایا کی خوشحالی اور زیر کنٹرول ملک کے لئے ترقی کے بڑے بڑے اقدامات کئے۔ 1388 میں فیروز تغلق کے انتقال کے بعد 25 برس کے عرصہ میں تخت سلطنت پر اس خاندان تغلق کے چار بادشاہ آئے۔ آخری سلطان محمود شاہ نے ہی کسی قدر طویل دس برس حکومت کی۔ اسی سلطان کے عہد میں تیمور نے دہلی پر حملہ کیا اور شہر کو تباہ کر کے بڑی تعداد میں دولت وغلام لوٹ کر لے گیا۔ 1413 میں خضر خان نے حکومت چھین کر سید خاندان کی حکومت قائم کر دی۔

تغلق خاندان کے سات بادشاہوں نے 93 برس ملک پر حکومت کی۔ اس خاندان کی حکومت اس اعتبار سے یادگار رہے کہ اس دور میں پایہ تخت کو دہلی سے دولت آباد منتقل کیا گیا، لیکن تجربہ کی ناکامی کے بعد پھر دہلی پایہ تخت بنایا گیا، اسی دور میں وسیع وعریض دہلی سلطنت سے کئی علاقے اس طرح نکلے کہ وہاں خودمختار ریاستیں قائم ہوگئیں، جو ہندوستان کی تاریخ میں اہم رول اور اپنی شاندار روایات رکھتی ہیں۔ ان میں گجرات کی حکومت، دکن کی بہمنی سلطنت، بنگال کی حکومت، جونپور کی شرقی حکومت وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ تغلق خاندان کے تین بادشاہ غیاث الدین تغلق محمد تغلق اور فیروز شاہ تغلق کے بارے میں ذیل کی سطروں میں پڑھیے۔

5.6.1 غیاث الدین تغلق

غیاث الدین تغلق اسلامی ہندوستان کی مایہ ناز ہستیوں میں شمار ہونے کے لائق ہے، اس نے ایسی حالت میں اقتدار سنبھالا جب ملک کے حالات انتہائی نازک ہوگئے تھے، نومسلم خسرو خاں اپنے آقا قطب الدین مبارک شاہ خلجی کو قتل کر کے بادشاہ بن بیٹھا تھا، اس نے اپنی قوم کے غیر مسلموں کو بڑی تعداد میں دہلی بلالیا تھا جنھوں نے اسلامی شریعت اور شعائر کی بے حرمتی میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ شیخ محمد اکرام نے آب کوثر میں کیمبرج ہسٹری کا یہ اقتباس اس صورت حال کے بارے میں نقل کیا ہے: ''خسرو کی ساری جماعت میں ایک بھی ایسا نہ تھا جس کا اسلام برائے نام نہ ہو اور بعض نے تو اسلام اختیار ہی نہ کیا تھا، دربار میں علانیہ بت پرستی ہوتی اور مذہب اسلام کی توہین کی جاتی، مسلمان مؤرخین ان واقعات کا بڑے رنج اور افسوس کے ساتھ اظہار کرتے ہیں، مسجدوں کی بے حرمتی ہوتی''۔ معاصر مؤرخ ضیاء الدین برنی نے خسرو کا مقصد شمالی ہند میں نئے سرے سے ہندو اقتدار قائم کرنا لکھا ہے۔ ان حالات میں غازی ملک فخر الدین جونا نے خسرو خاں کی اسلام کش پالیسی اور اپنے آقا کے خاندان پر زبردست مظالم کی روک تھام کرنی چاہی۔ تھانیسر کے قریب مقابلہ میں غازی ملک نے خسرو کی فوج کو شکست دی، دہلی کے باہر دوسری لڑائی میں بھی خسرو کو شکست فاش ہوئی، حالانکہ اس نے شاہی خزانے کا منہ کھول دیا تھا، اور سپاہیوں کو کئی برسوں کی پیشگی تنخواہ کے علاوہ مشائخ کو بھی رقمیں تقسیم کی تھیں۔ چونکہ خاندان خلجی کا کوئی بچہ باقی نہ رہا تھا، غازی ملک علماء کے اصرار پر تخت نشین ہوا۔

غازی ملک غریب خاندان کا فرد تھا، اپنی ذاتی قابلیت پر ترقی کرتا ہوا علاءالدین کے بھائی الغ خاں کے پاس پیادوں میں بھرتی ہوا، پھر ترقی پا کر امیر آخور (سوار فوج کا افسر اعلی) مقرر ہوا، پھر منگولوں کی مہم کی روک تھام کی عظیم مہم اس کے سپرد ہوئی، اور تاتاریوں کے ساتھ انتیس دفعہ لڑا جس کی وجہ سے غازی ملک کے لقب سے مشہور رہا۔

تخت نشین ہونے کے بعد اس نے بیت المال کو درست کیا، خسرو خاں کی بے جا تقسیم کردہ دولت کی بازیابی کا فرض اسے انجام دینا پڑا، انتظام سلطنت پر توجہ دے کر ایک سال میں اسے درست کر دیا، پولیس اور عدلیہ کے نظام کو از سر نو درست کیا، فوج کو منظم اور مرتب کیا، اس کا انتظام سلطنت میانہ روی پر مبنی تھا، مالگذاری کے نئے اصول وضع کئے جس سے ملک کی مالی حالت درست ہوگئی، کاشتکاروں سے اچھا سلوک کیا، اور بدعنوان افسروں پر سختی کی جس سے ملک کے دور دراز حصوں میں بھی بہترین امن و امان قائم ہوگیا۔غیاث الدین نے ڈاک کا انتظام بھی عمدہ بنایا، پیدل اور سوار دونوں قسم کی ڈاک کا انتظام کیا۔اندرونی انتظامات کے بعد وہ بیرونی محاذ کی طرف متوجہ ہوا، دکن میں ورنگل کے حاکم نے خراج کی ادائیگی بند کر دی تھی، تغلق نے ورنگل کے راجا کو شکست دے کر ورنگل کو دہلی سلطنت میں شامل کرلیا، پھر بنگال پر فوج کشی کی اور وہاں بغاوت کو ختم کیا۔

غیاث الدین تغلق ایک قابل منتظم اور انصاف پسند ہونے کے ساتھ دیندار بادشاہ تھا، خود شریعت کا پابند اور دین کی حمایت میں پیش پیش رہا۔دکن اور بنگال کی بغاوتوں پر قابو پا کر سلطنت کا استحکام اسی طرح برقرار رکھا جو علاءالدین خلجی کے زمانہ میں تھا۔بنگال سے دہلی واپسی کے بعد حادثاتی طور پر دہلی کے قریب عارضی خیمہ میں دب کر وہ انتقال کر گیا، اس کی موت ہندوستان کے لئے ایک عظیم نقصان تھا۔اس کے ساتھ ہی اسلامی حکومت کی انتہائی وسعت کا زمانہ ختم ہوگیا۔علاءالدین کی وسیع مفتوحات اب تک دہلی کے تابع تھیں، مشرق میں بنگالہ، مغرب میں سندھ اور جنوب میں معبر تک علاقے سلطنت دہلی کے تحت تھے۔لیکن غیاث الدین کی وفات کے بعد وہ منتشر ہوگئے، اور سلطنت دہلی کمزور ہونی شروع ہوگئی، البتہ مرکز کی اس کمزوری کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ اسلامی تہذیب وتمدن کے مرکز اب صرف دہلی نہ رہ کر گجرات، بنگال، احمد نگر، اور گلبرگہ وغیرہ بھی بن گئے، اور ان صوبوں میں خودمختار حکومتوں کے قیام سے یہاں بڑے پیمانہ پر تہذیبی ترقی ہوئی۔

5.6.2 محمد بن تغلق

باپ کی وفات کے بعد محمد جونا محمد بن تغلق کے نام سے تخت نشیں ہوا، وہ بے شمار خوبیوں اور متضاد صفات کا مالک شخص تھا، اس کی ذہانت اور جدت طبع اس کے زمانہ سے بہت آگے کی تھی، اس لئے اس نے نظم ونسق، معاشی اصلاحات اور فوجی تدابیر میں جو جو تجربات کئے وہ کامیابی سے ہم کنار نہ ہو سکے اور نتیجہ میں جانی اور مالی نقصان بڑھتا گیا۔عوام بددل ہوگئی اور بڑھتی بغاوتوں پر قابو پانا اس کے لئے ممکن نہیں رہ گیا، محمد بن تغلق انتہائی تعلیم یافتہ اور ذہین وطباع انسان تھا، قرآن کا حافظ، نماز وشعائر اسلام کا پابند، عربی، فارسی اور سنسکرت کا ماہر، فلسفہ اور ریاضی پر دسترس رکھنے والا، شعروشاعری اور خطاب کا ماہر، بحث ومباحثہ کا دھنی اور اچھا صاحب قلم تھا۔بڑے بڑے اہل علم وذہانت اس سے مباحثہ کرنے کی ہمت نہیں کر پاتے تھے۔محمد بن تغلق کے زمانہ آغاز میں دہلی سلطنت اپنے عروج کی انتہاء پر تھا، لیکن اسی دور میں زوال شروع ہوا تو کئی علاقوں میں خودمختار حکومتیں قائم ہوگئیں، جن میں سے کچھ ہندو ریاستیں بھی قائم ہوئیں۔اور دہلی کی حکومت کو ایسی وسعت پھر تب ہی نصیب ہو سکی جب مغلیہ دور میں اورنگ زیب تخت نشین سلطنت ہوا۔

محمد بن تغلق نے تخت نشین ہونے کے بعد معاشی اصلاحات پر توجہ دی، اس کے لئے اس نے ایک مستقل دیوان امیر کوہی قائم کیا جس کے افسران نے دوآبہ کے زرخیز علاقہ میں اچھی فصل تیار کرنے کے لیے کسانوں کو قرض فراہم کئے، اور اس وجہ سے ٹیکس کی رقم کافی زیادہ مقرر کردی، لیکن شدید قحط کی وجہ سے اچھی فصل تیار نہ ہوسکی اور سرکاری مطالبات سے مجبور ہوکر کاشتکار مخالف ہوگئے۔ سلطنت کی وسعت اور منگولوں کے حملوں سے تحفظ کے پیش نظر محمد بن تغلق نے پایہ تخت کو دہلی سے دیوگیری منتقل کرنے کا حکم دیا جس کا نام دولت آباد رکھا گیا، اس کے پیچھے اس کا مقصد یہ تھا کہ وہاں سے پورے جنوب پر نظر رکھنا ممکن ہوگا، نیز ساحلی علاقوں کی تجارت پر بھی اس کا کنٹرول رہے گا، وہ اشاعت اسلام کا جذبہ بھی رکھتا تھا، اور دولت آباد کے مرکزی مقام میں رہ کر وہ جنوب کے خطہ میں اسلام کی تبلیغ کے مواقع فراہم کرنا چاہتا تھا۔ محمد بن تغلق نے اپنا یہ منصوبہ اتنی سختی سے نافذ کیا کہ دہلی کی پوری آبادی کو دولت آباد منتقل ہوجانے پر مجبور کردیا، اس منتقلی میں بے شمار جانی و مالی نقصان ہوا، ادھر شمال کے علاقوں پر اس کی گرفت ڈھیلی ہونے لگی، اور اسے اپنے منصوبہ کی ناکامی کا احساس ہوا تو پھر پایہ تخت اور لوگوں کو دہلی واپس آنے کا حکم دیا، اس میں مزید جانی نقصان کا سامنا کرنا پڑا اور عوام بد دل ہوگئی۔ محمد بن تغلق کو اپنے نئے نئے منصوبوں کے لئے وسائل کی ضرورت تھی، اور قحط کی شدت کی وجہ سے سرکاری آمدنی گھٹ گئی تھی، اس صورت حال میں اس نے سونے اور چاندی کے سکوں کو اپنی تحویل میں لے کر تانبہ کے علامتی سکے جاری کئے۔ اس کی یہ سوچ اس زمانہ کے لحاظ سے ناقابل عمل تھی۔ یہوں نے تانبہ سکے ڈھالنے کے کارخانے گھروں میں بنالئے اور بازار نقلی سکوں سے بھر گیا، لوگوں کے پاس سونے اور چاندی کے سکے نہ رہے، نتیجہ میں پوری معیشت بیٹھنے لگی، یہ دیکھ کر محمد بن تغلق نے تانبہ کے سکے واپس لئے اور پرانے درہم و دینار جاری کردئے تب تک حکومت کو بے انتہا مالی خسارہ ہو چکا تھا۔

محمد بن تغلق اپنی سلطنت کو مزید وسیع کرنا چاہتا تھا، اس نے نہایت دور دراز کے دو علاقوں میں اپنی فوجیں بھیجیں، خسرو ملک کی ماتحتی میں ایک لاکھ کی فوج تبت اور چین کو فتح کرنے کے لئے روانہ کیا، لیکن پہاڑی راستوں کی دشواری اور برسات کی شدت میں فوج تباہ ہوکر رہ گئی۔ اسی طرح اس نے تین لاکھ کی فوج خراسان اور ماوراءالنہر کا علاقہ فتح کرنے کے لئے بھیجا۔ یہ فوج بھی لٹی پٹی واپس آئی، جس سے حکومت کو شدید مالی خسارہ اور فوجی نقصان ہوا۔

اس صورت حال میں ملک کے اندر بے چینی بڑھتی گئی اور جگہ جگہ بغاوتیں شروع ہوگئیں، محمد بن تغلق اپنے ارادوں میں پختہ ہونے کے ساتھ اپنی سزاؤں میں بھی بے انتہا سخت تھا، ان بغاوتوں پر قابو پانے کے لئے اس نے آہنی ہاتھ استعمال کئے اور بڑی حد تک کامیابی حاصل کی، لیکن وہ ایک بغاوت کو فرو کرتا تو دوسری جگہ بغاوت ہوجاتی، چنانچہ معبر کے مسلم گورنر نے بغاوت کرکے 1335 میں اپنی آزاد حکومت قائم کرلی، ہندو سرداروں نے بھی بغاوت کی، اور وجے نگر کی مضبوط سلطنت دکن میں قائم ہوگئی، گلبرگہ، ورنگل اور دولت آباد میں بغاوتوں نے ان علاقوں کو دہلی سلطنت سے علاحدہ کردیا، اور 1347 میں بہمنی سلطنت قائم ہوگئی۔ پھر گجرات میں بغاوت ہوگئی، ان کی سرکوبی کے لئے محمد بن تغلق روانہ ہوا، سندھ پہنچ کر ٹھٹھہ کا محاصرہ کئے ہوا تھا کہ آب و ہوا کی وجہ سے اس کی طبیعت بگڑ گئی اور اسی علالت میں اس کا انتقال ہوگیا۔

محمد بن تغلق بڑا مدبر و منتظم اور انصاف پرور تھا، نظام عدل کی مضبوطی پر اس نے بہت توجہ دی، سماجی برائیوں کے خاتمہ کی بھی اس نے کوشش کی، چنانچہ ستی کی رسم پر پابندی لگائی، البتہ وہ سزائیں دینے میں بڑا سخت واقع ہوا تھا، اپنے نظریات اور فیصلوں کو بھی پوری سختی سے نافذ کرتا تھا، جس کی وجہ سے بسا اوقات لوگوں پر زیادتی ہوجاتی تھی۔ 1351 میں محمد بن تغلق نے وفات پائی۔

5.6.2 فیروزشاہ تغلق (1351-1388)

محمد بن تغلق لاولد مراتو امراء نے اس کے چچا زاد بھائی فیروزشاہ تغلق کو تخت نشین کیا گیا۔ فیروز تغلق کی تربیت اس کے چچا غیاث الدین تغلق نے کی تھی۔ محمد بن تغلق کے دور میں بھی وہ انتظام حکومت میں شریک رہا تھا۔ فیروزشاہ تغلق کا دور رعایا کی بہبود اور امن وامان کا تھا، اس کی رعیت پروری اور فلاحی کام بڑے مشہور ہیں۔ غریبوں کی اعانت، بے روزگار لوگوں کی ملازمت، علم وادب کی اشاعت، کاشتکاروں پر نرمی، سزاؤں میں ظالمانہ سزاؤں کی برخاستگی، پانی کی فراوانی، علاج معالجہ کی فراہمی اور ظلم وزیادتی کے خاتمہ کے لئے فیروز کا دور یادگار ہے۔ خان جہاں مقبول تلنگی فیروز کا وزیراعظم تھا۔

فیروز تغلق نے بادشاہ بننے کے بعد سب سے پہلے ان قیدیوں کو رہا کیا جنھیں محمد بن تغلق کے زمانے میں جیل میں ڈال دیا گیا تھا، قتل ہونے والوں کے پسماندگان کو خون بہا دئے، اور جن لوگوں کی زمینیں چھین کر سرکاری تحویل میں دے دی گئی تھی وہ ساری زمین مالکوں کو واپس کردیں۔ فیروز نے عام اعلان کردیا کہ جو بھی شرعی عدالت کے سامنے اپنے حقوق ثابت کرسکے اسے اس کی جائداد واپس مل جائے گی۔ کاشتکاروں پر سرکاری لگان کی سخت شرحیں عائد تھی، ان کو فیروز نے ختم کردیا اور لگان وصول کرنے والے افسران کے ظلم پر روک لگادی، بہت سارے ٹیکس بالکل ختم کردئے گئے۔ کاشتکاری کی بہتری کے لئے کثرت سے نہریں جاری کیں اور کنویں کھدوائیں، ان سب کی وجہ سے قابل زراعت اراضی میں اضافہ ہوا، فصلیں بڑھ گئیں اور کسان خوشحال ہوگئے۔ فیروز تغلق نے کمزور لوگوں کے لئے چھوٹے سکے یعنی نصف اور چوتھائی جیتل بھی جاری کئے جس سے غریبوں کو بہت سہولت ہوگئی۔

فیروز تغلق نے بغاوتوں پر قابو پانے کی خاص کوشش نہیں کی، بنگال پہلے ہی آزاد ہوگیا تھا، گوکہ فیروز نے دومرتبہ اسے تابع بنانے کی کوشش کی، اسی طرح اس نے جاج نگر اور نگرکوٹ نیز ٹھٹھ پر حملے کئے، لیکن اسے اندازہ ہوگیا کہ ان حملوں سے عوام کی بہبودی نہیں ہوگی، چنانچہ اس نے سلطنت کے بچے ہوئے حصوں کے نظم ونسق اور رفاہ عام کے کاموں پر توجہ دینی شروع کردی، فیروز نے کثرت سے باغات لگوائے، صرف شہر دہلی اور اس کے اطراف میں 1200 باغات تھے جن سے نہ صرف ماحولیاتی مناظر میں حسن پیدا ہوتا تھا بلکہ آمدنی بھی حاصل ہوتی تھی۔ بے شمار کنویں کھدوائے اور نہریں نکلوائیں تاکہ لوگوں تک آسانی سے پانی پہنچ سکے۔ اس نے کئی اسپتال قائم کئے جہاں ناداروں کے مفت علاج معالجہ کا انتظام کیا۔ فیروز کو غریبوں کا بڑا خیال رہتا تھا۔ غریب بچیوں کی شادی کے لئے علاحدہ سے مدد کا انتظام کیا، نوجوانوں کو ملازمت کی فراہمی کے لئے محکمہ قائم کیا، بیروزگار سیاحوں کی مدد اور تعاون کے لئے الگ سے فنڈ مخصوص کیا، فیروز تغلق کو کہ خود زیادہ تعلیم یافتہ نہیں تھا، لیکن اس نے تعلیم کے فروغ سے بہت دلچسپی لی، کثرت سے اسکول اور کالج کھولے، دہلی میں مدرسہ فیروزشاہی بہت مشہور تھا، تعلیم گاہوں اور اساتذہ و طلبہ کی مدد کے لئے وظائف اور اوقاف مقرر کئے، صرف دہلی میں ایک ہزار ایسے مدرسے تھے، اس نے علماء وفضلا، اور شعراء ومشائخ کی سرپرستی کی۔ اس کے دور میں فقہ وشریعت کا عروج زیادہ ہوا، اسلامی قانون اور علوم اسلامیہ پر متعدد اہم کتابیں اس دور میں تصنیف ہوئیں، جن میں فتاوی فیروزشاہی اور فتاوی تاتارخانیہ وغیرہ مشہور ہیں۔ فیروز کے عہد میں سلطان المشائخ کے خلیفہ شیخ نصیرالدین چراغ دہلوی تھے جن کی بڑی قدردانی فیروز کرتا تھا، اس زمانے کے مشہور علماء میں مولانا احمد تھانیسری، مولانا خواجگی اور قاضی عبدالمقتدر دہلوی تھے۔ مشہور مؤرخ ضیاءالدین برنی نے اپنی تاریخ اسی علم پرور بادشاہ کے نام منسوب کرکے تاریخ فیروزشاہی رکھا، شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروزشاہی بھی اسی دور کی یادگار

ہے۔فیروز نے سنسکرت کے فروغ سے بھی دلچسپی لی اور سنسکرت کی کئی کتابوں کے ترجمے فارسی میں کروائے ،ان میں قابل ذکر بارہ سنگتا ہے، جسے فیروز کے حکم سے عبدالعزیز شمس تھانیسری نے فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔

فیروز شاہ کا دور دہلی سلطنت میں عوامی فلاح و بہبود کے لئے بہت عمدہ تھا،لیکن اس کی نرمی کی پالیسی کے نتیجہ میں حکومت اور امراء پر گرفت ڈھیلی ہوگئی ۔اور 1388 میں فیروز شاہ کی وفات کے بعد کوئی ایسا قابل جانشیں نہیں رہا جو حکومت کو اس کی ڈگر پر جاری رکھتا،چنانچہ آپسی رسہ کشی ہونے لگی ،یکے بعد دیگرے تین بادشاہ آئے اور گئے ۔1394 میں محمود شاہ تخت پر بیٹھا،اس کے دور میں 1398 میں دہلی پر تیمور کا مشہور حملہ ہوا جس نے قتل و غارت گری اور بربادی کی مثال قائم کردی۔تیمور کا حملہ تباہی کی ایک آندھی تھی جو بربادی پھیلاتی گذر گئی ۔دہلی جو عظمت، تقدس اور تمدن کی نشانی تھا مٹ گیا ،ملتان ،پنجاب، جون پور، دکن، گجرات اور بنگال کے علاقے خودمختار ہوگئے ۔دہلی کی دگرگوں حالت میں ایک افغان سردار اقبال خاں حکومت کی باگ سنبھالے رہا، پھر دولت خاں لودھی کاروبار سلطنت پر قابض ہوگیا،اور 1413 میں محمود شاہ تغلق نے کسمپرسی کے عالم میں وفات پائی اور تخت سلطنت پر تغلق خاندان کی حکمرانی ختم ہوگئی ۔

معلومات کی جانچ

1. علاءالدین خلجی نے کس عالم سے مسائل شرعی پوچھے تھے؟
2. اشیاء کی نرخ بندی کس بادشاہ نے سختی کے ساتھ نافذ کی ہے؟
3. فیروز شاہ کے عہد میں دہلی میں کتنے مدارس تھے؟

5.7 سید خاندان (1414-1451)

لٹی پٹی اور سمٹی دہلی سلطنت کے تخت پر ملتان کا حاکم خضر خاں 1414 میں دولت خاں کو ہٹا کر قابض ہوگیا، یہ سید تھا، ہر طرف بغاوت تھی، پوری زندگی باغیوں سے لڑنے میں گذر گئی، 1421ء میں اس کا لڑکا مبارک شاہ حاکم ہوا، اس نے اپنی ہمت سے پنجاب اور ملتان پر بھی قبضہ برقرار رکھا،لیکن درباریوں نے سازش کر کے 1435 میں اسے قتل کردیا، اور خضر خاں کا پوتا محمد شاہ بادشاہ بنادیا گیا، جونپور کے حکمراں سے اس کی جھڑپ چلتی رہی، پنجاب کے حاکم بہلول خاں لودھی کی مدد سے یہ دہلی کے تخت پر قابض رہا۔1445 میں اس نے وفات پائی تو اس کا لڑکا علاءالدین حاکم ہوا، اب صرف دہلی باقی بچی تھی، اطراف کے علاقے بھی دہلی کی تابعداری سے نکل گئے تھے، جب علاءالدین سے دہلی بھی نہ سنبھل سکی تو وہ بدایوں جا کر گوشہ نشیں ہوگیا، اور 1451 میں بہلول لودھی نے حکومت دہلی پر قبضہ کرلیا۔

5.8 لودھی خاندان (1451-1526)

بہلول لودھی کے تخت سلطنت پر قبضہ سے دہلی سلطنت میں لودھی خاندان کی حکومت شروع ہوتی ہے۔دہلی سلطنت کا یہ آخری خاندان ہے۔تغلق خاندان کے آخری دور سے دہلی سلطنت کی وسعت سمٹتی چلی گئی تھی۔بیشتر علاقے خودمختار و آزاد ہوگئے تھے۔سید خاندان کی حکومت

کے زمانہ میں دہلی سلطنت کا رقبہ صرف دہلی اور اس کے اطراف تک محدود رہ گیا تھا، اور اس چھوٹے دائرہ میں بھی حکومت پر امن نہ رہی تھی، جب لودھی خاندان میں حکومت منتقل ہوئی تو گو کہ اس خاندان کے تین بادشاہوں نے تقریباً 75 برس حکومت کی، اور متعدد علمی و تمدنی کارنامے بھی انجام پائے، اسلام کی اشاعت سے بھی دلچسپی لی گئی، لیکن حکومت کو پہلی سی وسعت نصیب نہ ہوسکی، اندرونی انتشار اتنا بڑھا ہوا تھا کہ کابل کے بادشاہ بابر نے اپنی چھوٹی لیکن منظم فوج سے دہلی کی شاہی فوج کی بھیڑ کو شکست دے کر دہلی سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور مغلیہ حکومت کی بنیاد رکھ دی۔

5.8.1 سکندر لودھی

لودھی خاندان کا پہلا فرمانروا بہلول لودھی ہے۔ یہ افغانستان کے پٹھان خاندان کا فرد تھا، محمود شاہ نے اسے پنجاب کی صوبیداری پر مقرر کیا تھا، طاقتور حکمراں تھا، علاء الدین کی مدد کر کے دہلی سلطنت کو بچائے رکھا، اور اسکے بعد تخت دہلی پر قابض ہوگیا، اس نے پنجاب تک اپنی سلطنت کو وسعت دینے میں کامیابی حاصل کرلی۔ اس نے جونپور کو فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کرلیا۔ 38 برس حکومت کی، اس دوران مختلف بغاوتوں کو فرو کرنے میں مصروف رہا۔ 1488 میں وفات پائی۔ 1479 میں اس کے بعد اس کا لڑکا سکندر لودھی بادشاہ ہوا، اس نے دوسرے صوبوں کو دہلی سلطنت میں شامل کرنے کی کوشش کی، جس کے نتیجہ میں دہلی سلطنت کی سرحد ایک طرف مالوہ اور دوسری طرف بنگال تک پہنچ گئی۔ اس علاقہ میں عام طور پر امان بھی قائم کرنے میں کامیاب رہا۔ غلے ارزاں ہوگئے اور تجارت کو فروغ ملنے لگا۔ سکندر نے 1506 میں آگرہ شہر کی بنیاد رکھی، اس کے دربار سے اہل علم بھی وابستہ رہے، اور اس نے علمی قدردانی کی، 29 برس کی حکومت کر کے 1517 میں اس نے وفات پائی۔ ابراہیم لودھی اس کا لڑکا تھا، باپ کے بعد تخت سلطنت پر بیٹھا، جونپور پر قبضہ کے لئے اپنے بھائی سے لڑتا رہا، اس نے گوالیار کا قلعہ بھی وہاں کے راجہ سے چھین لیا، وہ بہادر اور مضبوط ارادوں کا مالک تھا، دربار کی سازشوں پر کنٹرول کرنے کے لئے سختی کی روش اختیار کی، سازش کرنے والے بعض امیروں کو سخت سزائیں دیں، دوسرے ڈر کر بھاگ گئے، وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوجاتا اور دہلی سلطنت میں آیا استحکام مزید آگے بڑھتا، لیکن لاہور کے حاکم دولت خاں لودھی نے کابل کے مغل بادشاہ بابر کو دہلی فتح کرنے کی دعوت دے دی، جب بابر کابل سے ہندوستان روانہ ہوا تو دولت خاں کو اپنا منصوبہ ناکام ہوتا نظر آیا، اور اس نے بابر کو روکنا چاہا، لیکن بابر نے پہلے لاہور پر قبضہ کرلیا، پھر دہلی کی جانب بڑھا، پانی پت کے میدان میں 1526 میں دہلی کی شاہی فوج سے مقابلہ ہوا، بابر کی فوج مختصر تھی، لیکن وہ منظم اور تجربہ کار تھی، ابراہیم لودھی کی منتشر سی بڑی فوج نے شکست کھائی اور ابراہیم مارا گیا اور دہلی سلطنت کا چراغ گل ہوگیا۔

5.9 دہلی سلطنت کا کردار اور زوال

1206 میں قائم ہونے والی دہلی سلطنت اپنی عظمت کے نقوش ہمیشہ کے لئے نقش کرتے ہوئے 1526 میں مغلیہ سلطنت میں تبدیل ہوگئی۔ ہندوستان میں یہ پہلی وسیع و عریض اور مستحکم مسلم حکومت تھی جس نے زندگی کے ہر میدان کو متاثر کیا، ملک کو مضبوط اور متحدہ حکومت دی۔ عوام کو امن و امان حاصل ہوا۔ بیرونی دنیا کے ساتھ تجارتی روابط مضبوط ہوئے، معاشی اصلاحات اور زراعت کے فروغ نے عوام کو خوشحال بنایا، نئے نئے شہر بسے، یادگار عمارتیں اور قلعے تعمیر ہوئے، فن تعمیر میں نت نئے تجربات کئے گئے۔ شاہراہوں اور سڑکوں کی تعمیر اور ان پر سرایوں اور مسافر خانوں کی فراہمی نے آمد و رفت کی سہولت بہم پہنچائی، ڈاک کے سواری اور پیدل نظام نے روابط بحال کئے۔ دہلی اور متعدد شہروں میں علم

کے مراکز قائم ہو گئے، بادشاہوں نے دل کھول کر علم و ادب اور فنون لطیفہ کی سرپرستی کی، جس کے نتیجہ میں پوری دنیا سے اہل فن و اہل کمال یہاں جمع ہونے لگے، شعر و شاعری، زبان و ادب، حکمت و تاریخ اور اسلامی علوم پر وقیع کتابیں تصنیف ہوئیں، سنسکرت سے فارسی اور فارسی سے سنسکرت میں کتابوں کے ترجمے ہوئے، مدارس و اسکول اور کالج قائم ہوئے، عوام کی اخلاقی اصلاح اور مذہبی رواداری کے لئے صوفیا اور مشائخ نے خانقاہیں قائم کیں جو بلاتفریق مذہب عوام کے لئے امن و اخلاق کی آماجگاہیں تھیں، وقت کے اکابر مشائخ نے اس سرزمین کو اپنی برکتوں سے فیضیاب کیا، عدل و انصاف کا پختہ نظام قائم کیا گیا، پولیس اور خفیہ محکمہ کے ذریعہ سخت نگرانی رکھ کر ظلم پر بندشیں لگائی گئیں۔ فوجی محکمہ کو مضبوط تر بنایا گیا، کہ منگولوں کی غارت گری ہندوستان جنت نشان کو نقصان پہنچانے کی ہمت نہ کر سکی، اور نہ اسے کامیابی ملی۔ مذہبی آزادی نے ملک میں امن و امان اور بھائی چارہ کی فضا کو مضبوط بنایا اور اتنی وسیع مملکت میں مذہبی بنیادوں پر فرقہ وارانہ فسادات واقع نہ ہو سکے۔ سوا تین سو برس کی اس دہلی سلطنت نے ہندوستان کو دنیا کے نقشہ پر انتہائی ترقی یافتہ، مضبوط و مستحکم، خوشحال اور مہذب ملک بنا کر پیش کیا۔

تغلق خاندان کا آخری دور ہندوستان کی دہلی سلطنت کی قوت و عظمت اور وسعت کا نقطۂ عروج تھا۔ بنگال (بشمول موجودہ بنگلہ دیش) سے لے کر سندھ تک اور کشمیر سے لے کر جنوب کی انتہاؤں تک دہلی سلطنت کا پرچم لہرا رہا تھا، تغلق خاندان کے بعد پھر تخت دہلی پر ایسے قابل حکمراں نہ آ سکے، تخت حکومت کے لئے رسہ کشی ہوتی رہی، اتنی وسیع سلطنت پر نظر رکھنے اور اس کو متحد بنائے رکھنے میں آمد و رفت اور ربط و اتصال کی دشواری تھی۔ تغلق حکومت کے آخر میں فوجیوں اور امیروں کو تنخواہ میں نقد کی جگہ اراضی دئے جانے کا سلسلہ شروع ہوا جس سے علاقائی امراء مضبوط ہونے لگے، اس دور میں غلاموں کی بڑی تعداد میں خریداری ہوئی، اور وہ اسلام قبول کر کے فوج میں بھرتی ہوئے، ان کی اندر حکومت کے ساتھ جذباتی وابستگی نہ تھی۔ ان سب اسباب نے مل کر دہلی کی مرکزی سلطنت کو کمزور کر دیا اور علاقائی حکومتوں کے قیام کی راہ ہموار ہونے لگی۔ سید خاندان کی حکومت آتے آتے دہلی سلطنت صرف دہلی اور اس کے آس پاس کے علاقوں تک محدود رہ گئی، گجرات، ملتان، مالوہ، جونپور، دکن اور بنگال وغیرہ میں آزاد حکومتیں قائم ہو گئیں۔ راجستھان اور جنوب بعید میں چند ہندو ریاستیں بھی آزادانہ طور پر وجود میں آ گئیں۔ لودھی خاندان کے حکمرانوں نے سلطنت دہلی کو طاقت پہنچانے کی کوشش کی اور کسی حد تک اسے وسعت دینے میں کامیابی حاصل کی، لیکن ٹوٹتی بکھرتی دہلی سلطنت کو عظمت رفتہ کی طرف وہ بھی واپس نہ لا سکے، اور 1526 میں یہ ختم ہو کر رہی۔

5.10 علاقائی حکومتوں کا قیام

دہلی سلطنت کی کمزوری اور بکھراؤ اور بالآخر اس کے زوال نے جہاں مرکزی حکومت کی عظمت کو ختم کر دیا، اور مغلیہ سلطنت کے لئے تاریخ شروع کرنے کی راہ ہموار کر دی، وہیں اس سے ملک اور یہاں کی تہذیب و معیشت کو بے شمار فوائد بھی حاصل ہوئے، جو مرکز کی متحدہ حکومت کے مقابلہ میں زیادہ بہتر طور پر وجود میں آئے۔ علاقائی حکومتوں کے قیام سے ان علاقوں میں نظم و نسق زیادہ بہتر ہو گیا۔ علاقائی خصوصیات اور تہذیب کی زیادہ بہتر سرپرستی ہوئی، ان علاقوں میں چھوٹی حکومتوں نے اسلامی تہذیب کے فروغ میں بھی بڑا کردار ادا کیا۔ علم و ادب کی سرپرستی صرف ایک شہر دہلی کے بجائے جونپور، مالوہ، اڑیسہ، دکن، بنگال، ملتان، سندھ اور کشمیر وغیرہ کئی جگہوں پر ہونے لگی۔ ان علاقوں میں صنعت و حرفت اور زراعت کو فروغ ملا۔ گجرات میں کئی صنعتوں کی بنیاد رکھی گئی جس سے علاقہ میں خوشحالی آ گئی۔ گجرات اور بنگال میں بحری تجارت میں کافی ترقی ہوئی۔ دور دراز سے اشیاء تجارت کی برآمد درآمد ہونے لگی، اور یہ تجارت کی مشہور منڈیاں بن گئیں، بہت سے نئے نئے شہر

تعمیر ہوئے اور ہند اسلامی فن تعمیر میں علاقائی خصوصیات آمیز ہوئیں۔ بنگال میں الیاس شاہی حکومت نے 1348 سے 1489 تک تہذیب وتمدن اور علم وادب کو فروغ دیا۔ 1347 میں دکن کی بہمنی سلطنت قائم ہوئی جو 1527 تک باقی رہی اور اس کی کوکھ سے پانچ چھوٹی حکومتیں قائم ہوئیں۔ بیجاپور میں عادل شاہی حکومت (1686-1490)، احمد نگر میں نظام شاہی حکومت (1686-1490)، گولکنڈہ میں قطب شاہی حکومت (1687-1518)، برار میں عماد شاہی حکومت (1568-1490) اور بیدر میں برید شاہی (1609-1480)۔ ان حکومتوں نے تہذیب وتمدن، تعمیر وفنون لطیفہ اور زبان وادب کو فروغ دینے میں بڑا رول ادا کیا ہے۔ 1336 میں جنوب بعید میں وجے نگر کی ہندو سلطنت قائم ہوئی جو دو سو برسوں سے زائد تک باقی رہی۔ یہاں تک کہ دکن کی مسلم حکومتوں نے باہم متحد ہو کر 1564 میں تالی کوٹ کی مشہور جنگ میں اس کا خاتمہ کر دیا۔ کشمیر کے اندر اسی دور میں دہلی سے آزاد حکومت قائم ہوئی جسے 1586 میں مغل بادشاہ اکبر نے دہلی حکومت میں شامل کر لیا۔ اس نے کشمیر کی علاقائی ترقی کو فروغ دیا۔ جونپور میں شرقی حکومت نے بھی 1394 سے 1479 تقریباً ایک صدی سے کچھ کم تک ملک کے مشرقی حصہ میں تہذیب وتمدن کو فروغ دیا جس کے اثرات بہت زمانے تک برقرار رہے۔ اسی دور میں کالی کٹ کے ساحل پر تگیز آئے، 1498 میں واسکوڈی گاما نے مالابار کے ساحل پر قدم رکھا اور آہستہ آہستہ انھوں نے بحری تجارت پر قبضہ کر لیا، سمندری راستوں اور تجارت پر ان کی اجارہ داری قائم ہوگئی، اور دیو، دمن اور گوا پر اپنا قبضہ قائم کر دیا، اس سے پہلے ساحل کے ان علاقوں اور سمندر پر بحری تجارت پر مسلمانوں کی برتری قائم تھی، پرتگیزیوں کے اس بحری تسلط کو پہلے ڈچ قوم نے پھر انگریز اور فرنچ نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ ملک کی آئندہ تاریخ پر اس ساحلی سرگرمی کے دور رس اثرات مرتب ہوئے۔

5.11 خلاصہ

دہلی سلطنت ہندوستان میں قائم ہونے والی پہلی مسلم حکومت تھی جس نے سوا تین سو برس تک ایک وسیع وعریض علاقہ پر حکومت کی اور ہندوستان کو ایک مضبوط اور متحدہ حکومت فراہم کیں۔ اس حکومت کا بانی قطب الدین ایبک ہے جو شہاب الدین غوری کا غلام تھا' 1206 سے 1290ء تک دہلی پر غلام خاندان نے حکومت کی۔ ایبک کے بعد التمش اور بلبن غلاموں میں بڑے بادشاہ ہوئے' ایبک نے نظام حکومت قائم کیا۔ عدل وانصاف فراہم کیا' مسجد قوت الاسلام اور قطب مینار اس کی یادگار ہے۔ التمش صحیح معنوں میں ہندوستان کا پہلا خودمختار بادشاہ ہے جس کی سلطنت ملتان اور پنجاب سے لے کر بنگال تک تھی۔ اس نے منگولوں کے حملوں کو روک کر ہندوستان کو امن وامان کا گہوارہ بنایا۔ اس کے دور میں بے شمار اہل علم وکمال دہلی آئے تھے جن کی اس نے بڑی قدر دانی کی وہ خود بھی بڑا دیندار تھا۔ بلبن کا دور حکومت بڑا عظیم الشان رہا' منگولوں کے اندر اس نے سلطنت کی ہیبت بٹھا دی۔ حکومت کی شان وشوکت کا اونچا معیار قائم کر دیا۔ بلبن علماء وصلحاء کا قدر داں تھا۔ التمش کی بیٹی رضیہ سلطان ہندوستان کی پہلی خاتون حکمراں تھی وہ قابل اور علم نواز تھی۔ غلام سلاطین کے دور میں دہلی کے اندر مشائخ کبار اور فقہاء وعلماء کی کثرت تھی۔

1290ء سے 1320 تک خلجی خاندان نے دہلی پر حکومت کی۔ اس خاندان کا بانی جلال الدین فیروز ماہر فن' سیاسی اور بہادر انسان تھا۔ دہلی سلطنت کمزور ہوئی تو تخت شاہی پر بیٹھا۔ لیکن جلد ہی اس کے بھتیجے علاء الدین نے حکومت پر قبضہ کر لیا' جس نے بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ بیس برس حکومت کی' علاء الدین نے ہی پہلی مرتبہ دکن کے علاقہ کو سلطنت میں شامل کیا۔ اس کے دور میں دہلی سلطنت کی وسعت اپنی انتہا

کو پہنچ گئی تھی ۔علاءالدین نے فوج کو مضبوط بنایا' اور اسے نقد تنخواہ دینے کا رواج شروع کیا۔بازار سے سامانوں کی اس نے نرخ بندی اور سستے داموں پر فروخت کرنے کا حکم دیا' اس نے زمینوں کی پیائش کرا کے پیداوار کے تخمینہ سے لگان مقرر کی ۔علاءالدین نے جاسوسی کا بڑا پختہ نظام بنایا تھا اور مجرموں کو سزائیں دیتا تھا جس کی وجہ سے سلطنت کے اندر ظلم' رشوت اور حکم کی خلاف ورزی ختم ہوگئی تھی ۔اسی نے شراب وغیرہ پر بھی پابندی لگادی تھی اس نے حکومت میں غیر مسلموں کو بھی شامل کیا۔اس کے دور میں سب سے زیادہ اہل علم وفضل دہلی میں جمع ہو گئے تھے۔

خلجی خاندان کے بعد تغلق خاندان نے 1320ء سے 1413 تک حکومت کی' غیاث الدین تغلق اس خاندان کا پہلا فرمانروا تھا جس نے انتہائی نازک صورت حال میں حکومت سنبھالی تھی اور اسلامی شعائر پر ہونے والے حملوں کو روکا تھا' لیکن بہت جلد ہی وہ ایک حادثہ میں انتقال کر گیا۔اس کے بیٹے محمد بن تغلق نے طویل حکومت کی۔یہ بڑا عالم و فاضل اور مختلف اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک تھا۔اس نے دہلی سے دیوگیری کو پایۂ تخت منتقل کیا جس کا نام دولت آباد رکھا' لیکن شمال پر گرفت ڈھیلی ہونے لگی تو پھر دہلی کو پایہ تخت بنایا تا کہ وہاں سے دکن پر نظر رکھی جائے اور پورے ملک میں اسلام کی اشاعت ہو سکے۔

ایک طرف اس نے تبت وچین اور دوسری طرف ماوراءالنہر کے علاقوں کو فتح کرنے کے لیے فوجیں بھیجیں لیکن ناکامی اور نقصان ہاتھ آیا' قحط کی وجہ سے مالی تنگی ہوئی تو اس نے تانبہ کے سکے چلائے' لیکن بنیوں کے نقلی سکے چلانے کی وجہ سے اسے تانبے کے سکے واپس لینے پڑے۔ان سب منصوبوں کی وجہ سے ملک میں بغاوتیں شروع ہوگئیں اور دہلی کی مرکزی حکومت سے علاحدہ ہو کر دکن' بنگال' گجرات اور جونپور وغیرہ میں علاقائی حکومتیں قائم ہوگئیں۔فیروز شاہ تغلق کا دور دہلی سلطنت کے بچے ہوئے حصوں کے لیے خوشحالی اور امن وامان کا دور تھا' اس نے نہریں اور کنواں بنوائے ۔ٹیکس کا بار ختم کیا۔غریبوں کی مدد پہنچائی' بچیوں کی شادی کا انتظام کیا اور مفت علاج کے اسپتال کھولے' اس نے بہت سے مدرسہ بھی بنوائے' ان سب سے عوام بے حد خوش حال ہوگئی ۔تغلق دور میں ہی تیمور نے دہلی پر حملے کر کے اسے تباہ و برباد کر دیا۔

تغلق کے بعد مختصر مدت کے لیے سید خاندان نے حکومت کی ۔اب دہلی سلطنت کا رقبہ بہت گھٹ گیا اور حکومت ان سے نہ سنبھلی تو بہلول لودھی نے تخت سلطنت پر قبضہ کیا۔اس سے لودھی خاندان کی حکومت شروع ہوتی ہے ۔اس کا بیٹا سکندر لودھی بڑی خوبیوں کا بادشاہ ہوا ہے ۔اس نے عدل وانصاف کی روشن مثال قائم کر دی' سامان بے انتہا سستے ہو گئے' علم وادب کی ترقی ہوئی اور امن وامان قائم ہوا۔سلطنت کا رقبہ بھی کچھ وسیع ہوا' لیکن افغان امراء کی باہمی رسہ کشی کی وجہ سے اس کے بیٹے ابراہیم لودھی کے زمانہ میں کابل کے حکمراں بابر نے ہندوستان پر حملہ کیا اور پانی پت کے میدان میں ابراہیم کی شاہی فوج کو بابر نے شکست دے کر دہلی سلطنت کی جگہ مغلیہ حکومت قائم کر دی۔

5.12 نمونے کے امتحانی سوالات

درج ذیل سوالات کے جوابات تیس سطروں میں لکھئے

1۔شمس الدین التمش کی فتوحات پر روشنی ڈالئے۔

2۔غیاث الدین بلبن کے طرز حکومت پر ایک مضمون لکھئے

3۔عوام کی فلاح و بہبود کے لئے فیروز شاہ تغلق کے اقدامات کا تذکرہ کیجئے

درج ذیل سوالات کے جوابات پندرہ سطروں میں دیجئے

4۔اشیاء کی نرخ بندی کے لئے علاءالدین خلجی نے کیا اقدامات کئے

5۔محمد بن تغلق کے ذریعہ پایہ تخت کی تبدیلی کے مقاصد پر روشنی ڈالئے

6۔لودھی خاندان کی حکومت کا تعارف کرایئے

5.13 مطالعہ کے لئے معاون کتابیں

1. آب کوثر — شیخ محمد اکرام، فرید بک ڈپو، دہلی
2. عہد وسطیٰ کا ہندوستان، حصہ اول — پروفیسر ستیش چندر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی 2003ء اردو ترجمہ: عزیز الدین حسین
3. ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک جھلک — سید صباح الدین عبدالرحمٰن، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ 2012
4. بزم مملوکیہ — سید صباح الدین عبدالرحمٰن، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ 1999ء
5. خلجی خاندان — کے ایس لال، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی 1998، اردو ترجمہ یٰسین مظہر صدیقی
6. مختصر تاریخ ہند — سید ابوظفر ندوی، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ 2006
7. "A Comprehensive History of Medieval India: Salma Ahmed Farooqui, Pearson:2011

اکائی 6 : دہلی سلطنت کا نظم ونسق

اکائی کے اجزاء

6.1 مقصد

6.2 تمہید

6.3 انتظام سلطنت

6.3.1 سلطان یا بادشاہ

6.4 مرکزی حکومت

6.4.1 وزراء

6.4.2 جاسوس اور پولیس

6.4.3 حرم شاہی کے عہدیداران

6.5 صوبائی حکومتیں

6.6 پرگنے اور گاؤں

6.7 فوج

6.8 ڈاک

6.9 مالیاتی نظام

6.10 خلاصہ

6.11 نمونے کے امتحانی سوالات

6.12 مطالعہ کے لئے معاون کتابیں

6.1 مقصد

دہلی سلطنت ہندوستان میں قائم ہونے والی پہلی مسلم حکومت تھی، یہاں انھوں نے حکومت کی بنیا درکھی اور نظم ونسق کے میدان میں نئی روش اختیار کی۔ تین سو سال کے عرصہ میں سلاطین دہلی نے کئی تجربات بھی کئے۔ یہ نظم ونسق مرکزی سطح سے لے کر صوبائی اور ضلعی سطح تک پھیلا ہوا تھا۔ اس میں سلطان کی مرکزی شخصیت کے ساتھ امراء، صوبہ کے سربراہان یا صوبیدار، وزراء اور مختلف محکموں کے ذمہ داران ہوتے جو انتظام حکومت کے ساتھ ملک کی حفاظت اور عوام کی معیشت کی بہتری کے لئے کام کرتے تھے۔ اس اکائی کے مطالعہ کے بعد آپ کو معلوم ہوگا کہ دہلی سلطنت کا یہ نظم ونسق کن بنیادوں پر استوار تھا۔ اس کے عناصر کون کون تھے، ذمہ داریوں اور عہدوں کی تقسیم کیسی تھی اور مرکز کی اوپری سطح سے لے کر گاؤں کی نچلی سطح تک نظم وانتظام کے کیا طریقے تھے۔ اسی طرح اکائی کا مطالعہ آپ کو اس بات سے بھی روشناس کرائے گا کہ بادشاہ اور اس

کے وزراء کے اختیارات کیا تھے اور یہ اختیارات کس طرح حاصل ہوتے تھے۔عہدوں پر تقرری کے کیا اصول تھے۔پھر حکومت کے دو اہم عنصر فوج اور اقتصادیات سے کس طرح کام لئے جاتے تھے،اور ان دونوں میدانوں بالخصوص مالی ضوابط اور معاشیات کے میدان میں کیا کیا تجربات کئے جاتے رہے اور عوام کی زندگی پر ان کے کیا اثرات مرتب ہوئے۔

6.2 تمہید

دہلی سلطنت جن حالات میں ہندوستان کے اندر قائم ہوئی وہ افغانستان کے غوری حکومت کی مشرقی فتوحات کا نتیجہ تھی۔شہاب الدین غوری نے ہندوستان میں اپنی شاندار فتوحات کا پرچم تو لہرایا اور ترائن کی دوسری جنگ میں پرتھوی راج چوہان کو زبردست شکست دے کر اس کی طاقت ختم کر دی اور دہلی کو اپنے قبضہ میں کر لیا لیکن خود اس نے یہاں حکومت نہ کی اور اپنے وفادار فوجی سپہ سالار قطب الدین ایبک کو دہلی کا گورنر بنا گیا۔1206ء میں شہاب الدین کی وفات کے بعد قطب الدین ایبک نے اپنی سلطنت کا اعلان کیا تو اس وقت ہندوستان کی غیر مسلم اکثریت ماحول میں مسلمانوں کی انتہائی محدود تعداد تھی۔غور سے آنے والے ان فوجیوں نے ہندوستان کو اپنا وطن بنالیا،لیکن یہاں انتظام حکومت اور نظم ونسق چلانے کے لئے وہ یہاں پہلے سے موجود نظام حکومت اور اس کے کل پرزے کو اختیار کرنے پر مجبور تھے۔یہ ضرور تھا کہ وہ اپنے ساتھ مسلم حکومتوں کی سینکڑوں برس کی شاندار روایات رکھتے تھے،وسط ایشیا میں انھیں حکومت کا تجربہ بھی تھا،لیکن ہندوستان کی نئی سرزمین پر انھیں یہ افرادی وسائل اور تجربہ کار مشنری مہیا نہ تھی۔پھر قیام حکومت کے ابتدائی عرصہ میں انھیں فوجی مقابلے اور فتوحات درپیش تھیں،اور مفتوحہ علاقوں پر اپنے قبضہ کو مستحکم کرنا تھا۔انھوں نے اس موقع پر نظم ونسق میں کسی نئے تجربہ کے بجائے پرانے نظام پر ہی اپنی انتظامیہ کی عمارت اٹھائی،ملک میں امن وامان کے قیام،عوام کی خوشحالی اور عدل وانصاف کی فراہمی پر انھوں نے توجہ دی،اور حتی الامکان دین وشریعت اور علم وادب کے فروغ نیز تمدنی ترقیات اور تعمیرات سے دلچسپی لی۔شمس الدین التمش کے 26 سالہ طویل دور حکومت میں ایک مضبوط اور متحدہ ہندوستان وجود میں آیا،جس کا دائرہ شمالی ہند کے بڑے حصہ پر محیط تھا،چنانچہ نظم ونسق کے میدان میں نئے طور طریقے وضع کئے گئے،بلبن کا چالیس سالہ دور دہلی سلطنت کے استحکام اور شان وشوکت کا دور ہے۔بلبن حکومت کے بارے میں اپنا مخصوص نظریہ رکھتا تھا اور اس کے عکس نظام حکومت پر مرتب ہو رہے تھے۔غلام خاندان کے بعد خلجی دور میں نظم ونسق بالخصوص فوج اور اقتصادیات کے میدانوں میں بڑے پیمانہ پر نت نئے تجربات کئے گئے۔نئی نئی پالیسیاں بنائی اور جاری کی گئیں،جن کے مخصوص نتائج سامنے آئے،تغلق دور میں بھی نئے تجربات کا سلسلہ جاری رہا،خلجی دور کی پالیسیوں میں کئی جگہوں پر تبدیلیاں کی گئیں،محمد بن تغلق کے بعد فیروز شاہ تغلق کا زمانہ آتے آتے پالیسیوں میں کافی فرق دیکھنے کو ملتا ہے،اب فتوحات کی وسعت اور بغاوتوں پر کنٹرول کے بجائے دہلی سلطنت کے بچے کھچے حصوں پر بہتر نظم ونسق اور عوام کی خوشحالی کے اقدامات پر توجہ مرکوز کر دی گئی،چنانچہ اس زمانہ میں زراعت میں بڑی ترقی ہوئی،اشیاء ارزاں اور عوام خوشحال ہوگئی،تعلیم وتمدن کو بڑا فروغ ملا۔تغلق دور کا آخری زمانہ دہلی سلطنت کے بکھراؤ اور نئی نئی علاقائی حکومتوں کے قیام کا دور ہے۔اب علاقائی حکومتوں میں نظم ونسق کے اپنے مخصوص طور طریقے اختیار کئے جانے لگے۔سید خاندان اور لودھی خاندان کی حکومتوں کے زمانوں میں مرکزی حکومت میں مشکل سے استحکام آتا اور جلد ہی وہ سازشوں اور رسہ کشیوں کا شکار ہو جاتی۔اس سیاسی صورت حال کا اثر نظم ونسق پر بھی مرتب ہو رہا تھا،حکمراں اور وزراء کے اختیارات میں اب پہلے کی بہ نسبت بہت فرق آچکا تھا۔سکندر لودھی کے دور حکومت میں ایک بار پھر امن وامان قائم ہوا۔ابراہیم لودھی کے زمانہ میں اشیاء کے دام گھٹے اور خوشحالی آگئی،جس کی وجہ

سے علم وادب کو بھی فروغ ہوا، لیکن یہ دہلی سلطنت کے بڑھتے زوال کا آغاز تھا جلد ہی مغلیہ حکومت نے اس کی جگہ لے لی، اور دہلی سلطنت کے ہی نظم ونسق کی بنیاد پر مغلیہ حکومت نے اپنی عمارت استوار کرلی۔

6.3 انتظام سلطنت

دہلی سلطنت اپنے ابتدائی دور میں فوجی نوعیت کی تھی، چونکہ حکمرانوں کو استحکام حکومت پر توجہ دینی تھی، اور بغاوتوں کے خطرات پر بندش لگانی تھی، ان کی بیشتر توجہ فوج کی تیاری اور عمدگی پر رہتی تھی۔ اور فوجی قوت پر ہی حکومت کی بقاء منحصر تھی۔ حکمراں کے انتخاب کا بھی کوئی طریقہ متعین نہیں تھا، پہلے فرمانروا قطب الدین ایبک کو تو شہاب الدین غوری نے گورنر مقرر کیا تھا، جس نے غوری کی وفات کے بعد اپنی خودمختاری کا اعلان کردیا تھا، بادشاہ کی حمایت کے لیے اس کے ماتحت امراء تھے۔ امراء کے مختلف مرتبے اور درجات تھے، کچھ خان کہلاتے، کچھ ملک اور کچھ امیر۔ چونکہ حکومت کی بنیاد رکھنے والے ترک نسل کے تھے، غلام خاندان کی حکومت میں یہ امراء اور معاونین بھی ترک ہی ہوتے تھے۔ بادشاہ ان ہی میں سے اپنے وزراء کو مقرر کرتا تھا، بیشتر حالات میں حکومت پر بادشاہ کا مطلق العنان اختیار رہوتا، اور وہی پورے نظام سلطنت کا مرکزی محور ہوتا۔ زیر حکومت علاقوں کو صوبوں اور پرگنوں میں تقسیم کیا گیا تھا، اور پرگنہ گاؤں پر مشتمل تھے۔ بادشاہوں نے حکومت کی انتظامی مشنری کی بحالی کے ساتھ عوام کی خوشحالی، امن وامان کے قیام اور عدل وانصاف کی فراہمی پر توجہ دی تھی۔ چونکہ حکومت کا پورا نظم ونسق بادشاہ کی ذات سے جڑا تھا، اور اس کی بہتری یا ابتری بنیادی طور پر بادشاہ سے ہی وابستہ تھی، اس لئے پہلے ہم یہ دیکھیں گے کہ بادشاہ کے اختیارات کیا تھے، اور وہ کس طرح نظام حکومت پر نظر رکھتا تھا۔

6.3.1 سلطان یا بادشاہ

عہد وسطی کی دہلی سلطنت بنیادی طور پر بادشاہ مرکوز تھی۔ بادشاہ پوری طرح بااختیار اور بڑی حد تک مطلق العنان ہوتا تھا۔ تمام انتظامی قوتوں کا مرکز اعلی اسی کی ذات تھی، فوج کا سربراہ اعلی بھی وہی ہوتا تھا اور عدلیہ کی آخری اتھاریٹی بھی بادشاہ ہی کی شخصیت تھی۔

بادشاہ کی تقرری کا کوئی باضابطہ نظام اور اصول طے نہیں تھا، بنیادی طور پر اعلی فوجی قابلیت اور حکومت پر کنٹرول کی صلاحیت تخت سلطنت کو حاصل کرنے کی راہ تھی۔ کچھ خاص حالات میں ایک بادشاہ اپنے بعد کے لئے کسی کو بادشاہ مقرر کردیتا تھا، لیکن اس کی تخت نشینی اور بقاء بھی اس کی فوجی صلاحیت اور امراء کے ساتھ تال میل پر منحصر رہتی تھی۔ امراء بادشاہ کے دست وبازو ہوتے تھے، ان کے تحت بڑی بڑی فوجیں ہوتی تھیں، بادشاہ ان کا تعاون حاصل کرنے پر مجبور رہوتے تھے، التمش نے ایسے چالیس امراء کی جماعت بنائی تھی جو امراء چہلگانی کہلاتے تھے۔ حکومت کو چلانے میں ان کا بڑا رول تھا، التمش کے بعد کے سیاسی اتھل پتھل میں ان امرائے چہلگانی کی علاحدہ وابستگیوں اور اختلاف رائے کو کافی دخل تھا۔ التمش کے بیٹے ناصرالدین محمود کے زمانہ میں بلبن جو وزیر اعظم یا نائب الملک مقرر رہوا، وہ بھی امرائے چہلگانی میں سے تھا۔ لیکن بلبن نے اپنی حکومت کے استحکام کے لئے امراء کا زور توڑ دیا اور چہلگانی جماعت ختم کردی۔ علاء الدین اور محمد تغلق نے بھی اپنے امراء کو وہ اہمیت نہیں دی اور مطلق العنانی برقرار رکھی۔ لودھیوں کے زمانہ میں افغان امیروں نے پھر قوت حاصل کرلی تھی، اور ان ہی کے انتشار کے نتیجہ میں حکومت دہلی ان کے ہاتھوں سے چلی گئی۔

بادشاہ کا اقتدار اگر چہ خود مختارانہ تھا، اور اس کے اوپر کوئی طاقت نہ تھی، لیکن حکمرانوں کو بہت سارے مواقع پر اپنے امیروں کا لحاظ رکھنا پڑتا تھا۔ علاء الدین خلجی نے بغاوتوں پر قابو پانے کے لئے اپنے خاص امراء کے ساتھ تین دنوں تک مشورہ کیا اور کافی غور وخوض کے بعد جو تجاویز مرتب ہوئی تھیں ان کو سختی کے ساتھ اس نے نافذ کیا۔ دہلی سلطنت مسلم حکومت تھی، اس لئے بادشاہ سے اس بات کی توقع رکھی جاتی تھی کہ وہ دین و شریعت کا محافظ اور پناہ گاہ ہوگا۔ قطب الدین، التمش اور بلبن خود بھی بڑے دیندار اور پابند شریعت تھے، ان کے درباروں میں علماء اور فقہاء کو بڑا اعزاز حاصل تھا، بادشاہ کئی موقعوں پر ان سے مشورے کرتا تھا، وہ بھی موقع بہ موقع بادشاہ کو نصیحت کرتے اور شرعی احکام کی یاد دہانی کراتے۔ التمش کی مجلس میں شیخ نورالدین مبارک غزنوی نے مشہور نصیحت کی تھی جس میں بادشاہ کے شرعی فرائض اسے یاد دلائے تھے۔ التمش اور بلبن کے دسترخوان پر سینکڑوں علماء ہوتے جن سے مذہبی گفتگو اور حکومت کے کام کاج کی بابت مشورے ہوتے تھے، لیکن یہ بادشاہ بھی ملکی مصالح میں شریعت کے پابند نہیں ہوتے تھے۔ علاء الدین خلجی اور محمد تغلق نے ان کا اثر کم کرنے کی کوشش کی، قاضی مغیث الدین بیانوی کے ساتھ علاء الدین کی گفتگو اس ضمن میں مشہور ہے جس میں بادشاہ نے اگر چہ قاضی سے بیت المال کی آمدنی کے ذاتی استعمال، سزاؤں میں اس کے طریقے اور دوسرے پیچیدہ امور کے بارے میں شریعت کی رائے جاننی چاہی، لیکن وہ قاضی کے شرعی جواب پر عمل کے لئے آمادہ نہ ہوا۔

سلاطین دہلی میں سے کئی حکمرانوں نے اس بات کی بھی کوشش کی کہ وہ خود کو خلیفۃ المسلمین کا نائب بنا کر پیش کریں، عباسی خلافت اگر چہ دم توڑ رہی تھی، لیکن دہلی کے مضبوط ترین سلطان التمش نے اپنے لئے عباسی خلیفہ مستنصر باللہ سے سند توثیق منگوائی، اور خلیفہ کے منشور کا اس نے بڑے احترام واہتمام کے ساتھ استقبال کیا۔ اپنے خطبہ میں خلیفہ کا نام شامل کیا، سکوں پر اس کے نام کندہ کروائے اور خود اپنے لئے خلیفہ کے نائب کا لقب اختیار کیا۔ محمد بن تغلق نے بھی مصر کے عباسی خلیفہ سے اپنے لئے سند توثیق منگوائی تھی۔ فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں کو کہ بغداد کی عباسی حکومت ختم ہو چکی تھی، لیکن اس نے دو مرتبہ خلیفہ سے ایسی سندیں حاصل کیں اور اپنی سلطنت کو شرعی استناد فراہم کیا۔ البتہ بلبن نے خود کو ہی خلیفہ کہلوایا، اس کا نظریہ تھا کہ بادشاہ زمین پر اللہ کا نائب ہے، اور اس کا مقام بہت بلند ہے، اپنے اس نظریہ کے تحت بلبن نے اپنے دربار کی شان وشوکت اور دبدبہ شاہی کو انتہائی بلندی پر برقرار رکھا۔ صرف قطب الدین مبارک خلجی نے سکوں پر سے خلیفہ کا نام ہٹوا دیا تھا۔

بادشاہ کی ذمہ داری سلطنت کی حفاظت، امن وقانون کی برقراری، محاصل کی وصولیابی، عوام ورعایا کی خوشحالی اور عدل کا قیام تصور کیا جاتا تھا، سلطان ان مقاصد کو پورا کرنے کے لئے مختلف ذیلی محکموں اور افراد کی مدد لیتا تھا، اور مختلف کاموں کے لئے علاحدہ علاحدہ شعبے قائم کردئے تھے، ان تمام شعبوں کا آخری سربراہ خود بادشاہ تھا، ان محکموں کے قیام اور ان کی کارکردگی کو بہتر بنانے کے لئے بادشاہ اپنے مخصوص امیروں اور عقلمند عہدیداروں سے مشورے لیا کرتا تھا، یہ مشاورتی کونسل بھی بادشاہ کی صوابدید پر ہوتی تھی اور اس کے افراد کی تعداد اور ان کی تعیین بدلتی رہتی تھی، جو بسا اوقات درپیش مسئلہ کی نوعیت اور سنگینی کے لحاظ سے ہوتی تھی۔

6.4 مرکزی حکومت

سلطنت کے نظام کو بہتر طریقہ پر چلانے کے لئے تمام مفتوحہ علاقوں کو مختلف صوبوں میں تقسیم کردیا گیا تھا، صوبوں کی تعداد مختلف زمانوں میں بدلتی رہی تھی۔ دہلی سلطنت کا ابتدائی دور استحکام اور وسعت کا تھا، ایبک اور اس کے بعد التمش اور بلبن کے عہد میں نئی فتوحات جاری

تھیں، اور نئے علاقے داخل سلطنت ہورہے تھے۔علاءالدین خلجی کے زمانہ میں جب سلطنت دہلی کی سرحدیں شمال اورمشرق ومغرب کی وسعتوں کے ساتھ پہلی مرتبہ جنوب میں دوردراز علاقوں تک پہنچ گئی تھیں تو اس وقت دہلی سلطنت اپنی وسعت کی بلندی پر تھی، ایسے وسیع علاقے کے انتظام کے لئے اسے بڑے بڑے صوبوں میں تقسیم کردیا گیا۔ان میں بعض صوبے ملتان، گجرات، دیوپال پور، چتوڑ، بدایوں، اودھ اور بنگالہ وغیرہ تھے۔صوبوں کو پرگنہ میں تقسیم کیا گیا تھا، اور ہر پرگنہ میں کئی کئی گاؤں ہوتے تھے۔

مرکزی حکومت کے نظام کے لئے مرکز میں وزراء مقرر کئے جاتے تھے، جو اپنے محکموں سے متعلق کاموں کو پوری مملکت کے اندر دیکھتے تھے، صوبے بھی ان کے اندر آتے تھے، البتہ صوبائی سطح پر داخلی انتظامات کیلئے اسی طرح کے محکمے صوبوں میں بھی قائم کئے جاتے تھے، جن کے سربراہان مرکزی وزراء اور عہدیداروں کی ماتحتی میں کام کرتے تھے، کئی محکمہ پرگنہ کی سطح پر بھی قائم کئے گئے تھے جن کی نگرانی صوبائی عہدیداروں کے ذریعہ ہوتی تھی۔

مرکز میں قائم ہونے والے بڑے بڑے محکموں میں فوج، محاصل، قضاء ومذہبی امور، فرامین ومراسلات، شاہی محل، پولیس وجاسوس، ڈاک اور صوبائی نظم وغیرہ تھے۔ان کے عہدیداران وزراء اور دوسرے مختلف ناموں سے جانے جاتے تھے۔محکموں اور وزراء کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی، اور ان کے اختیارات اور فرائض میں بھی مختلف حکومتوں میں فرق ہوا کرتا تھا۔

6.4.1 وزراء

مرکز کے وزراء میں سب سے اہم عہدہ وزیر کا تھا، اس کی حیثیت وزیراعظم کی تھی، جو بادشاہ کے بعد دوسرے نمبر کا شخص ہوتا تھا، بادشاہ کا قابل اعتماد اور اس کا نائب۔شروع میں یہ عہدہ صرف وزیر کے نام سے تھا، التمش کے بعد اس کی اہمیت اور اختیارات میں کمی آگئی تھی، نائب الممالک کو بادشاہ کے بعد والے شخص کے اختیارات حاصل ہوگئے تھے، چنانچہ بلبن ترقی کرتا ہوا ناصرالدین محمود کے زمانہ میں نائب الممالک کے عہدہ پر فائز ہوگیا تھا، اور ایک طرح سے وہی پوری مملکت کے سیاہ وسپید کا مالک تھا۔علاءالدین کے زمانہ میں ملک کافور نائب الممالک کے عہدہ تک پہنچا تھا۔وزیر کا عہدہ عملی لحاظ سے دیوان وزارت کے سربراہ کا رہ گیا تھا، اور دیوان وزارت کے ذمہ مالیات اور محاصل کی نگرانی کا کام آگیا تھا۔دیوان وزارت کے تحت مالیات ذمہ داری کے آجانے سے پوری مملکت کی آمدوخرچ اور ان کا حساب کتاب اس وزارت سے متعلق ہوگیا تھا، وہ اپنے ماتحت عملوں کے ساتھ خالصہ یعنی شاہی زمینوں کا لگان اور باجگذار حکمرانوں سے خراج وصول کرتا تھا، صوبائی حکومتوں کے حسابات کی جانچ پڑتال کرتا تھا، اور وہاں کے فاضل محصول وصول کرتا تھا۔محاصل کے کاموں کے لیے اس وزیر کے تحت دو اور افسران ہوتے تھے، ایک کا عہدہ مشرف ممالک کہلاتا تھا جس کے ذمہ مملکت کی آمدنیوں کی دیکھ بھال تھی، یہ آج کی اصطلاح میں اکاؤنٹنٹ جنرل کے برابر کا عہدہ تھا، دوسرے کا عہدہ مستوفی ممالک کہلاتا تھا جو اخراجات کی جانچ پڑتال کیا کرتا تھا۔اسے موجودہ اصطلاح میں آڈیٹر جنرل کہا جاسکتا ہے۔مستوفی کے ماتحت ایک اور افسر ہوتا تھا جسے وقوف کہتے تھے۔یہ عہدہ جلال الدین خلجی نے جاری کیا تھا، اس کا کام مصارف کی مدوں کا جائزہ لینا تھا۔اسی دور میں ایک عہدہ ناظر منصب کا نکالا گیا جو عاملوں کی طرف سے مشرف ممالک کو بھیجے جانے والے حسابات کی جانچ پڑتال کرتا تھا، نچلی سطح کے عہدوں میں عامل، کارکن اور متصرف ہوا کرتے تھے۔دیوان وزارت کا کام کافی وسیع اور پیچیدہ ہوا کرتا تھا۔التمش کا وزیر فخرالدین عصامی تھا جس نے بغداد کے محکموں میں تیس برس کام کا تجربہ حاصل کیا تھا۔پھر اس کی جگہ نظام الملک جنیدی مقرر رہوا، جو بڑا قابل شخص تھا۔بلبن خود وزیر

اور نائب الممالک رہا تھا لیکن بادشاہ بننے کے بعد اس عہدہ کو اس نے ختم کر دیا تھا، خواجہ حسن کو اس نے وزیر بنایا تھا جو بہت کم مشہور ہے۔

علاء الدین کے زمانے میں اس عہدہ پر خواجہ خطیر مقرر تھا، پھر نصرت خاں کو اس منصب پر فائز کیا گیا اور آخر میں ملک کافور نائب مملکت کے ساتھ وزیر خاص بھی تھا اور مالیات کا قلمدان اس کے پاس رہا۔ سید خاندان کے عہد میں اسے وکیل السلطنت کا نام دیا گیا تھا۔ محمد بن تغلق نے احمد ایاز کو خان جہاں کے خطاب کے ساتھ وزیر مقرر کیا تھا' جو معمر اور تجربہ کار آدمی تھا۔ فیروز تغلق کا وزیر خاں جہاں مقبول تھا جو تلنگی سے مشہور تھا اور نو مسلم برہمن تھا، یہ نہایت لائق شخص تھا اور فیروز شاہ نے تمام معاملات اس کے سپرد کر دئے تھے۔

دوسرا وزیر سربراہ فوج تھا، اس کا عہدہ دیوان عرض کہلاتا تھا، اسے عارض ممالک بھی کہتے تھے۔ یہ اہم عہدہ تھا اور اہمیت میں وزیر خاص کے بعد دوسرے نمبر پر تھا، اس کے ذمہ سپاہیوں کی بھرتی، فوجیوں کے ساز و سامان کی نگرانی، ان میں تنخواہوں کی تقسیم اور وقتہ وقتہ سے عرض یعنی فوج کا معائنہ کرانا داخل تھا۔ اس کے تحت کئی نائب ہوا کرتے تھے جو بخشی بھی کہلاتے تھے۔ عارض ممالک فوج کا سربراہ یا سپہ سالار اعظم نہیں ہوتا تھا، بلکہ ہر فوج کے کمانڈر کی تقرری بادشاہ خود کرتا تھا، البتہ عارض ممالک یا اس کے نائب اور بخشی کا کام یہ تھا کہ میدان جنگ میں صوبائی کورنروں کے بھیجے ہوئے فوجی دستوں کا خیر مقدم کرے۔ سپاہیوں میں تنخواہوں کی تقسیم، سامان رسد اور ذرائع حمل و نقل کا انتظام اور اموال غنیمت کا انتظام و انصرام اس کے ذمہ تھے، وزیر جنگ کے اختیارات بڑے وسیع تھے۔

تیسری وزارت دیوان انشاء کہلاتی تھی، اس وزارت کا کام شاہی فرامین اور اعلانات کا مسودہ تیار کرنا، صوبائی کورنروں اور دیگر افسروں کے ساتھ رسل و رسائل کا رابطہ رکھنا اور سرکاری دستاویزات کی حفاظت کرنا تھا۔ اس کے تحت سکریٹریوں کا ایک بڑا عملہ ہوا کرتا تھا، یہ لوگ دبیر کہلاتے تھے، ان دبیروں کا سربراہ دبیر مملکت کہلاتا تھا، یا صاحب دیوان انشا بھی کہلاتا تھا، بادشاہ کا پرائیوٹ سکریٹری دبیر خاص کہلاتا جو بادشاہ کے خط و کتابت کا نگراں ہوتا تھا۔

مملکت کا چوتھا وزیر دیوان رسالت تھا، اسے موجودہ زمانے کی اصطلاح میں وزیر خارجہ کہا جا سکتا ہے اس کے ذمہ دوسری حکومتوں کے درباروں میں خط و کتابت بھیجنا تھا، غیر ممالک سے آنے والے سفراء اور نمائندوں سے یہی قریبی رابطہ رکھتا تھا، اسی کی نگرانی میں دوسرے ممالک میں سفراء بھیجے جاتے تھے۔

6.4.2 جاسوس اور پولیس

ایک اہم عہدہ بریدِ ممالک کا تھا، اس کے تحت پورے ملک میں واقعہ نویس اور جاسوس مقرر ہوتے تھے، جو مملکت کی ہر چھوٹی بڑی بات سے بادشاہ کو باخبر رکھتے تھے، یہاں تک کہ مملکت کی سرحد میں داخل ہونے والے شخص کے ذاتی کوائف اور حلیہ و لباس تک کی تفصیلات سے فوری طور پر بادشاہ کو باخبر کر دیا جاتا تھا۔ بریدِ ممالک کے تحت بریدوں کی ایک پوری جماعت ہوتی تھی جو شہروں، بازاروں اور ہر آباد محلّہ میں تعینات ہوتی تھی، ان کا کام سلطنت میں واقع ہونے والے ہر کام کی خبر بادشاہ کو دینا تھا۔ بریدِ سلطنت کے کان اور آنکھ ہوا کرتے تھے، بریدوں کے علاوہ بھی مخبر مقرر کئے جاتے تھے، جو مہی کہلاتے تھے، وہ مختلف درجوں میں منقسم ہوتے تھے اور وہ بادشاہ کو عوام و خواص کے معمولی معاملات سے بھی باخبر رکھتے تھے، یہ مہی لوگوں کے گھروں میں داخل ہو سکتے تھے، علاء الدین اسی محکمہ کی سخت نگہداشت کے ذریعہ بازار کا کنٹرول قائم رکھنے میں

کامیاب ہوا تھا۔اس محکمہ میں جاسوسوں کے ساتھ پولیس بھی مقرر تھے، پولیس کا افسر اعلی کوتوال کہلاتا تھا، وہ امن وقانون کا محافظ ہوتا تھا اور اہم معاملات میں سلطان کو مشورہ دیا کرتا تھا، پایہ تخت سے سلطان کی عدم موجودگی میں وہ شاہی حرم کا بھی نگہباں ہوتا تھا، بلبن کے زمانہ میں کوتوال کا بادشاہ پر بہت اثر تھا۔دہلی کا کوتوال اس زمانہ میں ملک فخر الدین تھا، جو اہم معاملات میں بلبن کو مشورہ دیا کرتا تھا، اس کا داماد ملک نظام الدین' کیقباد کے زمانہ میں نائب کوتوال بن کر بادشاہ پر کافی اثر ورسوخ رکھنے لگا تھا، اور بغرا خاں کے مشورہ پر کیقباد نے اسے راستہ سے الگ کیا۔علاء الدین کے زمانہ میں ملک علاء الملک مشہور کوتوال تھا جو ضیاء الدین برنی کا چچا تھا' اس نے بادشاہ کو بڑی صفائی اور جرأت کے ساتھ معتدل مشورے دئے تھے، جس کی وجہ سے علاء الدین خلجی اپنے دو منصوبوں سے یعنی کسی نئے طریقہ ومذہب کو جاری کرنے اور یونان کے سکندر اعظم کی طرح عالمگیر فتوحات پر نکلنے سے باز رہا۔

اسی محکمہ کے تحت ایک افسر محتسب کے نام سے تھا جو عوام کے اخلاق کا نگراں اور لوگوں کے کردار پر نظر رکھنے والا ہوتا تھا، اس کے علاوہ وہ بازار کی اشیاء اور ناپ وتول کے پیمانوں کی بھی جانچ پڑتال کیا کرتا تھا، تاجروں پر سخت نگہداشت رکھنے کے لئے شحنہ کے نام سے بھی ایک عہدہ تھا۔

6.4.3 حرم شاہی کے عہدیداران

بادشاہ کا محل، دربار، مطبخ، حرم شاہی اور سیکوریٹی وغیرہ خود اپنے آپ میں وسیع انتظامات کے متقاضی ہوا کرتے تھے، ان کاموں کے لئے علاحدہ علاحدہ عہدیدار مقرر تھے، اور ان کی ذمہ داریاں بڑی اہمیت کی حامل اور نزاکت بھری ہوتی تھیں۔بادشاہ کی حفاظت سے لے کر دربار کے آداب ورسوم اور دربار کی مجلسوں تک نیز حرم شاہی کے لئے خورد ونوش وپوشاک اور شان وشوکت نیز سفر کے دوران عارضی محل کے تمام انتظامات انہی عہدیداروں سے متعلق ہوا کرتے تھے۔انھیں بادشاہ کے پاس رسائی سے زیادہ مواقع ہوا کرتے تھے اور ان پر بادشاہ کی نظر بھی گہری رہا کرتی تھی۔اسی طرح بادشاہ کے حرم کا اپنا انتظامیہ بڑا وسیع ہو جایا کرتا تھا۔

حرم شاہی کے عہدیداروں میں ایک عہدہ وکیل در کا ہوتا تھا، یہ محل کے دروازوں کا کلید بردار ہوتا تھا، اور اس کے ذمہ پورے محل اور دربار کے انتظام وانصرام کو دیکھنا تھا، یہ محل کا اہم ترین افسر ہوا کرتا تھا محل کے عملہ کی تنخواہیں تقسیم کرنا، شاہی اولاد کی تعلیم وتربیت کا انتظام کرنا محل کا مطبخ، شاہی ملبوسات اور شاہی اصطبل اس کے ذمہ میں ہوتے تھے۔اس عہدہ کی نزاکت بہت زیادہ ہوا کرتی تھی، بادشاہ کی معمولی ناراضگی، ذرا سا بھی شک وشبہ اس کی جان کے لئے خطرہ بن سکتا تھا۔وکیل در کے ساتھ اس کا نائب بھی ہوتا تھا اور بہت بڑے عملہ کے ذریعہ وہ اپنے فرائض کو انتہائی ذہانت وصلاحیت اور قابلیت کے ساتھ ادا کرتا تھا۔شاہی محل کے عملہ اور کارکنوں وخادموں کی تعداد سینکڑوں میں ہوا کرتی تھی۔

ایک اہم عہدہ امیر حاجب کا تھا، یہ سلطان سے تنہائی میں ربط رکھنے والا افسر ہوتا تھا، یہی دربار کے آداب کا نفاذ کرتا تھا، اور جلسوں اور تقریبات کے انتظامات دیکھتا تھا، دربار میں باریابی کے آداب اور امراء وافسران کی نشست گاہوں کی تعیین اس سے متعلق ہوتی، یہ بڑی اہم ذمہ داری تھی اور دربار میں ملاقات کے طریقے اور اس کی شان وشوکت اس سے وابستہ ہوتی تھی، بلبن کے زمانہ میں دربار کی شان وشوکت اور اس کے دبدبہ کا اہتمام بہت زیادہ کیا جاتا تھا، کہا گیا ہے کہ جب بلبن کا دربار آراستہ ہوتا تو ملوک وامراء نقیب وچاؤش اور دیوپیکر جوان ننگی تلواریں لئے اس کے دیگر دو پیش کھڑے رہتے، باہر کا کوئی سفیر یا مقامی کوئی راجہ دربار میں باریاب ہوتا تو سلام کے وقت خوف سے گر جاتا یا بے ہوش

ہوجاتا۔چنگیزی فتنوں سے پریشان ہوکر بلبن کے دربار میں پندرہ شہزادے پناہ لئے ہوئے تھے،ان میں سے سوائے دوعباسی شہزادوں کے سبھی شہزادے تخت شاہی کے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے۔دربار کے بڑے بڑے امراء پرایسی ہیبت رہتی کہ بلبن کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں کرتے تھے،جب اس کی سواری نکلتی تو تماشائی اور سامعین پرلرزہ طاری ہوجاتا،برنی کے مطابق بلبن نے اپنی حکومت کے بیس سالہ دور میں شاہی وقار،شاہی آداب اور شاہی دبدبہ کو اتنا بلند کردیا تھا کہ اس سے زیادہ بلند نہ ہوسکا۔دربار کی اس شان وشوکت کے انتظام کی ذمہ داری امیر حاجب کے ذمہ ہوا کرتی تھی۔امیر حاجب کو باربک کے نام سے بھی جانا جاتا تھا۔

ایک افسر سرجاندار کے نام سے تھا،یہ بادشاہ کے ذاتی محافظوں کا سربراہ ہوتا تھا،بادشاہ کی حفاظت میں بڑے توانا اور مضبوط نسل کے نوجوان اسلحوں کے ساتھ اردگرد کھڑے رہتے تھے،انھیں جاندار کہا جاتا تھا،اوران کا یہ سربراہ سرجاندار کہلاتا تھا،بلبن کے دربار میں سینکڑوں دیو پیکر نوجوان ننگی تلواریں لئے کھڑے رہتے تھے جو اچانک کسی حملہ کے وقت تحفظ کے لئے تیار رہتے تھے اوران سے دربار کی شان وشوکت میں بھی اضافہ ہوتا تھا،اسکی سواری کے جلو میں پانچسو سیستانی،عربی،سمرقندی اور غوری سوار ننگی تلواروں کے ساتھ نعرے بلند کرتے ہوئے چلتے تھے۔

بادشاہ کے معمولات میں سیروشکار اور اس غرض سے سفر بھی ہوا کرتا تھا،شکارگاہ کی نگرانی امیر شکار کے ذمہ ہوا کرتی تھی،شاہی فوج کے ہاتھیوں کا ذمہ دار شحنہ پیلان کہلاتا تھا،اور سرکاری اسلحوں کا سربراہ سرسلاحدار ہوتا تھا،شاہی مہر بردار مہر دار کہلاتا اور گھوڑوں کا افسر امیر آخور کہلاتا ،یہ شاہی سوارفوج کا سربراہ ہوتا تھا۔

شاہی محل کا ایک اہم کام مطبخ سے متعلق ہوا کرتا تھا،اسکے پاس نہ صرف شاہی افراد خاندان کے خوردونوش کا انتظام تھا بلکہ بڑی شاہی ضیافتوں کا اہتمام بھی ہوا کرتا تھا۔شاہی مطبخ کا نگراں سرچاشنی گیر اور مشروبات کا ذمہ دار شرابدار کہلاتا تھا۔اس طرح کے بہت سے عہدے شاہی حرم سے متعلق ہوا کرتے تھے۔

شاہی حرم کے یہ وزراء،افسران اور سکریٹریز بڑی اہمیت کے حامل ہوتے تھے،وہ بادشاہ سے بہت قریب ہوتے تھے اور اپنے مقام و حیثیت کے لحاظ سے خاصا اثر ورسوخ رکھتے تھے۔

معلومات کی جانچ:

1۔دہلی سلطنت میں اقتدار اعلی کس کے ہاتھ میں تھا؟

2۔فوج کے سربراہ کو کیا کہتے تھے اور اس کے کیا اختیارات ہوتے تھے؟

3۔برید ممالک کسے کہتے تھے اور اس کے کیا کام ہوتے تھے؟

6.5 صوبائی حکومتیں

دہلی سلطنت کا رقبہ اپنی ابتداء سے وسیع تر ہوتا جارہا تھا،علاءالدین خلجی کے عہد تک تقریبا پورے شمالی اور جنوبی ہندوستان پر دہلی حکومت قائم ہوچکی تھی،مملکت کے انتظام کے لئے ان مفتوحہ علاقوں کو بڑے بڑے صوبوں میں تقسیم کردیا گیا تھا،بعض صوبے پہلے ہی سے

بڑے اور معروف تھے ، جہاں دہلی سلطنت سے قبل چھوٹی حکومتیں تھیں اور دہلی سلطنت نے انھیں فتح کرلیا تھا ، جیسے گجرات اور ملتان کی حکومتیں وغیرہ۔بعض علاقوں کوصوبے کی حیثیت دی گئی،ان صوبوں کے علاوہ کچھ ایسے بھی علاقے تھے جن کو دہلی سلطنت کے تابع بنا کر حکومت پر سابق حکمرانوں کو باقی رکھا گیا کہ وہ مرکز کو خراج ادا کرتے رہیں، یہ باجگذار کہلاتے ، جیسے شروع میں تلنگانہ کی حکومت اور راجستھان کی بعض راجپوت حکومتیں تھیں۔

علاءالدین کے زمانہ میں صوبوں کی تعداد گیارہ تھی جن کے علاحدہ علاحدہ گورنر مقرر تھے ۔گجرات پر الپ خاں مقرر تھا،ملتان کافور کے تحت تھا، دیوپال پور میں غازی ملک متعین تھا،اجین میں عین الملک ملتانی گورنر تھا،بدایوں کا گورنر ملک دینار تھا،سامانہ کی گورنری آخور بیگ کے تحت تھی،چتوڑ پر ملک ابومحمد گورنر بنایا گیا تھا،چندیری ملک تمر کے تحت،اودھ ملک بکتن کے تحت اور کڑہ ملک نصیرالدین سوتیلہ کے تحت تھے اور جھائن پر فخرالملک میرٹی گورنر تھا۔

صوبے اپنی جگہ مکمل یونٹ تھے اور وہاں گویا بادشاہ دہلی کے ماتحت خودمختارانہ حکومت تھی ۔صوبہ کے گورنر کی تقرری بادشاہ خود کرتا تھا، اسے صوبہ دار کہا جاتا تھا،وہ اپنے صوبہ میں آزادانہ حکومت کرتا تھا اور صوبائی سطح پر وہاں بھی مرکز کی طرح محکمے ہوتے تھے ۔صوبہ داروں کا تبادلہ بھی ہوتا رہتا تھا،اور گورنری ختم بھی کردی جاتی تھی ، یہ سب کچھ صوبہ دار کے انتظام و انصرام اور بادشاہ کے ساتھ اس کے مراسم پر موقوف تھا۔بعض صوبے بہت بڑے بڑے تھے ، جیسے بنگالہ کا صوبہ جولکھنوتی کہلاتا تھا،یا دکن کا صوبہ جس میں کئی چھوٹی حکومتوں کو شامل کردیا گیا تھا۔اپنی فوجی قابلیت اور صلاحیتوں کی بنیاد پر صوبہ دار کی تقرری ہوتی،بادشاہ اپنے شاہزادوں کو بھی صوبوں کی گورنری پر مقرر کرتا تھا، یہ صوبے مقطع بھی کہلاتے تھے،اور یہاں کے سربراہ مقطع دار۔ایبک نے التمش کو بدایوں کا مقطع دار بنایا تھا۔خود ایبک شہاب الدین غوری کے ذریعہ دہلی کا گورنر مقرر ہوا تھا۔بلبن نے اپنے بڑے بیٹے خان محمد کو ملتان کی گورنری پر مقرر کرکے منگولوں کی روک تھام اس کے سپرد کی تھی،ملتان میں خان محمد کا دربار اہل علم وفضل کا مرکز تھا جس سے امیر خسرو جیسے فاضل بھی وابستہ تھے،اس نے اپنے دربار میں شیراز سے شیخ سعدی کو بھی بلانے کی کوشش کی تھی ۔بلبن کا دوسرا بیٹا بغراخاں لکھنوتی (بنگال) کا گورنر مقرر ہوا تھا۔علاءالدین خلجی بادشاہ ہونے سے قبل کڑہ کا گورنر تھا اور اس کا سپہ سالار ملک کافور ملتان کا گورنر بنایا گیا تھا۔غیاث الدین تغلق بادشاہ ہونے سے قبل دیوپال پور کا گورنر تھا۔محمد بن تغلق کے زمانہ میں اس کی پالیسیوں سے ناراض ہوکر اور مسلسل ہورہے مالی وفوجی نقصان کے پیش نظر ان صوبائی گورنروں نے ہی بغاوت کا علم بلند کردیا تھا،محمد بن تغلق نے کچھ بغاوتوں پر قابو پایا اور انھیں دہلی سلطنت کے تابع بنالیا،لیکن کچھ صوبے تو ایسے آزاد ہوئے کہ پھر وہ دہلی سلطنت کا حصہ نہ بن سکے، جیسے دکن، گجرات ، بنگالہ اور ملتان وغیرہ۔بلکہ اسی زمانہ میں کئی ہندو ریاستیں قائم ہوگئیں، جیسے راجستھان کی حکومتیں اور جنوب میں وجے نگر کی حکومت وغیرہ۔

باجگذار ریاستیں جو وہاں کے حکمرانوں کے تحت رہنے دی جاتی تھیں، ان کا داخلی انتظام مرکز سے متعلق نہیں ہوتا تھا۔صرف انھیں سالانہ خراج کی ادائیگی کرنی ہوتی اور ضرورت پڑنے پر فوجی امداد فراہم کرنی ہوتی تھی ،اور سکوں پر بادشاہ دہلی کا نام رہتا تھا۔دیوگیری کے رام دیو اور دوسرے جنوبی ہند کے حکمراں ایسے ہی باجگذار تھے ۔

صوبوں کی حکومتوں میں تمام اہم محکمے موجود ہوتے تھے،صوبائی گورنر ایک طرح سے چھوٹا بادشاہ ہوتا تھا، دہلی کے بادشاہ کی طرح وہ بھی اپنے صوبہ میں انتظامیہ اور عدلیہ کا سربراہ ہوتا تھا۔وہ اپنے دربار منعقد کرتا تھا،عدل وانصاف کے محکمہ کی نگرانی اور عدالت اپیل کا کام کرتا ،

صوبے کا لگان صول کرتا اور امن و قانون کو یقینی بنائے رکھتا تھا، یہ صوبے دار عام طور پر اپنے صوبے یا مقطع میں مقیم رہتے تھے، لیکن بعض حالات میں انھیں دہلی کے شاہی دربار میں بھی رہنا پڑتا تھا، اور نائبوں کے ذریعہ صوبہ کے نظم ونسق کو چلانا پڑتا تھا۔

صوبائی گورنروں کی تنخواہ اس کے اقطاع کے کل محاصل کے تناسب سے مقرر کی جاتی تھی، وہ صوبے کے محصولہ لگان میں سے اپنی مقررہ رقم منہا کر کے فاضل رقم شاہی خزانے میں جمع کرا دیتا تھا، وہ اپنے صوبہ کے حسابات کے لئے مرکز کے دیوان وزارت (وزارت مالیات) کے سامنے جوابدہ ہوتا تھا، جہاں اس کے آمد وخرچ کی پابندی سے جانچ پڑتال ہوتی تھی، مرکزی حکومت ہی صوبائی گورنر کی فوج کی تعداد متعین کرتی تھی، اور مقطع اس میں تبدیلی نہیں کرسکتا تھا۔ یہ گویا مرکز کی جانب سے صوبہ کی فوجی حیثیت کی تعیین ہوا کرتی تھی، سلطان کے برید اور جاسوس مقطعوں اور صوبوں کے اندر بھی ہر جگہ مقرر ہوتے تھے جو صوبے کے حالات اور چھوٹی بڑی سرگرمی کی خبریں بادشاہ تک پہنچاتے تھے۔ اس کی وجہ سے گورنر بھی وفادار رہنے کی کوشش کرتے تھے، اور بغاوت کی ہلکی سے بھنک بھی کم وقت میں بادشاہ تک پہنچ جاتی تھی، خسرو خاں کی بغاوت کی خبر دکن کے دور دراز علاقہ سے دہلی پہنچ گئی تھی۔ ان پابندیوں کے علاوہ صوبہ دار کو کافی آزادی حاصل تھی، اور وہ اپنی قابلیت وصلاحیت اور وفاداری کی بنیاد پر طویل عرصہ تک گورنری پر برقرار رہ سکتے تھے۔ دیوپال پور میں غازی ملک اور گجرات پر الپ خاں نے طویل مدت تک گورنری کی۔

ان صوبوں کے علاوہ کچھ علاقے براہ راست مرکز کے زیر انتظام ہوتے تھے، یہ علاقے خالصہ کہلاتے تھے، اس کے اندر مختلف اضلاع اور شہر تھے، ان پر مقطع کے بجائے امیر شحنہ حکومت کرتے تھے، یہاں کے افسران دیوان وزارت سے تنخواہ پاتے تھے، اور اسی کی ماتحتی میں کام کرتے تھے۔

6.6 پرگنے اور گاؤں

دہلی سلطنت کے علاقوں کو بڑے بڑے صوبوں میں تقسیم کیا گیا تھا، جہاں صوبہ دار چند شرائط کے ساتھ پوری آزادی سے حکومت کرتے تھے، یہ صوبے بھی پرگنوں میں تقسیم تھے، پرگنہ ایک طرح سے ضلع کی حیثیت رکھتے تھے، کیونکہ ایک پرگنہ کئی گاؤں پر مشتمل ہوا کرتا تھا، ضلع کو سرکار بھی کہتے تھے، صوبہ کے تحت شق بھی ہوتے تھے، جن کے سربراہ کو شق دار کہا جاتا تھا، پرگنہ کے اندر موجود ہر گاؤں کا ایک ذمہ دار ہوا کرتا تھا جسے عامل کہا جاتا تھا، گاؤں کے سربراہ کے لئے مقدم کا نام استعمال ہوتا تھا، اور زمین کے مالکان خوط کہلاتے تھے۔ پرگنہ اور گاؤں کی سطح پر نظم وانتظام، مذہبی معاملات اور رسوم ورواج میں مرکز کی طرف سے کوئی مداخلت نہیں ہوتی تھی، یہاں پہلے سے چلا آرہا سابق نظام باقی رکھا گیا تھا، گاؤں میں مالیات کا ذمہ دار پٹواری کہلاتا تھا، اور اس کے ذریعہ گاؤں کی محصولی پرگنہ اور صوبہ سے ہوکر مرکزی حکومت تک پہنچتی تھی۔

6.7 فوج

دہلی سلطنت کے نظم ونسق کا ایک حصہ فوج کا انتظام تھا، حکومت چونکہ بنیادی طور پر فوجی نوعیت کی تھی، اس لئے حکومت کی بقاء فوج کی اعلی قابلیت پر ہی منحصر تھی۔ پھر اس دور میں مرکزی حکومت کے اندر بادشاہ کو نہ صرف اپنی بادشاہت کو باقی رکھنے کے لئے فوجی قوت پر اعلی دسترس

کی ضرورت ہمیشہ رہتی تھی، بلکہ ملک کے اندر وقتاً فوقتاً اٹھنے والی بغاوتوں پر قابو پا کر صوبوں کو مرکزی اقتدار سے وابستہ رکھنے کے لئے، مختلف علاقائی ہندو حکومتوں پر قابو رکھنے کے لئے اور خاص طور پر شمال مغربی سرحدوں کی طرف سے بار بار امنڈ کر اٹھنے والے خطرناک منگولی سیلاب سے تحفظ کے لئے بادشاہ کو پوری طرح فوجی قوت پر انحصار کرنا پڑتا تھا۔اس لئے دہلی سلطنت کے جن بادشاہوں نے اپنی فوج مضبوط رکھی ان کی حکومتیں مستحکم رہیں،اور جہاں فوجی قوت میں کمزوری آئی علاقے ہاتھوں سے نکل گئے۔

دہلی سلطنت کے تمام ہی حکمراں بنیادی طور پر اعلی قابلیت رکھنے والے فوجی تھے،اور انھوں نے میدان جنگ میں اپنی اعلی صلاحیتوں اور بہادری کا مظاہرہ کر کے ہی تخت سلطنت تک رسائی حاصل کی تھی۔قطب الدین ایبک اعلی درجہ کا قابل فوجی سربراہ تھا،التمش کی فوجی قابلیت نے ہی اسے تخت نشین کیا۔التمش کے بعد تخت نشینی کی جنگ چلی اور واحد خاتون بادشاہ رضیہ سلطان کو اس کی قابلیت کی وجہ سے ہی تخت سلطنت نصیب ہوسکا،بلبن کا طویل دور حکومت اس کی فوجی عظمت اور شاہانہ شوکت و شان کی مرہون منت ہے۔بلکہ اس نے منگولوں کو بھی اپنی فوجی سطوت وقوت کا خوف دلانے میں کامیابی حاصل کرلی تھی۔کیقباد کمزور اور ناز و نعمت کا پروردہ تھا،حکومت کا عصا مضبوطی سے نہ تھام سکا اور فیروز خلجی کی فوجی صلاحیت کام آئی اور حکومت خاندان خلجی میں منتقل ہوگئی،علاءالدین خلجی کو سکندر ثانی اس کی فوجی صلاحیتوں کی وجہ سے کہا جاتا ہے، اس کی فوجی مضبوطی کی وجہ سے دہلی سلطنت جنوب تک پہنچ سکی،خسرو خاں نے اگر چہ حکومت خاندان خلجی سے غصب کرلی لیکن اس موقع پر بھی غازی ملک کی غازیانہ صلاحیت نے ہی دہلی سلطنت پر اس کے قدم جمادئے۔محمد تغلق کے بعد جب فوجی قوت میں کمزوری آئی تو دہلی سلطنت کے ٹکڑے ہوتے گئے اور چھوٹی چھوٹی علاقائی حکومتیں وجود میں آگئیں۔

دہلی سلطنت میں فوج کی اسی اہمیت کی وجہ سے ہر بادشاہ نے فوجی تیاری پر خاطر خواہ توجہ دی،کیونکہ اس زمانہ میں یہی تصور تھا کہ ''بادشاہت فوج ہے اور فوج بادشاہت''۔ترکی نسل سے تعلق رکھنے والے ان بادشاہوں کی فوج اعلی معیار کی تھی،اس کے سپاہی نہ صرف اپنی فوجی تربیت میں بہتر تھے بلکہ سامان جنگ اور اسلحوں کا معیار بھی اونچا تھا،پھر وہ حکمت و تدبیر کے ساتھ لڑتے تھے۔شہاب الدین غوری کے مقابلوں میں ترائن کی دونوں جنگوں میں ہندوستانی فوج کے مقابلہ ترکی فوج کی برتری عیاں تھی۔

فوج کی تقسیم اس طرح ہوتی تھی کہ فوج کی ایک قسم بادشاہ کے ذاتی محافظوں پر مشتمل ہوتی تھی،یہ فوج جاندار کہلاتی تھی،وہ سلطان کی نگرانی اور ملازمت میں رہتے تھے۔

دوسرے گھوڑسوار اور پیادہ فوج تھی،یہ سلطنت کی مستقل اور متعینہ فوج کا حصہ تھے،تیسرے مخصوص سپاہی ہوتے جو جنگ کے زمانے میں بھرتی کئے جاتے تھے،اور اس میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل ہوتے تھے،بلبن کے زمانہ کی فوج کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان میں لڑاکے پہلوان،دوڑنے والے شطار اور ہر قسم کے لوگ پائے جاتے تھے،ان کے پاس بہترین گھوڑے،شاندار اسلحے اور خوبصورت ملبوسات تھے۔ترکی بادشاہوں نے اچھی نسل کے عمدہ گھوڑوں کی مسلسل فراہمی پر خصوصی توجہ دی تھی،یہ گھوڑے وسط ایشیا اور عرب و ایران سے آتے تھے، یہ اپنی قوت و تربیت میں علاقائی گھوڑوں سے بدرجہا بہتر ہوتے،ان گھوڑوں اور ان کے سواروں کو لوہے کے زرہوں کا لباس دیا جاتا اور دیگر اسلحوں سے لیس ہوکر وہ میدان جنگ میں مقابلہ کرتے۔

بادشاہ فوج کا کمانڈر ان چیف ہوتا تھا،اگر بادشاہ کہیں کسی فوج کو بھیجتا تو اس کے لیے سالار مقرر کردیتا تھا،سلطنت کی فوج وزیر جنگ یا

عارض مما لک کی نگرانی میں ہوتی تھی ،جس کی ذمہ داری فوجیوں کی فراہمی ،ان کی تنخواہوں کی تقسیم ،ان کے اسلحوں اور پوشاکوں کا انتظام اور گھوڑوں کا معائنہ وغیرہ تھی ،وہ فوجیوں کا ریکارڈ بھی رکھتا تھا۔

بلبن نے فوج کے لئے باضابطہ ایک محکمہ قائم کیا تھا ،علاءالدین خلجی نے فوج میں نئی نئی اصلاحات کیں اور کئی تبدیلیاں لائیں ۔اس نے گھوڑوں کو داغنے کا طریقہ جاری کیا تا کہ معائنے کے وقت ایک گھوڑا دوبارہ نہ پیش کیا جائے یا اسے بدل نہ دیا جائے ۔فوجیوں کے ریکارڈ کے لئے رجسٹر بنوائے جس میں ہر فوجی کی تفصیل درج ہوتی ،علاءالدین نے ہی فوج کو نقد تنخواہ دینے کا طریقہ شروع کیا ،تا کہ سلطنت کے پاس باقاعدہ تنخواہ دار مستقل فوج رہے۔

سلطنت کی حفاظت کے لئے فوج کے ساتھ قلعوں کی تعمیر اور مرمت نیز ان میں تمام جنگی ساز و سامان کی فراہمی پر بھی توجہ دی گئی تھی ، بلبن نے قلعوں کی تعمیر پر خاص توجہ دیتے ہوئے شمال مغربی سرحدوں پر متعدد قلعے تعمیر کرائے ،تا کہ منگولوں کے حملوں کا مؤثر دفاع کیا جا سکے۔ علاءالدین کے زمانہ میں منگولوں کی فوج کے دہلی تک آجانے کے بعد اس نے بھی قلعہ بندی کی ضرورت محسوس کی اور فوجی اہمیت کے مقامات پر پرانے قلعوں کو تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ان قلعوں میں ہر قسم کے ہتھیار اور غلہ و رسد کے کوداموں کا انتظام کیا گیا ،بڑے اسلحے جیسے منجنیق اور عرادے لگائے گئے ،نیز ان کے بنانے والے ماہرین فن وہاں مقرر کئے گئے ،اور ان قلعوں پر آزمودہ کار کمانڈر مقرر کئے گئے جو کوتوال کہلاتے تھے۔علاء الدین اپنی فوج کے ساتھ بڑی شفقت کا معاملے رکھتا تھا اور ان کی آسانی کا خیال رکھتا تھا ،اشیاء کی ارزانی اور قیمتوں پر کنٹرول کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ فوجیوں کو کم داموں پر ضروریات کے سامان مہیا ہو جائیں۔فوج میں گھوڑوں کے علاوہ ہاتھی بھی رکھے جاتے تھے۔

6.8 ڈاک

سلطنت کے دور دراز علاقوں سے رابطہ رکھنے کے لئے ڈاک کا انتظام بہتر بنایا گیا تھا ،جس کی وجہ سے سلطنت کے مختلف حصے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے ،اور نظم و نسق میں سہولت پیدا ہو گئی تھی ،ڈاک کا طریقہ یہ تھا کہ ایک شہر سے دوسرے دور دراز شہر تک راستے میں ہر تھوڑے فاصلہ پر چوکیاں قائم کر دی گئی تھیں ،یہ چوکیاں بہت کم فاصلہ پر ہوتی تھیں ،ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ دہلی سے دولت آباد کی شاہراہ پر ہر میل پر تین چوکیاں قائم تھیں ، ہر چوکی پر سوار افسر اور محرر مقرر رہوتے تھے ،چوکیاں سواروں اور پیادوں دونوں کی ہوتی تھیں ،چوکی پر وہ تمام چیزیں مہیا رکھی جاتی تھیں جن کی ضرورت کسی ایک مسافر کو پیش آسکتی ہے ، محمد بن تغلق کے عہد میں ہر چوکی پر دس تیز رفتار دوڑنے والے تعینات رہتے تھے۔ان چوکیوں کے ذریعہ سلطنت کے ہر علاقہ کی خبر برابر دہلی میں بادشاہ کو پہنچتی رہتی تھی ،جب مرکز سے کوئی فوج کسی علاقہ میں روانہ ہوتی تو فوج کی خبریں ہر روز یا تیسرے دن سلطان کے پاس بھیجی جاتی رہتی تھی۔علاءالدین اور محمد بن تغلق نے ڈاک کے نظام کو اور بہتر بنایا تھا ،محمد بن تغلق نے دہلی سے دولت آباد کی طویل شاہراہ بنوائی تھی جس پر دونوں کنارے درخت لگوائے تھے۔علاءالدین کو اسی ڈاک کے بہتر نظام کی وجہ سے حاجی مولہ کی بغاوت کی خبر تیسرے دن ہی مل گئی تھی۔اور قطب الدین مبارک کے زمانہ میں خسرو خاں کو قید کر کے دیوگیری کے دور دراز مقام سے صرف ایک ہفتہ میں دہلی پہنچا دیا گیا تھا۔محمد بن تغلق کو اس ڈاک کے ذریعہ دولت آباد میں گنگا کا صاف پانی پہنچتا تھا ،اور خراسان کے تازہ میوے بھی پہنچائے جاتے تھے۔

ڈاک کا یہ نظام پھیلی ہوئی دہلی سلطنت پر بیدار مغزی سے نظر رکھنے میں سلطان کے لئے کافی مددگار ثابت ہوتا تھا۔

6.9 مالیاتی نظام

سلطنت کے نظم ونسق کا ایک اہم حصہ مالی نظام تھا، دہلی سلطنت کے سلاطین کے پیش نظر یہ بات رہی کہ ملک کے اندر ایک انتظامیہ رکھنے کے لیے آزاد سلطنتوں کو فتح کر کے دہلی کے تابع بنایا جائے، ملک میں امن وامان قائم رکھا جائے، بیرونی حملوں سے ملک کی حفاظت کی جائے اور ملک کے مختلف حصوں سے محاصل وصول کئے جائیں۔ان کاموں کے لئے دہلی سلطنت کو ایک مضبوط فوج کی ضرورت تھی، اور فوجی اخراجات کی تکمیل کے لئے نیز عوام کی فلاح وبہبود سے متعلق رفاہی اقدامات کے لئے مستحکم مالی نظام کی ضرورت تھی۔

قطب الدین ایبک سے لے کر جلال الدین خلجی تک حکمرانوں نے ہندوستان میں پہلے سے رائج مالی نظام، محصول کے طریقوں اور زرعی معاملات کو باقی رکھا اور ان کی کارکردگی کو بہتر بنانے کی کوشش کی، نیز ظلم وتشدد کی روک تھام کو یقینی بنایا۔ہندوستان بنیادی طور پر زرعی ملک تھا، جہاں کاشتکار اپنی یا مالکان اراضی کی زمینوں پر کاشت کرتے تھے اور پیداوار کا ایک مقررہ حصہ جنس کی شکل میں یا نقد کے طور پر حکومت کو دیا کرتے تھے، صوبوں کے اندر اقطاع کا نظام رائج تھا، یعنی امیروں یا صوبہ داروں کو اپنے زیر انتظام علاقوں سے وصول ہونے والے لگان اور محصول میں سے ہی صوبائی اخراجات کے انتظام، صوبائی فوج کے اخراجات اور اپنے ذاتی اخراجات کو پورا کرنا ہوتا تھا، اور ایک مقررہ مقدار میں محصول مرکزی حکومت کو ادا کرنا ہوتا تھا۔

علاء الدین خلجی نے لگان کی تعیین اور اس کی وصولیابی کے انتظام میں بڑے پیمانہ پر تبدیلیاں کیں، اس سے پہلے تک جو نظام رائج تھا وہ کچھ یوں تھا کہ کچھ زمینیں براہ راست مرکز کے تحت تھیں جو خالصہ کہلاتی تھیں، یہ زمینیں دیوان وزارت کی براہ راست نگرانی میں ہوتی تھیں، یا گورنر اپنے ماتحت علاقوں کی اراضی کے محصولات وصول کراتے، ان سے اپنی تنخواہ کا حصہ اور صوبائی نظم ونسق کے اخراجات نکال کر باقی محصول مرکزی خزانہ میں جمع کر دیتے تھے، محصول کی تعیین کا طریقہ یہ تھا کہ کاشتکار اپنی پیداوار کا کچھ حصہ مقطع یا بادشاہ کو ادا کرنے پر راضی ہو جاتا تھا، یہ مقدار عموماً پیداوار کی ایک تہائی ہوتی تھی۔گاؤں کے مقدم یا خوط لگان کو وصول کرتے تھے، اور مرکزی حکومت کے حصہ کو نقد یا جنس جس شکل میں طے ہوا ادا کر دیا کرتے تھے۔یہ وصول کنندگان اپنے عمل کا معاوضہ پاتے تھے۔جلال الدین خلجی کے عہد تک محصول کی وصولیابی یا مالی نظام کا یہی طریقہ رائج تھا۔

علاء الدین خلجی نے جب دہلی سلطنت کی سرحدیں انتہائی وسیع کر دیں اور مملکت کا دائرہ تقریباً پورے ہندوستان پر پھیل گیا تو اس نے اپنی بڑھتی فوجی ضروریات کی تکمیل کے لئے نیز رعایا کی بہبودی کے پیش نظر دوسری اصلاحات کے ساتھ معاشی اصلاحات پر بھی خاطر خواہ توجہ دی، اور پہلی مرتبہ میں محاصل کی تعیین، ان کی وصولیابی، بازار کے نرخ، اشیاء کی درآمد وبرآمد اور دیگر معاشی ضوابط میں بڑے پیمانہ پر تبدیلیاں کیں، اور ان معاشی ضوابط اور مالی اصلاحات کو پوری قوت کے ساتھ نافذ بھی کیا۔اپنی ان اصلاحات اور ان کے نفاذ کی وجہ سے علاء الدین اپنی وسیع مملکت میں امن وامان کے ساتھ طویل عرصہ حکومت کر سکا۔

علاء الدین نے پہلی مرتبہ زرعی زمینوں کی پیمائش کروائی، زمین کی حقیقی پیمائش کی بنیاد پر محصول کو مقرر کیا، اس کی وجہ سے درمیانی لوگوں

اورسرداروں کی من مانی وصولیابی پر روک لگ گئی ۔اب کاشتکاروں کی زمینیں جتنی ہوتیں ان پر محصول کی مقدار طے ہوجاتی ،خوط اورمقدم اور چودھری پوری امانت داری کے ساتھ لگان کی مقررہ مقدار سرکاری خزانہ میں جمع کراتے ، عاملوں اور پٹواریوں کی رشوت خوری بھی اس سے بند ہوگئی ۔علاءالدین نے لگان کی مقدار بھی بڑھادی تھی ، پہلے لگان وصول کرنے والے افسران اور دوسرے عامل کاشتکاروں سے زیادہ وصول کرتے اورسرکارکواس کی مقررہ مقدار دے کر فاضل آمدنی اپنے پاس رکھ لیتے تھے ،اب زمینوں کی پیائش کردی گئی تھی اوراسی حساب سے پیداوار کانصف سرکاری خزانہ میں جمع کرنا ضروری قرارپایا تھا،اس سے سرکار کی آمدنی میں خاطر خواہ اضافہ ہوااورعلاءالدین نے شراب بندی اورقماربندی کردی تھی جس سے سرکاری خزانہ کونقصان ہواتھا،اس کی تلافی لگان کی شرح بڑھا کرکرلی گئی ۔

علاءالدین نے اس کےعلاوہ انعامی اورعطیات کی زمینوں کی منسوخی کا بھی فرمان جاری کیا،حکمرانوں کے ذریعہ اہل علم وفضل کواور خوشی کےمواقع پر امراءکوبڑی بڑی زمین انعام کےطور پرملتی تھیں،جن کےمحاصل ان کی ذاتی آمدنی ہوتی تھی ،علاءالدین نے ایسی تمام زمینیں بحق سرارواپس لےلیں اوروہ خالصہ زمین قرارپاگئیں جن کےمحصول براہ راست سرکاری خزانہ میں پہنچنے لگے ۔اس کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ بڑے بڑےامراء جواپنی زبردست آمدنیوں کی وجہ سے شان وآرام کی زندگی بسر کرتے تھےاورعیش وعشرت میں پڑکرمغرورہوجاتے اور بسا اوقات بغاوت کےمنصوبے باندھتے ،ان کی زمینیں جب ضبط ہوگئیں تو ان کی آمدنی بہت زیادہ گھٹ گئی ،اوران کے دماغ سے بغاوت کا سودا نکل گیا۔اسی لئے علاءالدین کےزمانہ میں بغاوت کی بہت کم خبریں ملتی ہیں ۔اسی طرح گاؤں کےمقدموں،خطوں اورکاشتکاروں پربھی گہری نظر رکھنے کے لئے زمینداروں کودی جانے والی مراعات واپس لےلی گئیں،اوران کی طرف سے سرکشی کےخطرات پر بھی بندش لگادی گئی ،اب وہ کاشتکاروں سےوصول ہونے والی مقررہ لگان جوں کی توں شاہی خزانہ کوبھیجتے اوراپنے معاوضہ پرگذارہ کرتے تھے ۔

علاءالدین کاایک اہم اقدام بازارکےنرخ کی تعیین سےمتعلق تھا،اس نے فیصلہ کیا تھا کہ اشیاءضرورت کواتنا ارزاں بنادیا جائے کہ ملک کی عوام کم ترین قیمت پراپنی ضروریات پوری کرسکیں،اس پالیسی سےاس کی فوج کوبھی کم آمدنی میں ضروریات زندگی کوپوری کرنے کے مواقع فراہم ہوتے تھے ۔اپنی اس پالیسی کےتحت علاءالدین نے اشیاء کی نرخ بندی کی ۔دہلی اوراطراف میں سامانوں کے بازار لگتے تھے، علاحدہ علاحدہ سامانوں کےلئے الگ الگ بازار تھے،ہربازاراورہاں کےسامانوں کی قیمتیں علاءالدین نےمقررکردیں اورنرخ کی یہ فہرست بازارمیں لگوادی اورسخت حکم جاری کیا کہ اس سے زیادہ قیمت پر چیزیں فروخت نہ ہوں ،غلہ اوراجناس کے بازارمیں انتہائی کم قیمت پر چاول، دال،گھی،شکروغیرہ دستیاب ہوگئے تھے،کپڑابازارمیں ہرنوع کےکپڑے کی قیمت طےتھی ،مٹھائی کے بازارمیں وہاں کی اشیاءکی نرخ بندی تھی، جانوروں حتی کہ غلاموں کی بھی قیمتیں طےکردی گئی تھیں،یہی حال مسالہ جات،پھلوں،ہتھیاروں اورجوتوں وغیرہ کےبازارکا تھا۔مارکٹ کے نرخ کی پابندی کے لئے ہربازارپرایک شحنہ مقررتھااوراس کے ماتحت افسران کی پوری ٹیم ہوتی ،یہ بازارمیں موجودرہتے اورحکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کوسخت ترین سزائیں دیتے ۔یہ ہردن کی رپورٹ بادشاہ کوبھیجتے،ان کےعلاوہ خفیہ پولیس کی رپورٹ علاحدہ سے روزانہ بادشاہ کے پاس آتی اوربریدمنڈی کےلوگ سامانوں کےمعیارکی رپورٹ بھیجتے تھے،اس طرح تین مختلف ذرائع سےآنے والی روزانہ کی رپورٹ کی بنیادپر مارکٹ پرسخت ترین نظررکھی جاتی،اورکسی بھی کوتاہی پرخودافسران کوسخت ترین سزاؤں کاسامنا کرناپڑتا ،اورعلاءالدین کی سنگین سزاؤں کےخوف سے یہ افسران بازارکے بیوپاریوں کوانتہائی سختی کےساتھ معاشی ضوابط کاپابندرکھتے تھے ۔بازارکےتاجروں کےعلاوہ باہرسےاشیاءدرآمد برآمد

کرنے والے کاروانیوں کو بھی نرخوں کا پابند کر دیا گیا تھا، جب ان کاروانیوں کو باہر سے مہنگے دام خرید کر دہلی میں علاءالدین کے مقررہ کم نرخ پر فروخت کرنے میں دشواری ہوتی اور منڈی میں اشیاء کی فراہمی دشوار ہوئی تو علاءالدین نے ان کاروانیوں کو بڑی بڑی رقم فراہم کر کے پابند کیا کہ وہ ان رقومات سے اشیاء خرید کر لائیں اور مقررہ قیمت پر ہی منڈی میں تاجروں کو فروخت کریں، تا کہ عوام سستی نرخوں پر چیزیں پاتے رہیں۔

قحط اور خشک سالی کے زمانہ میں قیمتیں گراں ہونے کا اندیشہ تھا، علاءالدین نے اس سے نمٹنے کے لئے یہ انتظام کیا کہ ہر ہر محلّہ میں سرکاری گودام بنوائے جہاں محصول میں آنے والی اجناس حفاظت سے رکھی جاتیں، یہ شاہی گودام غلوں سے بھرے رہتے اور قحط کے زمانہ میں ان گوداموں سے سستی قیمت پر سامان مارکٹ میں فراہم کردئے جاتے۔ کالابازاری روکنے کے لئے قحط کے زمانوں میں راشن کا طریقہ اختیار کیا جاتا، جس کے تحت ہر گھر کو اس کی ضرورت کے مطابق سامان خریدنے کی اجازت ہوتی، اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو اذیت ناک سزائیں دی جاتیں۔

علاءالدین کی ان اصلاحات کو نافذ کرنے میں اس کے وزیر شرف الدین قاینی نے بڑی خدمات انجام دیں۔ اسی طرح مارکٹ پر کنٹرول قائم رکھنے کے لئے بادشاہ نے ملک قبول کو بازار کا شحنہ مقرر کیا تھا اور ملک یعقوب کو دیوان ریاست مقرر کیا گیا تھا، اس کا دائرہ اختیار بہت وسیع تھا، وہ مارکٹ کا ناظر اور محتسب یعنی عوام کے اخلاق کا نگراں بھی تھا۔ علاءالدین اپنے افسران کے علاوہ بذات خود بھی بازار کا حال اور قیمتوں کی صورت حال سے آگاہی حاصل کرتا رہتا تھا، اس کے لئے وہ چھوٹے بچوں اور غلاموں کو خفیہ طریقہ پر سامان خریدنے کے لئے الگ الگ بازاروں میں بھیج دیتا، اور آنے والے سامانوں کا وزن، معیار اور قیمت کی براہ راست واقفیت حاصل کر لیتا، اور اگر ذرا سا بھی قیمت یا وزن میں فرق معلوم ہوتا تو اسی وقت مجرم کو سنگین سزائیں دیتا، اس سختی کی وجہ سے بیوپاری ایماندار ہو گئے تھے، اور ناپ تول میں کمی ختم ہو گئی تھی۔ علاءالدین کی ان اصلاحات کی وجہ سے ملک سے رشوت خوری ختم ہو گئی، بغاوتیں بند ہو گئیں، اشیاء ارزاں ہو گئیں، اور سامانوں کے معیار اور وزن میں راست بازی آ گئی۔ البتہ اس کا یہ بھی اثر ہوا کہ امراء کی عیش و عشرت جاتی رہی، خوطوں اور مقدموں کی من مانی اور مالی آسائش گھٹ گئی، لگان کی شرح بڑھنے سے کاشتکاروں پر بھی بوجھ بڑھ گیا، لیکن یہ بوجھ کاشتکاروں پر پہلے بھی تھا، اس کا فائدہ درمیانی لوگ اٹھاتے تھے، اب یہ فائدہ شاہی خزانے کو پہنچنے لگا، اور کاشتکاروں اور عوام کو اشیاء ارزاں دستیاب ہونے لگیں۔

علاءالدین کی سختی اس کی وفات کے ساتھ ہی ختم ہو گئی، اور بہت سے معاشی ضوابط بھی دم توڑ گئے۔ محمد تغلق نے بھی لگان کی شرح بہت اونچی رکھی، لیکن فیروز تغلق نے کاشتکاروں کو بے انتہاء راحت دے دی، ٹیکس کا بار بالکل ہلکا کر دیا، کسانوں کے پرانے قرض کی بہت بڑی رقم معاف کر دی، بلکہ غریبوں کی خورد و نوش و علاج و معالجہ، بے روزگاروں کی ملازمت اور غریب بچیوں کی شادی وغیرہ کے انتظامات سرکاری آمدنی سے کرائے، ان اقدامات کی وجہ سے رعایا ایک بار پھر خوشحال ہو گئی۔ ابراہیم لودھی کے زمانہ میں اشیاء دوبارہ بہت زیادہ ارزاں ہو گئی تھیں، اور لوگ عہد علائی کو بھول گئے تھے، حالانکہ لودھی دور میں اشیاء کو سستا رکھنے کے لئے سخت سزاؤں کا سہارا نہیں لیا گیا تھا۔

معلومات کی جانچ

1۔ صوبہ کا سربراہ کیا کہلاتا تھا اور اس کے کیا اختیارات تھے؟

2۔ دہلی سلطنت میں فوج کی تقسیم کس طرح کی تھی؟

3۔ سرکار کی راست نگرانی والی زمین کیا کہلاتی تھی؟

6.10 خلاصہ

دہلی سلطنت کا نظم ونسق بنیادی طور پر فوجی استحکام پر مبنی تھا، اور پورے نظام حکومت میں بادشاہ کو محوری حیثیت حاصل تھی، وہ پوری طرح بااختیار اور بڑی حد تک مطلق العنان ہوتا تھا، بادشاہ کی تقرری کے لئے کوئی اصول وضابطہ طے نہیں تھا، اسی لئے تخت نشینی کے لئے بسا اوقات فوجی مقابلہ آرائی کی نوبت آجاتی تھی، بادشاہت کے حصول، اس کی بقاء اور حکومت کے استحکام کے لئے فوجی قابلیت بنیادی شرط تھی، امراء بادشاہ کے دست وبازو ہوتے تھے، التمش کے وقت میں چالیس امراء حکومت میں بادشاہ کے شریک تھے، بلبن خود ان کا ایک فرد تھا، لیکن بادشاہ بننے کے بعد اس نے امراء چہلگانی کی جماعت توڑ دی، اور بادشاہت کے عہدہ کو عظمت کا مقام عطا کر دیا، اس نے شاہی وقار کو اس بلندی تک پہنچا دیا جس سے آگے ممکن نہ تھا، بادشاہ سے اس بات کی توقع رکھی جاتی تھی کہ وہ مسلم حکومت کے سربراہ کے طور پر دین وشریعت کا پناہ گاہ ہوگا، قطب الدین ایبک، التمش، بلبن، فیروز تغلق، غیاث الدین تغلق محمد بن تغلق، اور سکندر لودھی وغیرہ ایسے ہی سلاطین تھے، لیکن علاء الدین خلجی اور قطب الدین مبارک وغیرہ نے علماء کے مقام کو کمزور بنا دیا، بادشاہ پوری سلطنت میں تمام معاملات کے لئے حرف آخر تھا، وہی فوج کا سربراہ، انتظامیہ کی اٹھاریٹی اور عدلیہ کی آخری منزل تھا۔

سلطنت کا نظام اس طرح چلایا جاتا تھا کہ مرکز میں بادشاہ چند وزیروں کو مقرر کر دیتا تھا، جو مختلف محکموں کے سربراہ ہوتے، یہ تقرری پوری طرح بادشاہ کی مرضی پر منحصر ہوتی اور اس میں تبدیلی ہوتی رہتی تھی، سب سے بڑا وزیر ہوتا جو بعد میں نائب الممالک کہلانے لگا، اسی وزیر کے تحت مالیات کا شعبہ بھی آتا تھا، اس کے بعد وزیر جنگ کا مقام تھا جو عارض ممالک کہلاتا تھا، اس کے ذمہ فوجی انتظامات سے متعلق سارے امور آتے تھے، تیسرا وزیر دیوان انشاء تھا جو شاہی فرامین اور شاہی اعلانات کا ذمہ دار تھا، صوبائی گورنروں اور دیگر افسروں کے ساتھ وہی رسل و رسائل رکھتا تھا، چوتھا وزیر دیوان رسالت تھا جو بیرونی ملکوں کے ساتھ سلطنت کے تعلقات اور سفیروں کے معاملات دیکھتا تھا، ایک عہدہ برید ممالک کا تھا جو دراصل محکمہ پولیس اور خفیہ جاسوسوں کا سربراہ ہوتا تھا، حرم شاہی کی فوج، دربار، مطبخ اور آداب ورسوم کے لئے علاحدہ علاحدہ عہدے تھے، وکیل در کے ذمہ پورے محل کے دروازوں کی کلید اور دربار کا انتظام تھا، محل کا مطبخ، شاہی ملبوسات اور شاہی اصطبل وغیرہ بھی اسی کے ذمہ میں تھے۔ امیر حاجب سلطان سے تنہائی میں ربط رکھنے والا افسر تھا جو دربار کے آداب اور تقریبات کا انتظام بھی دیکھتا تھا، بادشاہ کی ذاتی محافظ فوج کا سربراہ سرجاندار کہلاتا تھا، میر شکار کی نگرانی امیر شکار کے ذمہ ہوتی، سوار فوج کا سربراہ امیر آخور کہلاتا، شاہی مطبخ کا نگراں سرچاشنی گیر کہلاتا تھا، دربار سے وابستہ یہ سارے عہدے بڑی ذمہ داری اور نزاکت کے حامل ہوتے تھے۔

مرکز کے اس انتظام کے علاوہ پوری سلطنت کو مختلف صوبوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا، ہر صوبہ کا سربراہ صوبہ دار کہلاتا تھا، اور وہ صوبہ کی حد تک بادشاہ کی طرح تمام محکموں کا سربراہ اعلیٰ ہوتا تھا، صوبہ کے اندر مرکز کی طرح محکمہ ہوتے تھے، صوبہ دار اپنے علاقہ سے لگان وصول کرتے اور امن وقانون کو برقرار رکھتے اور ضرورت پر فوج مہیا کرتے تھے۔ لگان کی رقم سے صوبائی اخراجات اور اپنی تنخواہ نکالنے کے بعد بقیہ رقم مرکز کے شاہی خزانہ میں جمع کر دیتے تھے، صوبہ کی آمد وخرچ پر مرکز کے وزیر مالیات کی نگرانی رہتی تھی، مرکز کے خفیہ جاسوس صوبوں میں بھی تعینات رہتے تھے، صوبہ داروں کا تبادلہ بھی ہوتا تھا، اور ان کی برطرفی بھی ہو جاتی تھی، اگر انتظامات درست رہتے اور بادشاہ کے ساتھ وفاداری پر حرف نہیں آتا تو طویل مدت تک بھی صوبہ دار برقرار رہتے تھے۔ علاء الدین کے زمانوں تک صوبوں کی تعداد گیارہ ہو گئی تھی۔

صوبہ کو پرگنوں میں تقسیم کیا گیا تھا اور ہر پرگنہ کے اندر کئی گاؤں ہوتے تھے، گاؤں میں محصول کا ذمہ دار پٹواری کہلاتا تھا، اور گاؤں کا سربراہ مقدم اور زمیندار کو خوط کہتے تھے۔

سلطنت کے نظم ونسق کا اہم ترین حصہ فوج تھی، فوج سوار اور پیدل دونوں ہوتی تھی، بادشاہ ہی فوج کا سربراہ اعلیٰ تھا، لیکن کسی فوج کو بھیجتے وقت وہ کمانڈر مقرر بھی کرتا تھا، عارض ممالک فوج کے انتظامات دیکھتا تھا، فوج میں اعلیٰ نسل کے گھوڑوں کی بڑی اہمیت تھی، فوج کی ایک قسم بادشاہ کی محافظ فوج کی تھی، دوسرے سلطنت کی مستقل فوج تھی جس میں پیدل اور سوار دونوں ہوتے، تیسرے مخصوص سپاہی ہوتے جن میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل ہوتے۔ بلبن اور علاء الدین نے فوجی محکمہ کو بہت ترقی یافتہ بنادیا تھا، اس کے ساتھ قلعوں کی تعمیر اور بڑے اسلحوں کا انتظام بھی کیا جاتا تھا، علاء الدین نے فوج کو نقد تنخواہ دینے اور گھوڑوں کو داغ لگانے نیز فوج کا رجسٹر ریکارڈ رکھنے کا طریقہ شروع کیا۔ ڈاک نظم ونسق کا ایک اہم عنصر تھا، اس کے ذریعہ سلطنت کے تمام حصے مرکز سے جڑے رہتے تھے، دہلی سلاطین نے ڈاک کے بہتر انتظام پر توجہ دی، بڑے بڑے شہروں کو عمدہ شاہراہوں سے جوڑا گیا محمد بن تغلق نے دہلی سے دولت آباد تک سات سو میل کی لمبی سڑک بنوائی، جس پر دونوں جانب درخت لگوائے، ان راستوں پر ہر میل کی مسافت پر تین ڈاک چوکیاں بنائی گئیں، ہر ڈاک چوکی میں دس تیز رفتار دوڑنے والے افراد متعین ہوتے، ڈاک پیدل بھی ہوتی اور سوار بھی، ڈاک چوکی پر مسافر کی ضروریات کے سارے انتظامات مہیا کئے گئے تھے۔

مالیات کا انتظام نظم ونسق کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا تھا، مرکزی حکومت کے لئے کچھ مخصوص علاقے ہوتے تھے، جو خالصہ کہلاتے اور وہاں کے محصولات مرکز کے خزانے میں آتے تھے، صوبے لگان کی وصول شدہ رقومات اور اجناس میں سے اپنی ضروریات منہا کر کے بقیہ مرکز کو بھیجتے تھے۔ علاء الدین نے زمینوں کی پیائش کرائی اور حقیقی پیائش کی بنیاد پر لگان کی مقدار مقرر کردی تھی، علاء الدین نے بازار کے اشیاء کی نرخ بندی بھی کردی تھی، جہاں ہر سامان کی قیمت مقرر تھی، اور نگرانی و جاسوسی کے سخت نظام کے ذریعہ اور سنگین سزاؤں کی سختی کے ذریعہ نرخ بندی کو مارکٹ میں پوری طرح جاری رکھودیا تھا۔ فیروز تغلق کے زمانہ میں لگان اور ٹیکس میں کافی نرمی آگئی تھی جس سے کسان خوشحال ہوگئے تھے۔ ابراہیم لودھی کے زمانے میں بھی بازار کے اشیاء بہت ارزاں ہوگئے تھے، اور عوام خوشحال ہوگئی تھی، جبکہ اس کے لئے کوئی سختی نہیں کی گئی تھی۔

6.11 نمونے کے امتحانی سوالات

درج ذیل سوالات کے جواب تیس سطروں میں لکھیے۔

1۔ مرکزی حکومت میں وزراء کی تقسیم اور ان کی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالئے۔

2۔ دہلی سلطنت میں پولیس اور جاسوسی کے نظام کی تفصیل بیان کیجئے۔

3۔ علاء الدین خلجی کی معاشی اصلاحات کا تفصیلی تذکرہ کیجئے۔

درج ذیل سوالات کے جواب پندرہ سطروں میں لکھیے۔

4۔ دہلی سلطنت میں بادشاہ کے اختیارات پر روشنی ڈالئے۔

5۔ حرم شاہی کے انتظامات اوران کے عہدیداران کے بارے میں بتایئے۔

6۔ دہلی سلطنت میں ڈاک کے نظام کی وضاحت کیجئے۔

6.12 مطالعہ کے لئے معاون کتابیں

1. آب کوثر — شیخ محمد اکرام، فرید بک ڈپو، دہلی
2. عہد وسطیٰ کا ہندوستان، حصہ اول — پروفیسر ستیش چندر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی 2003ء اردو ترجمہ: عزیز الدین حسین
3. ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک جھلک — سید صباح الدین عبدالرحمٰن، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ 2012
4. بزم مملوکیہ — سید صباح الدین عبدالرحمٰن، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ 1999ء
5. خلجی خاندان — کے ایس لال، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی 1998 ، اردو ترجمہ یٰسین مظہر صدیقی
6. مختصر تاریخ ہند — سید ابوظفر ندوی، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ 2006
7. "A Comprehensive History of Medieval India: Salma Ahmed Farooqui, Pearson:2011

اکائی۔ 7 : دہلی سلطنت میں نظام عدل اور سماجی و مذہبی حالات

اکائی کے اجزاء

7.1 مقصد

7.2 تمہید

7.3 دہلی سلطنت میں نظام عدل

7.3.1 سلطان کی ذات

7.3.2 قاضی القضاۃ اور صدر الصدور

7.3.3 صوبوں اور شہروں میں قضا

7.3.4 شریعت کا نفاذ

7.4 سماجی حالات

7.4.1 امراء کا طبقہ

7.4.2 تاجروں کا طبقہ

7.4.3 صنعت پیشہ طبقہ

7.4.4 دیہی زندگی

7.4.5 اہل علم و فضل کا طبقہ

7.4.6 غلاموں کا طبقہ

7.5 مذہبی حالات

7.6 سماج پر اسلامی تہذیب کے اثرات

7.7 خلاصہ

7.8 نمونے کے امتحانی سوالات

7.9 مطالعہ کے لئے معاون کتابیں

7.1 مقصد

نظام عدل و انصاف کسی بھی مستحکم حکومت کی بنیادوں میں شامل ہوتا ہے، دہلی سلطنت کے تین سو سالہ دور کی بنیاد جہاں فوجی قوت، نظم و نسق کی بہتری اور عوام کی خوشحالی پر رہی، وہیں اس کے استحکام کی ایک اہم بنیاد عدل و انصاف کا نظام بھی تھا۔ سلاطین نے نہ صرف نظام عدل کو از سر نو قائم کیا بلکہ مرکز سے لے کر گاؤں کی سطح تک اس کے قیام کو یقینی بنایا۔ سلاطین دہلی نے عوام کی سماجی زندگی سے بھی دلچسپی لی۔ حکمراں، امراء

اورعوام نیز ان میں بھی مسلم اور غیر مسلم کی سماجی زندگی مختلف سطحوں پر رہی، ان کے اخلاق و کردار پر نظر رکھی گئی اور ان میں امن و ہم آہنگی برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ۔ چونکہ دہلی سلطنت کے قائم کرنے والے مسلمان تھے، انھوں نے سلطنت میں اسلامی شریعت کے نفاذ پر بھی توجہ دی، اسلامی علوم کی تدریس و اشاعت اور علماء وفقہاء کی قدر دانی سے دلچسپی لی گئی ، یہ دور مختلف سلاسل تصوف کے بڑے مشائخ کا تھا ۔ دہلی اور ہندوستان کے دوسرے شہروں میں تصوف کی خانقاہیں قائم تھیں اور ہزاروں ہزار بندگان خدا ان سے فیضیاب ہو رہے تھے، سلاطین دہلی کے مراسم ان بزرگوں کے ساتھ نیازمندانہ رہے، اور ان سب کی وجہ سے دہلی سلطنت پر مذہبی حالات کا گہرا رنگ رہا۔

اس اکائی میں آپ ان سب باتوں کو پڑھیں گے اور اس کے مطالعہ کے بعد اس بات سے واقف ہو جائیں گے کہ سلاطین دہلی نے حکومت قائم کرنے کے بعد عدل و انصاف کا نظام کن بنیادوں پر قائم کیا، اس وقت قاضیوں کی تقرری کس طرح ہوتی تھی ، فیصلے کس طرح کئے جاتے تھے اور دوسرے اہل مذاہب کے ساتھ محکمہ عدالت میں کیا معاملہ اختیار کیا جاتا تھا، نیز عدالت اپیل کس طرح کام کرتی تھی اور بادشاہ کے کیا اختیارات ہوتے تھے؟ اس اکائی کے مطالعہ سے آپ کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ دہلی سلطنت کا سماج کیسا تھا، کون کون سے طبقات اس سماج میں تھے اور ان کی کیا حالت تھی؟ اسی طرح آپ یہ بھی جانیں گے کہ دہلی سلطنت کے اندر مذہبی حالات کیا تھے، علماء و مشائخ کون کون سے تھے، ان کی کیا سرگرمیاں تھیں اور ان کے ساتھ سلاطین دہلی کا رویہ کیا رہا؟

7.2 تمہید

دہلی سلطنت قائم کرنے والے حکمراں افغانستان کے علاقوں سے آئے تھے، بغداد کی عباسی حکومت اس وقت دم توڑ رہی تھی اور علم وفن کے نئے مراکز بغداد کے بعد دنیا کے کئی شہروں میں قائم ہو گئے تھے ۔ عرب کے مشرق میں ایسے کئی مراکز وجود میں آ گئے تھے جہاں اسلامی تہذیب و تمدن اور اسلامی علوم و شریعت کی شاندار بزم میں آراستہ ہو رہی تھیں ۔ ایران و افغانستان کے علاقوں میں یہ رونق برپا ہو چکی تھیں اور جب ان کو وہ دمن کے جیالوں نے ہندستان کی سرزمین کو اپنا وطن بنایا تو وہ اپنے ساتھ اپنے مذہب اور قانون و شریعت کی شاندار روایات بھی لیتے آئے ۔ یہاں انھوں نے حکومت دہلی کی بنیاد رکھی اور نظم ونسق کو استوار کیا تو اس کے ساتھ حکمرانی کے اہم ترین فریضہ کو پورا کرتے ہوئے قضاء کا نظام قائم کیا، تا کہ سلطنت کے ہر فرد کو انصاف مل سکے ۔ دہلی کے سلاطین عدل و انصاف کی فراہمی کے معاملہ میں بڑے فکرمند اور سرگرم رہے، انھوں نے عدل کے محکمے قائم کئے اور مرکزی شہروں سے لے کر صوبائی شہروں، پرگنوں اور گاؤں تک نظام عدل و قضاء کا جال بچھا دیا، قضاء کے نظام کو پختہ اور آسان بنانے کے لئے کئی طرح کے تجربات کئے، اور نظام عدل پر گہری نظر رکھی، انصاف کے کٹہرے میں انھوں نے ایک عام کسان اور غریب انسان کو وقت کے شہزادوں اور امیروں بلکہ بسا اوقات خود اپنے برابر کھڑا کیا اور بے لاگ انصاف فراہم کیا اور اس کو یقینی بنانے کے لئے قضاء کا پورا نظام قائم کیا۔ سلاطین دہلی کی نظر اس بات پر بھی رہی کہ ایک غریب انسان آسانی سے انصاف پا سکے اور امیروں یا طاقت وروں کا خوف اسے انصاف سے محروم نہ کر سکے ۔ اس کے لئے انھوں نے نہ صرف اپیل کی عدالتیں قائم کیں، بلکہ اپنے درباروں میں مظلومین کی رسائی کو بالکل سہل و آسان بنا دیا، جس کے نتیجہ میں ظلم کا سد باب ہوا اور انصاف کا دور دورہ ہوا ۔ قضاء کا محکمہ دہلی سلطنت کے چار اہم وزارتوں میں سے ایک تھا اور بادشاہ براہ راست اس پر نگرانی رکھتا تھا اور قاضی کی معاونت کے لئے مفتیوں اور دیگر معاونین کا پورا عملہ ہوتا تھا ۔

دہلی سلطنت کا سماج اس دور کے رائج سماجی نظام کی عکاسی کرتا ہے۔عہد وسطی میں سماجی نظام فرق مراتب پر مبنی تھا،جیسا کہ آج بھی ہندوستان کے اندر ہے،مسلم حکمراں اپنا اسلامی تصور ضرور رکھتے تھے جس میں سماجی فرق مراتب کو تسلیم نہیں کیا گیا ہے اور محمود ایاز کو نہ صرف خانہ خدا میں بلکہ سماج کے عام احوال میں بھی ایک درجہ دیا گیا ہے،لیکن ہندوستان کے رائج حالات کا اثر مسلم حکمرانوں پر بھی رہا، چنانچہ بادشاہ اور امراء کا طبقہ اپنی علاحدہ شناخت رکھتا تھا، درمیانی درجہ کا ملازمت پیشہ طبقہ اس سے کمتر درجہ کا حامل تھا،علماء اور ارباب فضل کے طبقہ کو مخصوص سہولیات اور حیثیت حاصل تھیں، غلاموں کا طبقہ عہد وسطی کے سماج کا لازمی عنصر تھا اور ان کے اپنے مخصوص احوال تھے، گاؤں میں آباد زمینداروں کا طبقہ علاحدہ تھا اور ان کے بعد کاشتکاروں اور کسانوں کا طبقہ تھا، اہل ہنر اور تجارت پیشہ افراد کا اپنا مخصوص طبقہ تھا، اس طرح دہلی سلطنت کے اندر سماجی سطح پر ہمیں متعدد سماجی طبقات اور ان کے مخصوص احوال نظر آتے ہیں۔

مذہبی احوال کی نوعیت کچھ یوں تھی کہ دہلی سلطنت مسلم سلطنت کہلاتی تھی، اور کئی حکمراں ذاتی زندگی میں بے حد دیندار رہے جیسے التمش ،بلبن اور ناصر الدین محمود وغیرہ۔کئی حکمرانوں نے سرکاری سطح پر مذہب و شریعت کے ساتھ دلچسپی لی، جیسا کہ ہم محمد بن تغلق، فیروز تغلق اور سکندر لودھی کے زمانوں میں دیکھتے ہیں،لیکن اتنی بات صاف ہے کہ سیاست اور حکومت کو مکمل طور پر شریعت کے تابع رکھنے کی کوشش اس عہد میں نظر نہیں آتی ہے۔التمش اور بلبن نے اس کا اظہار بھی کیا کہ معاملات حکومت ملکی مصالح کے مطابق چلائے جائیں گے، بلکہ علماء نے اس ضمن میں اپنے شکوہ آمیز احساسات رکھے تو انھیں مطمئن کرنے کی کوشش کی گئی۔جلال الدین خلجی نے اپنی حکومت میں دین و شریعت سے وابستگی کی لاچارگی کھلے لفظوں میں بیان کی ہے اور علاء الدین خلجی اور کیقباد کا عہد تو بڑی حد تک موجودہ عہد کے سیکولر نظام کے مطابق رہا۔

ذیل کی سطور میں آپ تفصیل کے ساتھ دیکھیں گے کہ دہلی سلطنت کے حکمرانوں نے قضاء کے نظام کو کس طرح نافذ کیا، اور اس عہد کے سماجی اور مذہبی احوال کیسے رہے؟

7.3 دہلی سلطنت میں نظام عدل

سلاطین دہلی نے خصوصیت کے ساتھ عدل و انصاف کی فراہمی پر توجہ دی، اور اسے آسان بنانے کی کوشش کی، اس شعبہ کی اہمیت ہی کی وجہ سے حکمرانوں نے باضابطہ اس کے لئے وزارت قائم کی اور مرکزی سطح سے لے کر صوبوں، پرگنوں اور قصبوں کی سطح تک عدل کا محکمہ قائم کیا اور اس کے لئے افراد مقرر کئے۔نظام عدل کی نوعیت درج ذیل طریقہ پر تھی:

7.3.1 سلطان کی ذات

دہلی سلطنت میں نظام عدل کچھ اس طرح قائم تھا کہ سلطان کی ذات ہی عدل و انصاف کا سرچشمہ تھی، اور وہ خود انصاف فراہم کرنے میں دلچسپی لیتا تھا۔ ہفتہ میں مخصوص دنوں کے اندر سلطان کا دربار لگتا، کبھی کبھی ہفتہ میں دو یا تین بار دربار لگتے۔ان درباروں میں بادشاہ براہ راست لوگوں کے مقدمے سنتا اور مجلس کے اندر ہی فیصلہ صادر کر دیتا، بادشاہ کے دربار کی یہ عدالت کبھی ابتدائی مقدمے بھی طے کرتی، یعنی بادشاہ کے سامنے ہی مقدمہ پیش ہوتا اور کارروائی کے بعد فیصلہ کر دیا جاتا اور کبھی بادشاہ کا دربار عدالت اپیل کا کام کرتا، یعنی کسی فریق کے خلاف جو فیصلہ کسی قاضی کی عدالت میں ہو چکا ہوتا، وہ فریق مقدمہ کے خلاف اپیل پیش کرتا، سلطان محمد بن تغلق ہفتہ میں ہر شنبہ کو دربار لگاتا تھا، اور وہاں

اذن عام ہوتا تھا کہ مظلومین اپنی فریاد سنائیں، اور وہ بلا تکلف بادشاہ کے سامنے کھڑے ہوکر اپنے حالات بیان کرتے اور اثنائے بیان کسی کو روکنے کی مجال نہیں تھی، حالات سن کر سلطان خود فرمان صادر کر دیتا۔ ابن بطوطہ جو دہلی کا قاضی رہ چکا ہے، بیان کرتا ہے کہ محمد بن تغلق ہفتہ میں دو دفعہ پیر اور جمعرات کو انصاف رسانی کی غرض سے دیوان خانہ کے سامنے ایک میدان میں بیٹھتا تھا اور شکایت پیش کرنے والوں کو عام اجازت ہوتی تھی۔ سلطان کی عدل گستری کا یہ عالم تھا کہ اس نے اجازت دے رکھی تھی کہ خود اس کے خلاف بھی استغاثہ داخل کیا جا سکتا ہے۔ ابن بطوطہ نے ایسے تین چشم دید واقعات لکھے ہیں جن میں سلطان محمد بن تغلق خود ماخوذ ہو کر قاضی کے سامنے حاضر ہوا۔

سلطان کے دربار میں اس کی مدد کے لئے مفتی بھی مقرر ہوا کرتے تھے، جو مذہبی معاملات میں اس کی مدد کرتے تھے، سلطان محمد بن تغلق نے شاہی محل کے اندر چار مفتی مقرر کر رکھے تھے، کوئی فریادی آتا تو سلطان ان مفتیوں کو بلا کر مشورے کرتا اور ان کی روشنی میں فیصلے کرتا۔

عدل و انصاف کے معاملہ میں دہلی سلطنت کے بادشاہ ابتداء سے ہی سرگرم رہے، سلطان قطب الدین ایبک جو اس سلطنت کا بانی ہے عدل و انصاف کا بے حد خیال رکھتا تھا، اس کے لشکر میں مختلف نسلوں اور مذہبوں کے لوگ تھے لیکن کسی کو مجال نہ تھی کہ کسی پر ظلم کرے یا آبادی میں سے کسی کے گھر یا جنگل سے کسی کا کوئی سامان اٹھالے۔ عدل پروری کی اسی روش کو التمش نے جاری رکھا اور اسے اور مضبوط بنایا، اس نے اپنے محل کے ساتھ زنجیر لٹکا رکھی تھی اور اعلان کر دیا تھا کہ جو مظلوم ہو وہ رنگین کپڑا پہن کر آئے تا کہ دور سے پہچان لیا جائے۔ رضیہ سلطان اور ناصر الدین محمود کے زمانوں میں عدل و انصاف کے اسی معیار کو برقرار رکھا گیا۔ بلبن دہلی سلطنت کا نامور اور طاقتور بادشاہ گذرا ہے، اس نے عدل پروری کے نظام کو اور بھی مستحکم اور مضبوط بنایا۔ بلبن کے نزدیک بادشاہ کا بڑا فرض عدل و انصاف کی ترویج تھا، اس کا وہ سختی سے اہتمام کرتا تھا۔ اس کے زمانہ میں جن امراء نے غریبوں پر ظلم کئے بلبن نے انھیں سخت سزائیں دیں۔ انصاف کے معاملہ میں وہ اس قدر سخت تھا کہ اپنے بھائیوں، اپنے بچوں، اپنے ساتھیوں اور اپنے ملازموں کے ساتھ بھی کوئی مروت نہیں کرتا تھا۔ انصاف کو یقینی بنائے رکھنے کے لئے پورے ملک میں اس نے جاسوس مقرر کر دئے تھے تا کہ کسی پر زیادتی ہو تو اس کی خبر بادشاہ کو مل جائے۔ ایک مرتبہ بدایوں کے گورنر نے جو بلبن کا انتہائی قابل اعتماد تھا، نشہ کی حالت میں اپنے ایک ملازم کو کوڑے مار کر ہلاک کر دیا، ملازم کی بیوہ نے انصاف کی درخواست کی بلبن نے حکم دیا کہ اس گورنر کو بھی کوڑے مار مار کر ہلاک کیا جائے۔ اور اس جاسوس کو بھی عوام کے سامنے پھانسی دے دی گئی جس نے اس واقعہ کی اطلاع بلبن کو نہیں دی تھی۔ انصاف کے ایسے متعدد واقعات بلبن کے زمانہ میں پیش آئے جن کی وجہ سے بلبن اپنے عوام میں نہایت مقبول اور گرویدہ ہو گیا تھا۔ علاء الدین خلجی بھی بلبن ہی کی طرح عدل و انصاف میں بڑا سخت تھا، وہ اس کا بھی خیال رکھتا تھا کہ قاضی سے کوئی ناز یبا بات نہ ہونے پائے۔ ایک مرتبہ اس نے ایک قاضی کو شراب پینے کے جرم میں موت کی سزا دی تھی اس کے دور میں سزائیں بہت سخت تھیں اور پولیس اور جاسوس کا نظام پوری مملکت میں مضبوطی سے جاری تھا، فیروز شاہ کا دور جہاں خوشحالی و بہبودی کے لئے مشہور تھا، اس کی عدل پروری کی وجہ سے امن و امان بھی اسی طرح عام تھا، اس کے عہد میں عدل و انصاف کی حکومت تھی، کسی شخص کو بھی کسی دوسرے پر ظلم و تعدی کرنے کا حق نہ تھا، وہ ان معاملات میں اسلام کے شرعی قوانین کو اہمیت دیتا تھا، سزائیں بھی وحشیانہ نہ تھیں، بلکہ شریعت کے مطابق تھیں، دہلی سلطنت کے آخری حکمراں خاندان کا بادشاہ سلطان سکندر لودھی بے انتہا عدل پرور تھا، وہ اپنی رعایا کے احوال سے باخبر رہنے کی کوشش کرتا اور کسی طرح کے ظلم و چیرہ دستی کو پسند نہیں کرتا تھا، مظلوموں کی داد رسی کے لئے پورا اہتمام کرتا تھا اور اس میں بڑی ہوشمندی کا ثبوت دیتا، اس نے خود اپنا معمول بنا رکھا تھا کہ روزانہ مغرب کے بعد حرم میں ایک

گھنٹہ گذار کر خلوت خاص میں آجاتا اور وہاں لوگوں کے استغاثے سنا کرتا۔اس نے ایک قاضی کے علاوہ بارہ علماء بھی صرف مقدمات فیصلہ کرنے کے لئے مقرر کر رکھے تھے،اس نے وکیل کو حکم دے رکھا تھا کہ عدالت کے اندر پہر رات گئے بیٹھا رہے کہ شاید اس وقت تک کوئی فریادی آجائے۔سکندر لودھی کے انصاف پسندی کے بہت سے قصے مشہور ہیں،سکندر لودھی مذہبی انسان تھا،اس نے اس بات کی کوشش کی تھی کہ کوئی کام خلاف شریعت نہ ہونے پائے،وہ عدل و انصاف اور فیصلوں میں علماء سے مشورے کیا کرتا تھا اور اسلامی معیار کے مطابق سب کے ساتھ مساویانہ طور پر عدل و انصاف کرتا،اسی لئے وہ امن وامان قائم رکھنے میں کامیاب رہا اور اس کے عہد میں خوشحالی رہی۔

7.3.2 قاضی القضاۃ اور صدر الصدور

نظام عدل کا سربراہ بادشاہ کے بعد قاضی القضاۃ ہوتا تھا اس کی تقرری خود بادشاہ کرتا تھا اور بادشاہ اس کو تبدیل بھی کر دیا کرتا تھا۔قاضی القضاۃ کی حیثیت چیف جسٹس کی ہوتی جو پوری سلطنت کے عدلیہ کا سربراہ ہوتا،اس منصب پر ایسے شخص کو مقرر کیا جاتا تھا جو اپنے علم اور تقوی میں ممتاز ہو،قاضی القضاۃ کی اپنی بھی مجلس عدالت ہوتی جہاں وہ مقدمات سنتا اور نچلی عدالتوں سے آنے والی اپیلوں کی سماعت کرتا تھا۔صوبوں کے لئے قاضیوں کی تقرری اسی قاضی القضاۃ کے ذریعہ ہوتی تھی اور وہ ان پر نظر رکھتا تھا،قاضی القضاۃ کا عہدہ دہلی سلطنت میں انتہائی اہمیت کا حامل تھا،بادشاہ کے بعد پہلا وزیر تو وزیر خاص ہوتا تھا،دوسرے نمبر پر قاضی القضاۃ ہی کا عہدہ اہمیت رکھتا تھا،اسے قاضی ممالک بھی کہا جاتا تھا۔

قاضی القضاۃ ہی کی طرح ایک عہدہ صدر الصدور کا تھا، یہ گویا وزارت مذہبی امور تھی،اس کے ذمہ مذہبی معاملات،جمعہ وعیدین کا قیام،علماء وفضلا کے لئے مدد معاش کی فراہمی،محتسبین اور دوسرے عہدیداروں کی تقرری وغیرہ تھی۔کبھی کبھی یہ دونوں عہدے ایک ہی شخص کے سپرد ہوتے تھے اور بسا اوقات دونوں کے لئے علاحدہ تقرری ہوتی تھی۔صدر الصدور اپنے نائبین صوبوں میں مقرر کرتا جو صدر صوبہ کہلاتے تھے، یہ صوبائی سطح پر مذہبی امور کے سربراہ قرار پاتے تھے۔عہد سلطنت کا مشہور مؤرخ و عالم قاضی منہاج سراج جرجانی دونوں عہدوں پر فائز رہا۔بہرام شاہ نے اسے دہلی کی قضا ئت کے ساتھ صدر الصدور مقرر کیا تھا،سلطان ناصر الدین نے صدر جہاں کے نام سے عہدہ قائم کیا اور اس پر قاضی منہاج کو مقرر کیا،اس نے اس عہدہ کو قاضی القضاۃ سے اونچا بنا دیا تھا،کیونکہ صدر جہاں دیوان مظالم اور مذہبی امور دونوں کا نگراں تھا۔علاء الدین خلجی نے دونوں عہدے ایک ہی شخص کے سپرد کر دئے تھے،اس نے تخت نشیں ہونے کے بعد قاضی صدر الدین عارف کو قضائے مملکت کی مسند سپرد کی تھی جو قاضی منہاج الدین سراج کے نواسے تھے اور مضبوط کیرکٹر کے حامل اور شہر والوں کے مزاج سے اچھی طرح آشنا تھے۔فیروز تغلق کے دور میں یہ دونوں عہدے پھر سے علاحدہ کر دئے گئے تھے۔دہلی سلطنت کے عہد میں جن لوگوں کو قضائے ممالک کا منصب عطا کیا گیا تھا۔ان کی فہرست درج ذیل ہے۔

قاضی وجیہ الدین کاشانی،قاضی ناصر الدین،قاضی اختیار الدین،قاضی ملک ضیاء الدین محمد جنیدی،قاضی جلال الدین کاشانی،قاضی شمس الدین،قاضی منہاج السراج،قاضی عماد الدین اشنور قانی،قاضی شمس الدین بہرائچی،قاضی ملک نظام الدین،قاضی مغیث الدین،قاضی حمید الدین ملتانی،قاضی ضیاء الدین قاضی خاں،قاضی کمال الدین،قاضی جلال الدین،قاضی ضیاء الدین،قاضی سماء الدین،قاضی میاں بھوا۔

7.3.3 صوبوں اور شہروں میں قضا

قاضی القضاۃ کے ذریعہ پوری مملکت کے اندر ہر صوبے میں قاضی کی تقرری کی جاتی تھی، یہ قاضی صوبہ کہلاتے تھے، اگر صوبہ کے لئے صدر مقرر ہوتے تو صدر صوبہ کہلاتے تھے۔ قاضی صوبہ کے تحت صوبہ کے تمام پرگنوں میں قاضی مقرر ہوتے تھے، جو پرگنہ کی سطح پر مقدمات کی سماعت کرتے اور فیصلے کرتے تھے، اسی طرح صدر صوبہ کے ذریعہ پورے صوبے کے مذہبی معاملات دیکھے جاتے تھے۔ پرگنہ کئی شہروں اور گاؤں پر مشتمل ہوتا تھا، گاؤں کے معاملات کو اسی طرح باقی رکھا گیا تھا جیسا وہ پہلے سے چلا آرہا تھا۔ یہ عہد سلطنت کے بادشاہوں کی پالیسی تھی کہ گاؤں کے نظام کو نہ چھیڑا جائے، چنانچہ وہاں پنچایت کے ذریعہ معاملے حل ہوجایا کرتے تھے۔

صوبوں اور پرگنوں کے اندر قاضیوں کے ساتھ ان کی معاونت کے لئے پوری ٹیم ہوا کرتی تھی، صوبوں کے اندر قاضی کے ساتھ مفتی بھی مقرر ہوتے تھے جو شرعی معاملات میں قاضی کو مشورہ دیا کرتے تھے، اگر قاضی خود ہی شرعی احکام کا ماہر ہوتا تو اسے مفتی کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، اگر مقدمہ غیر مسلموں سے متعلق ہوتا تو پنڈت قاضی کی مدد کیا کرتے تھے، گاؤں کی سطح پر غیر مسلموں کے فیصلے خود ان کے مذہب کے مطابق اور ان ہی کے ذریعہ طے ہوجایا کرتے تھے۔

7.3.4 قضاء کے دوسرے عہدیداران

قاضیوں کے ساتھ ایک عہدیدار میر داد کے نام سے ہوتا تھا، یہ عہدہ بڑے دبدبہ والے شخص کو سپرد کیا جاتا تھا اور اس کا کام ایسے امراء اور بڑے افراد کو عدالت میں حاضر کرنا ہوتا تھا جن کے بارے میں خدشہ ہوتا کہ وہ اپنے مقام و مرتبہ کی وجہ سے حاضر عدالت نہیں ہوں گے۔ اسی طرح ایک عہدہ دادبک کا تھا جس کی حیثیت آج کل کے مجسٹریٹ کی ہوتی تھی۔ سکندر لودھی نے ایک عہدہ میر عدل کے نام سے قائم کیا تھا، جو صرف دیوانی کے معاملات کی سماعت کرتا تھا۔ فوج چونکہ لوگوں کی بڑی تعداد پر مشتمل ہوا کرتی تھی اور اکثر یہ متحرک رہتی اور مہینوں اور برسوں سفر کرتی، ایسی فوج کے اندر بھی مقدمات پیش آتے تھے اور وہاں بھی عدالت کا انتظام رکھا گیا تھا، چنانچہ فوج کے لئے قاضی کی تقرری ہوتی تھی، یہ قاضی عسکر کہلاتے تھے، اور ان کا کام لشکر کے اندر کے مقدمات کو سننا اور فیصلہ کرنا ہوتا تھا۔ دہلی شہر جہاں مرکزی حکومت تھی اور بادشاہ خود رہتا تھا، وہاں کے لئے بھی مخصوص طور پر قاضی مقرر کیا جاتا تھا، چنانچہ مشہور سیاح ابن بطوطہ جو محمد بن تغلق کے عہد میں دہلی آیا تھا، اسے سلطان نے شہر دہلی کا قاضی مقرر کیا تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے مسلک کے علماء بھی قاضی مقرر ہوسکتے تھے، کیونکہ دہلی سلطنت میں فقہ حنفی کا رواج تھا اور ابن بطوطہ فقہ مالکی سے وابستہ تھا۔ قاضی کا بڑا احترام کیا جاتا اور وہ بڑے بڑے امراء کو سزا دے سکتا تھا۔ شہزادے، وزراء، فوج کے سردار اور دوسرے اہم عہدیدار بھی ایسے مقدمات فیصل کردیتے جن میں بہت زیادہ قانون دانی کی ضرورت نہ ہوتی، مال کے مقدمات کی سماعت مقطع یا دیوان کردیا کرتا تھا، ان میں قاضی کے پاس جانے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ فیصلے بہت جلد ہوجایا کرتے تھے اور مظلومین کے لئے انصاف پانا بہت آسان تھا۔ عام طور پر عدالتی کارروائی جلد مکمل کرکے مجلس ہی میں فیصلہ سنا دیا جاتا، اور حق دار کو حق ملتا اور مجرم کو سزا۔ محکمہ عدل کے اس سستے، جلد اور مساویانہ انصاف کے نظام کی وجہ سے دہلی سلطنت میں عدل کی فرمانروائی تھی۔

7.3.5 شریعت کا نفاذ

عدل وانصاف کا یہ نظام پوری طرح اسلامی شریعت کے مطابق جاری کیا گیا تھا۔ دہلی سلطنت کے عہد میں دیگر وزارتوں کے مقابلہ میں محکمہ عدل کی وزارت ہی بڑی حد تک شریعت کے مطابق چلائی گئی تھی۔ قاضیوں کی تقرری ان کی شرعی قابلیت اور فقہی صلاحیت کی بنیاد پر ہوتی تھی اور مرکز سے لے کر صوبوں اور پرگنوں تک مقرر ہونے والے قاضی احکام شریعت کی روشنی میں فیصلے کیا کرتے تھے۔ شرعی احکام کی تابعداری کی غرض سے ہی قاضیوں کے ساتھ مفتیوں کی تقرری کی جاتی تھی، خود بادشاہ اپنی معاونت کے لئے قاضیوں کو رکھتا تھا' البتہ بادشاہ کی ذات محکمہ عدل کی آخری منزل تھی۔ لوگوں کے مقدمات میں اس کے فیصلے شریعت کے مطابق ہوا کرتے تھے اور فیصلوں سے پہلے عدالتی کارروائی یعنی ثبوت اور گواہیاں دیکھی جاتی تھیں اور ان کے بعد ہی فیصلہ ہوتا تھا۔ البتہ سزاؤں کے نفاذ میں بادشاہ ہمیشہ شریعت کا پابند نہیں رہتا تھا، بالخصوص ایسے معاملات جو سیاسی بغاوت یا سیاسی اختلاف کی نوعیت کے ہوتے یا ایسے جرائم جن سے بادشاہ کے احکام کی خلاف ورزی کی جاتی، ان میں متعدد بادشاہوں کی سزائیں بے انتہا سخت تھیں اور وہ شریعت کے مطابق نہیں کہی جاسکتی ہیں۔ علاء الدین خلجی اور محمد بن تغلق نے سزاؤں میں سختی کی روش اختیار کی تھی، لیکن وہیں قطب الدین ایبک، التمش، ناصر الدین محمود، بلبن، فیروز تغلق، بہلول اور سکندر لودھی وغیرہ سلاطین نے اس بات کی پوری کوشش کی کہ عدل کا اعلیٰ معیار برقرار رہے اور ان کا کوئی کام خلاف شریعت نہ ہو۔ ان بادشاہوں کی انصاف پروری اور عدل گستری کے شاندار قصے تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔

معلومات کی جانچ

1۔ دہلی سلطنت کے نظام عدل میں آخری اتھارٹی کون ہوتا تھا؟

2۔ قاضی القضاۃ اور صدر الصدور میں کیا فرق تھا؟

3۔ میر داد کس عہدیدار کو کہتے تھے؟

7.4 سماجی حالات

دہلی سلطنت کا سماجی نظام عہد وسطی میں جاری سماجی نظام کی عکاسی کرتا ہے۔ حکمراں اگرچہ مسلمان تھے اور اسلام میں سماج کے اندر ذات و برادری یا مالی حیثیت کی بنیاد پر فرق مراتب نہیں ہے، لیکن ہندوستان کے عہد وسطی میں سماج کے اندر یہ فرق مراتب موجود تھا۔ دراصل عہد وسطی کا سماج کئی طبقوں پر مشتمل تھا، حکمراں اور امراء کا طبقہ بیشتر مسلمانوں کا تھا۔ ملک کی اکثریت ہندوؤں کی تھی، ان میں بھی امراء اور حکمرانی کرنے والے خاندانوں کے افراد تھے، ہندو سماج کے اندر اونچ نیچ اور برادری کے طبقات پہلے سے موجود تھے۔ گاؤں کے اندر دو طرح کے لوگ تھے، ایک طبقہ کاشتکاروں اور کسانوں کا تھا جن کی محنت پر ملک کی معیشت کا انحصار تھا۔ دوسرا طبقہ زمینداروں اور گاؤں کے سرداروں کا تھا، ان ہی میں سے محصلین ہوتے جو گاؤں سے لگان وصول کرتے تھے۔ سماج کے اندر تاجروں کا ایک طبقہ تھا جو مختلف اشیاء کی تجارت انجام دیتا تھا، یہ لوگ اشیاء تجارت کی درآمد برآمد سے بھی جڑے ہوئے تھے۔ عہد سلطنت کے سماج کا ایک اہم عنصر غلاموں کا تھا، اس دور میں دنیا کے

بیشتر حصوں میں غلاموں اور باندیوں کی تجارت جاری تھی ،اس کے لئے غلاموں کو پکڑنے اور انھیں اچھی تعلیم و تربیت سے آراستہ کر کے اونچی قیمتوں پر فروخت کرنے کا رواج تھا۔ایسے غلام اپنی قابلیت کی وجہ سے غلامی سے نکل کر امراء کی صف تک ہی نہیں پہنچتے بلکہ تخت حکومت پر بھی بیٹھتے تھے، دہلی سلطنت کا آغاز کرنے والے سلاطین بھی غلام ہی تھے، جو اپنی قابلیت اور صلاحیت کے بل بوتے پر ہندوستان کے بادشاہ بنے تھے۔

7.4.1 امراء کا طبقہ

سماجی زندگی میں سب سے اہم اور با حیثیت طبقہ امراء کا تھا ،حکمراں طبقہ بھی ان ہی میں سے ہوتا تھا۔شروع میں ترکوں نے حکومت قائم کی تو امراء بھی اسی نسل کے لوگ تھے، پھر جب حکومت ترک نسل سے نکل کر خلجی خاندان میں آئی تو لوگوں کے اس احساس کو تقویت ملی کہ وہ بھی امراء کے طبقہ میں شامل ہو سکتے ہیں۔حقیقت حال بھی کچھ ایسی ہی تھی، چنانچہ عہد وسطی کے اس سماج میں ایسے نمونے ملتے ہیں کہ معمولی سطح سے اٹھ کر لوگ امراء کی صف میں شامل ہو گئے۔فوجی قابلیت اور اعلی صلاحیت کے بل بوتے پر ایسی ترقی ممکن تھی۔

امراء اور حکمراں خاندان کا طبقہ حکومت کے اعلی عہدوں پر فائز ہوتا تھا، سماج میں ان کو اونچی حیثیت حاصل تھی ،ان کے پاس مالی وسائل بھی بہت زیادہ تھے،اور وہ بڑے عیش و آرام کی زندگی گذارتے تھے۔عام طور پر امراء تین درجوں میں تقسیم تھے: کچھ خان تھے جو سب سے اعلی رتبہ تھا ،اس کے بعد ملک، پھر امیر ہوتے تھے۔یہ تقسیم بہت زیادہ نمایاں نہیں ہوتی تھی، حکومت اور فوج کے بڑے عہدے ان ہی لوگوں کے پاس ہوتے تھے۔التمش نے ایسے چالیس امراء کی جماعت بنائی تھی جو حکومت کے کاروبار کو سنبھالنے میں اس کے مددگار ہوتے تھے، یہ جماعت چہلگانی کہلاتی تھی۔التمش کے بعد سربراہ حکومت کی تعیین میں ان امراء کا بڑا دخل تھا۔بلبن بھی انہی چالیس امراء میں سے ایک تھا اور اس جماعت کی طاقت و اہمیت سے وہ واقف تھا، چنانچہ جب وہ بادشاہ بنا تو اپنی حکومت کی مضبوطی کے لئے اس نے امراء کی یہ جماعت توڑ دی، لیکن سماج کے اندر امراء باقی رہے، اور قابل لوگوں کو ان کے کارناموں پر خان وغیرہ کے خطابات ملتے رہے۔مختلف مناسبتوں میں اور فتوحات وغیرہ کے موقعوں پر ان امراء کو بیش قیمت تحائف ملتے تھے۔یہ امراء بھی بادشاہ کے دربار میں قیمتی تحائف و نذر پیش کرتے تھے، امراء کے محلات، سامان عیش و راحت اور ٹھاٹھ باٹھ بادشاہ کے نقش قدم پر ہوتے تھے۔ان میں سے بعض کو امتیازی حیثیت کے اظہار کے لئے کچھ علامتیں اور نشان وغیرہ بھی عطا ہوتی تھیں۔جیسا کہ کہا گیا، امراء کی اس حیثیت تک پہنچنے کے لئے کسی نسل کی قید نہ تھی ،لوگ اپنی صلاحیت و قابلیت کے ذریعہ اس مقام کو حاصل کر لیتے تھے۔

امراء کی صف میں غیر مسلم اور ہندو بھی تھے اور انھیں بھی اعلی سماجی حیثیت اور حکومت میں عہدے حاصل تھے۔دہلی حکومت کے آغاز کے وقت راجپوت ہندوستان کے کئی علاقوں میں حکومت کر رہے تھے، آہستہ آہستہ ایسے بیشتر علاقے دہلی سلطنت میں شامل ہو گئے۔لیکن راجستھان اور آس پاس کے علاقوں میں کئی جگہ انکی حکومتیں باقی تھیں، کچھ جگہوں پر وہ دہلی سلطنت کے باجگذار کے طور پر تھے، اور مرکز کو متعینہ خراج دے کر اپنی حکومت میں آزادانہ زندگی بسر کرتے تھے، انکے پاس فوجیں ہوتیں اور نہایت شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی گذارتے تھے۔اونچی ذات کے یہ ہندو اور برہمن وغیرہ خود دارالسلطنت دہلی میں بڑی شان و شوکت کے ساتھ رہتے تھے، حکومت ان کو اعلی عہدے دیا کرتی تھی، قطب الدین ایبک کی فوج میں ہندو افسر اور سپاہی تھے۔بلبن اور علاء الدین کے عہد میں ہندو سرداروں کا اقتدار کافی بڑھ گیا تھا، حتی کہ علاء

الدین نے ان کی بغاوت کے اندیشہ سے ان کی طاقت توڑنے کی کوشش کی اور مسلم امراء کے ساتھ ہندوسرداروں پر بھی سختی اور پابندی نافذ کی، لیکن محمد بن تغلق کے عہد میں ہندوسرداراور بھی طاقتور ہو گئے تھے، وہ صوبوں کے گورنری اور محکمہ مال کے اعلی عہدا پدار مقرر ہونے لگے۔ان کے اثرات اتنے زیادہ ہو گئے تھے کہ لوگ ان پر رشک وحسد کرتے تھے۔فیروزشاہ کے محبوب ہم جلیسوں میں ہندوسرداربھی شامل تھے،مؤرخین نے ہندوسرداروں اورامیروں کی شاندارزندگی،عیش وعشرت اورمقام وعظمت کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے،جن کے یہاں مسلمان بھی نوکر ہوتے تھے اور جن کے دروازوں پر مسلمان غرباء بھیک مانگتے تھے۔برنی نے فتاوی جہانداری میں لکھا ہے کہ ہندو دارالسلطنت میں بھی بڑے بڑے مکانات محلوں ہی کی طرح بناتے ہیں،وہ کمخواب کے لباس پہنتے ہیں،عربی گھوڑوں کی سواری کرتے ہیں،جن پر چاندی اورسونے کا ساز ہوتا ہے اوران کی عظمت طرح طرح سے ظاہر ہوتی ہے اور وہ عیش وتنعم کی زندگی گذارتے ہیں۔

7.4.2 تاجروں کا طبقہ

ہندوستان بنیادی طور پر زراعتی ملک تھا،لیکن یہاں قدیم زمانہ سے تجارت کا رواج رہا،دہلی سلطنت کے قیام کے بعد وسط ایشیا اور عرب ممالک کے ساتھ ہندوستان کے تجارتی تعلقات میں مزید مضبوطی اور وسعت آ گئی اوراشیاء تجارت کی درآمد برآمد بڑھ گئی،سلاطین دہلی نے بھی اس جانب پوری توجہ دی اور سہولیات بہم پہنچائیں محمد بن تغلق نے دہلی سے دیوگیری تک سات سومیل کی لمبی شاہراہ تیار کرائی جس پر دونوں جانب درخت لگوائے اورتھوڑے تھوڑے فاصلہ پر سرائے بنوائے جہاں مسافروں کے ٹھہرنے اورخوردونوش کا انتظام کرایا۔اس سے تجارت کو بہت فروغ ملا،ان تجارتی سرگرمیوں کی وجہ سے سماج کے اندر تاجروں کا طبقہ وجود میں آ گیا تھا ان میں کچھ ایسے تھے جوملک کے اندر تجارت کرتے تھے دہلی میں تجارت کی منڈیاں لگتی تھیں،اورہر سامان کیلئے علاحدہ بازار تھے،جہاں کپڑے، اجناس، جانور، غلام وباندی، مٹھائیاں، جوتے، اسلحے اوردیگر سامان ملتے تھے۔ان تاجروں کے علاوہ کچھ بیرونی تاجر بھی تھے جو دوسرے ممالک سے سامان تجارت لاتے اورہندوستان میں فروخت کرتے، کیونکہ اس دور میں ملتان بیرونی تجارت کا ایک بڑامرکز بن گیا تھا،خراسانی،عراقی اور ایرانی بیرونی تجارت میں نمایاں تھے۔

تجارت پیشہ طبقہ میں مسلمان اورہندو دونوں شامل تھے،ان کی سماجی زندگی بھی آرام وراحت اور باحیثیت تھی، بسااوقات ان تاجروں کے پاس اتنی دولت ہوتی کہ امراءاور دوسرے لوگ ان سے قرض لیا کرتے۔تجارت بحری اور بری دونوں قسم کی تھی، بحری تجارت کی وجہ سے ساحلی علاقوں کے شہروں میں تجارت کوفروغ مل رہا تھا۔سلاطین دہلی نے تجارت کے فروغ اوراشیاء کی قیمتوں کوارزاں بنانے میں کافی دلچسپی لی۔علاءالدین کے زمانہ میں اشیاء کی نرخ بندی کردی گئی تھی اور قیمتیں سستی ہوگئی تھیں،فیروزشاہ تغلق اوربہلول لودھی اورسکندرلودھی کے زمانوں میں قیمتیں اوربھی کم ہوگئی تھیں،جس سے لوگوں کو بہت آسانیاں حاصل ہوگئی تھیں۔

7.4.3 صنعت پیشہ طبقہ

تاجروں کے ساتھ سماج میں ایک بڑا طبقہ صنعت وحرفت سے جڑا ہوا بھی تھا، دیہاتوں میں تو چھوٹی موٹی ایسی صنعتیں تھیں جوزراعت سے وابستہ ہوتی تھیں،شہری صنعتوں میں پارچہ بافی یعنی کپڑے کی تیاری اوراس سے متعلق متعدد صنعتیں بڑی ترقی پر تھیں۔اس کے علاوہ دھات سازی،شکرسازی، کاغذ سازی اورسنگ تراشی کی صنعتیں رائج تھیں، کپڑے کی صنعت عروج پر تھی اوراس سے جڑی زردوزی، رنگ سازی اور

کشیدہ سازی کی صنعتیں بڑے شہروں میں رائج تھیں۔طرح طرح کے عمدہ اور نفیس کپڑوں کی تیاری میں سماج کا ایک بڑا طبقہ مشغول تھا،ہندو اور مسلمان دونوں ان صنعتوں سے جڑے ہوئے تھے۔شہروں کے اندر ان پیشہ وروں اور صنعتوں سے وابستہ لوگوں کی علاحدہ آبادیاں ہوتی تھیں، ان صنعتوں کے لئے شاہی کارخانے قائم تھے، جہاں بڑی تعداد میں ملازم ہوتے تھے،ان کی زندگی متوسط طرز کی ہوتی تھی، بہت سارے غلاموں کو صنعتوں کی تربیت دے کر ان کاموں میں لگایا جاتا تھا۔فیروز شاہ تغلق نے ایسی صنعتوں کو بہت فروغ دیا تھا،اس نے تقریبا دو لاکھ غلام جمع کر لئے تھے جن میں سے ایک بڑی تعداد کو صنعتوں کی تربیت دی گئی تھی اور انھیں مختلف پرگنوں میں پھیلا دیا گیا تھا،اس سے صنعت کو بھی ترقی ہوئی اور سماجی زندگی میں لوگوں کو ہنرمند بن کر کمانے کا راستہ حاصل ہوا۔

7.4.4 دیہی زندگی

دہلی سلطنت کے دور میں گاؤں کی آبادی بڑی اہمیت رکھتی تھی، چونکہ گاؤں سے ہی زراعت وابستہ تھی جس پر ملک کی معیشت کا دارو مدار تھا،سلاطین دہلی نے گاؤں کی زندگی میں دخل اندازی کی پالیسی نہیں اپنائی تھی،اس لئے گاؤں کا نظام زیادہ تر اسی حال پر رہا جو پہلے سے مروج تھا۔گاؤں میں بنیادی طور پر دو طبقے تھے،ایک کاشتکاروں اور زراعت پیشہ لوگوں کا تھا اور دوسرا زمین کے مالکان اور گاؤں کے سربراہوں کا تھا۔کسان اور کاشتکار زیادہ تر زمین کے مالک نہ ہوتے تھے۔بلکہ وہ بٹائی پر یا شرکت کے دوسرے طریقوں پر کاشتکاری کرتے تھے اور اپنی بٹائی کے حصہ پر یا مزدوری پر گذارہ کرتے تھے،سماج کا یہ طبقہ مالی اعتبار سے کمزور تھا اور قدرتی آفات یا زراعت کی نابہتری کی صورت میں انھیں مشکلات کا سامنے کرنا پڑتا تھا،ورنہ عام حالات میں ان کی زندگی میں خوشحالی رہتی،حکومت بھی انھیں امداد فراہم کرتی تھی۔فیروز شاہ تغلق نے زراعت کی ترقی اور عوام کی خوشحالی کے لئے بے شمار نہریں بنوائیں،کنویں کھدوائے اور ٹیکس کا بار بالکل ہلکا کر دیا،جس کے نتیجہ میں زراعت میں بے انتہا ترقی ہوئی اور کاشتکار خوشحال و آسودہ ہو گئے تھے۔

گاؤں میں دوسرا طبقہ زمینداروں اور سرداروں کا تھا یہ لوگ خوط اور مقدم کہلاتے تھے،یہی کسانوں سے لگان وصول کرتے اور حکومت کو مقررہ حصہ ادا کر کے بقیہ آمدنی خود استعمال کرتے تھے ان لوگوں کی معاشی حالت بڑی اچھی تھی،یہ کاشتکاروں سے زیادہ وصول کرتے تھے اور حکومت کو کم ادائیگی کرتے، درمیانی منافع کا بڑا حصہ اپنے پاس رکھتے تھے۔خوط اور مقدموں کی ان بے ایمانیوں کو روکنے کے لئے ہی علاء الدین نے مقررہ لگان کے بجائے زمین کی حقیقی پیائش کروائی اور پیائش کی شرح پر لگان کی مقدار طے کی،جس سے اصل وصول شدہ لگان حکومت کو پہنچنے لگی اور پٹواریوں کو اپنا معاوضہ ملتا تھا،لیکن علاءالدین کے بعد پھر ان کی حالت پہلے جیسی ہوگئی۔مؤرخین جیسے وصاف اور ابن بطوطہ نے بالترتیب گجرات اور بنگال کی دیہی آبادیوں کے بارے میں لکھا ہے کہ یہاں بہت زیادہ خوشحالی ہے،گاؤں اور قصبے کے لوگ دولت سے کھیلتے ہیں اور تھوڑی سے آمدنی میں لوگ آرام و آسائش سے زندگی بسر کرتے ہیں۔

7.4.5 اہل علم وفضل کا طبقہ

سماج کا ایک اہم ترین طبقہ اہل علم وفضل کا تھا،دہلی سلطنت اس معاملہ میں زریں ہے کہ یہاں کے بڑے شہر بالخصوص دہلی،لاہور، ملتان اور لکھنوتی وغیرہ علم وتہذیب کے روشن مراکز بن گئے تھے،جہاں اہل کمال کا مجمع رہتا،عالم اسلام میں چنگیزی تباہی کے نتیجہ میں بڑے بڑے باکمال دہلی میں سمٹ آئے تھے،ان میں فقہاء وعلماء کے علاوہ بڑے بڑے شعراء وادباء اور ماہرین فن تھے۔سماج میں اس طبقہ کو بڑی عزت

ووقار کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، سلاطین دہلی بھی ان کی بڑی قدر کرتے، ان کو شریعت سے وابستہ علم و تدریس اور قضا وغیرہ کے لیے مناصب پر فائز کرتے اور ان کے لئے معیاری معاوضہ مقرر کرتے تھے۔ قطب الدین ایبک، التمش اور بلبن کے زمانوں میں دہلی میں وقت کے نامور فاضلان کا مجمع اکٹھا تھا اور ان سلاطین نے انھیں حسب حیثیت اعزاز بخشا۔ التمش اور بلبن کے درباروں میں اور ان کے دسترخوانوں پر نیز ان کے سفر میں علماء و اہل فضل ساتھ ہوا کرتے تھے، علاء الدین نے گو کہ بذات خود انھیں وہ اہمیت نہ دی جو اس سے پہلے حاصل تھی لیکن اس کے عہد میں سب سے زیادہ ارباب کمال اور علماء دہلی میں موجود تھے۔ محمد بن تغلق، فیروز شاہ تغلق، سکندر لودھی ان کے بڑے قدرداں رہے۔ عہد سلطنت کے مشہور فقہاء میں قاضی منہاج سراج، قاضی قطب الدین کاشانی، شرف الدین ولوالجی، مولانا برہان الدین بزاز، نور الدین مبارک، فخر الدین ناقلہ اور شمس الدین وغیرہ فقہاء کی ایک طویل فہرست رہی ہے۔ ان فقہاء کے علاوہ یہ دور مشائخ کبار کا بھی ہے، دہلی سلطنت کے سماج کا یہ اہم عنصر تھے۔ یہ دور مشائخ عظام کے وجود اور ان کی برکتوں سے فیضیاب ہو رہا تھا، شیخ معین الدین چشتی اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے ساتھ ایبک، التمش اور بلبن کی عقیدت جگ ظاہر تھی، بابا فرید الدین گنج شکر اور شیخ نظام الدین اولیاء جیسی عظیم ہستیاں اسی دور میں تھیں جن کے آستانوں پر ہزاروں لوگ روحانی سکون اور اخلاقی تربیت حاصل کیا کرتے تھے۔ سماج میں ان کی عظمت اور دبدبہ کے سامنے بسا اوقات شاہانہ عظمت ماند پڑ جاتی تھی۔ قاضی حمید الدین ناگوری، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، شیخ نصیر الدین چراغ، علی احمد صابر کلیری، جمال الدین ہانسوی، مخدوم جہانیان جہاں گشت، شرف الدین احمد یحیی منیری، شیخ جلال الدین تبریزی، سید اشرف جہانگیر سمنانی، شیخ سراج الدین اخی سراج، نور قطب عالم وغیرہ مشائخ سے دہلی سلطنت کا یہ زمانہ بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ ان مشائخ کی خدمات اور روحانی سرگرمیوں نے سماج پر بڑے گہرے اثرات ڈالے، ہندو اور مسلم دونوں ان بزرگوں کی خانقاہوں میں آتے، مسلم امراء کے ساتھ ہندو امراء بھی یہاں جبین عقیدت خم کرتے، اور سماج کے اندر روحانی ماحول میں تقویت پیدا ہوتی۔

7.4.6 غلاموں کا طبقہ

غلامی کا رواج زمانہ قدیم سے جاری تھا، دہلی سلطنت میں یہ رواج باقی رہا، عام طور جنگوں میں گرفتار ہونے والے مرد و عورت غلام و باندی بنا لئے جاتے، اس میں مذہب کا کوئی فرق نہ تھا، غیر مسلم جنگوں میں بھی اسی طرح قیدی غلام ہوتے جس طرح مسلم حکمرانوں کی جنگوں میں قیدی بنائے جاتے۔ یہ غلام گھروں میں کام کرتے اور اپنے مالکوں کی خدمت نیز ان کے مطابق تجارت و صنعت انجام دیتے تھے۔ غلاموں کی خرید و فروخت کے لئے باضابطہ منڈی ہوتی تھی، ہندوستان میں زیادہ تر غلام گھریلو کاموں کے لئے رکھے جاتے تھے، لیکن وسط ایشیاء میں غلاموں کو خرید کر انھیں بہترین مذہبی اور ادبی تعلیم دی جاتی، آداب سکھائے جاتے اور فوجی تربیت دے کر اونچی قیمتوں میں انھیں فروخت کیا جاتا تھا، ایسے غلاموں کو بڑے امراء، اصحاب ثروت اور اہل علم خریدتے، انھیں علمی کاموں میں لگایا جاتا یا فوج میں بھرتی کیا جاتا، ایسے غلام اپنی فوجی قابلیت اور اعلی صلاحیتوں کی وجہ سے بہت جلد ترقی پاتے اور سماج کے اندر اونچا مقام حاصل کر لیتے تھے۔ ایبک، التمش اور بلبن جیسے عظیم سلاطین دہلی پہلے غلام تھے اور انھیں بازاروں سے خرید کر تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا گیا اور وہ ترقی کرتے ہوئے عظیم سلطنتوں کے بادشاہ بنے۔

7.5 مذہبی حالات

مذہبی اعتبار سے دہلی سلطنت پر اگر نظر ڈالی جائے تو وہ بڑی حد تک ایسی حکومت محسوس ہوتی ہے جس میں مذہب کو اعلی حیثیت حاصل تھی اور اس کا اثر براہ راست سماج پر بھی مرتب ہو رہا تھا۔اس لئے یہ سماج بھی بڑی حد تک مذہبی رنگ میں ڈوبا ہوا تھا، حکومت اور سماج دونوں سطحوں پر اس عہد میں مذہب اور بالخصوص اسلام کا رنگ صاف نمایاں نظر آتا ہے، عہد سلطنت کے ابتدائی سلاطین بذات خود گہرے مذہبی رنگ کے حامل تھے، وہ نہ صرف علم اور دینداری سے آراستہ تھے بلکہ شریعت کی تابعداری اپنا فریضہ سمجھتے تھے، چنانچہ انھوں نے مذہب اور اسلامی شریعت کو اہمیت دی اور اہل علم کی قدر دانی کی جس کی وجہ سے سماج میں اہل علم کا مقام اونچا ہوا بلکہ لوگ مذہب اور دین کی طرف راغب ہونے لگے۔

مذہبی رنگ کو گہرا کرنے میں علماء وفقہاء کے علاوہ مشائخ اور صوفیوں کی عظیم خدمات کا بڑا دخل رہا ہے ۔یہ دور بڑے مشائخ اور بزرگان دین سے مالا مال تھا جو اسلامی تعلیمات اور اخلاقی خوبیوں کے عملی نمونے تھے۔اور ان کی مجلسوں میں ہر کس و ناکس کی رسائی تھی، جہاں عوام کو روحانی سکون ملتا اور اپنے درد کا درماں پاتے ۔خواجہ اجمیری، خواجہ بختیار کاکی، بابا فرید، محبوب الٰہی، چراغ دہلی اور خواجہ گیسو دراز کی نفس گرم سے سماج کے اندر دینداری اور تعلق مع اللہ کی کیفیت میں اضافہ ہی ہوتا گیا تھا، دوسری طرف علماء اور فقہاء نے وعظ وارشاد کی محفلیں اور درس کے حلقے قائم کر رکھے تھے ۔قاضی منہاج کا وعظ مشہور تھا جس میں شیخ نظام الدین بھی شریک ہوا کرتے تھے۔یہ وعظ بادشاہوں کے درباروں، خانقاہوں، مسجدوں اور محفلوں میں ہوتے جہاں ہزاروں عوام ان سے مستفید ہوتی تھی اور ان کی زندگی میں مذہبی رنگ آجاتا تھا۔یہ وعظ لشکروں کے اندر بھی ہوتے اور خصوصیت کے ساتھ بیرونی حملوں کے موقعوں پر سلاطین کی خواہش پر وعظ کے ذریعہ لوگوں میں جذبہ بیدار کیا جاتا تھا۔

مذہبی تعلق کے پیدا کرنے میں مشائخ کی خانقاہوں اور فقہاء کی محفلوں کے علاوہ تعلیم کے حلقوں کا بھی رول تھا۔سلاطین نے اس بات سے بھی دلچسپی لی تھی کہ مدارس قائم ہوں اور اساتذہ تعلیم دیں، چنانچہ دہلی اور دوسرے شہروں میں مدارس بھی قائم ہوئے اور زیادہ تر اساتذہ نے اپنے یہاں تعلیم کے حلقے لگائے، جن سے علم دین کی اشاعت ہوئی اور لوگ مذہب سے گہری وابستگی قائم رکھتے رہے۔

دہلی سلطنت میں سماج کے اندر جہاں دینداری اور مذہب سے تعلق کا غالب ماحول رہا، وہیں اس کے برعکس صورت حال بھی رہی، جس میں بسا اوقات زیادہ شدت بھی پیدا ہوئی، چنانچہ علاء الدین کے دربار میں وہ دینی اور مذہبی رنگ نہ تھا جو اس کے پیشرو سلاطین اور بعد کے سلاطین میں نظر آتا ہے۔علاء الدین مذہبی آدمی نہیں تھا، لیکن وہ مذہب کی بے حرمتی نہیں کرتا تھا، اس کے دور کو تو علماء وفقہاء کی موجودگی کے اعتبار سے سب سے زیادہ زرخیز دور کہا جاتا ہے ۔علاء الدین کے دور میں ہی قاضی شمس الدین محدث حدیث کی کتابوں کے ایک بڑے ذخیرہ کے ساتھ ہندوستان آئے کہ یہاں حدیث کی اشاعت ہو، لیکن جب اسے علاء الدین کے مذہبی احوال معلوم ہوئے تو وہ واپس چلے گئے۔اسی طرح قطب الدین مبارک کا دربار مذہبی رنگ سے خالی تھا اور اس کا براہ راست اثر سماج کی مذہبی حالت پر مرتب ہوتا تھا، خسرو خاں کے زمانہ میں تو مذہب اسلام کی بے حرمتی کے واقعات پیش آنے لگے تھے، لیکن مجموعی طور پر دہلی سلاطین کے دربار میں مذہبی رنگ ہی زیادہ غالب رہا، البتہ دربار کی آرائش وزیبائش، بادشاہوں کی نجی محفلوں اور بادشاہوں کی سزاؤں کو مذہبی رنگ سے مستثنی کر کے دیکھنا ضروری ہوگا۔

گو کہ سلاطین دہلی کا مذہب اسلام تھا اور وہ اسلام اور شریعت اسلامی کے نگہبان تصور کئے جاتے تھے، لیکن انھوں نے دوسرے اہل مذاہب کے ساتھ بھی عزت و مساوات کا برتاؤ کیا، مذہب کی بنیاد پر کسی کو اس کے حق سے محروم نہیں کیا۔ محمد بن تغلق کی بنائی ہوئی دہلی سے دولت آباد کی طویل شاہراہ اور اس پر موجود مسافروں کی بیش قیمت سہولتیں ہندو و مسلمان سب کے لئے تھیں۔ فیروز تغلق کے عہد میں کسانوں سے قرضوں کی معافی، ٹیکس میں بے انتہا کمی اور نہر و کنوؤں کی تیاری نیز باغات کے لگوانے، بیماروں کے لئے اسپتال کھولنے، غریبوں محتاجوں کی مالی امداد، بے روزگاروں کے لئے روزگار، اور غریب بچیوں کی شادی کے انتظامات جیسے فلاحی اقدامات یکساں طور پر ہندو اور مسلمان سب کے لئے تھے۔ ہندو مذہب کی طرح جین مذہب اور دوسرے مذاہب والوں کے ساتھ بھی یکساں برتاؤ ہوتا تھا اور سلاطین دہلی ان کی بھی قدر افزائی کرتے تھے۔

7.6 سماج پر اسلامی تہذیب کے اثرات

یہ بہت دلچسپ ہے کہ دہلی سلطنت کے دور میں ہندوستان کے سماج پر اسلام کے افکار و نظریات اور عقائد کے گہرے اثرات مرتب ہوئے اور ہندو سماج کے اندر ایسی تحریکیں اٹھیں جن میں اسلامی عقائد اور تعلیمات سے استفادہ کا عکس نظر آتا ہے۔ اس سلسلہ میں مشہور مؤرخ ڈاکٹر تارا چند کے درج ذیل چند ٹکڑے قابل مطالعہ ہیں: ''ہندو مسلمان دونوں نے ایک ایسا طرز زندگی اختیار کرنے کی کوشش کی جس سے دونوں اچھے ہمسایہ کی طرح زندگی بسر کر سکیں' اس نئے طرز زندگی سے ایک ایسا تمدن پیدا ہوا جو نہ تو بالکل ہندوؤں ہی کا تھا' نہ خالصاً مسلمانوں کا' بلکہ ایک مخلوط ہندو مسلم تمدن تھا' اس طرح ہندو مذہب' ہندو آرٹ' ہندو ادب اور ہندو سائنس نے اسلامی اثرات قبول کرنے شروع کیے اور ہندو کلچر اور ہندو ذہنیت میں بھی تبدیلی پیدا ہونے لگی' مہاراشٹر' گجرات' پنجاب' ہندوستان اور بنگال کے مذہبی پیشواؤں نے پرانے اعتقادات کی بہت سی باتوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔'' جناب کے ایم پنیکر صاحب نے لکھا ہے کہ ہندو معاشرت پر اسلام کے اثرات کی وجہ سے ہندوؤں کے معاشرتی نظام میں برابر نئے عقائد اور فرقے پیدا ہوتے جا رہے تھے اس عہد میں ہندو مذہب کی تجدید کی تحریکیں برابر جاری رہیں۔ ویشنو تحریک اسی زمانے میں شروع ہوئی جس کی وجہ سے شمال میں جے دیو، میرا بائی، رامانند، کبیر، پھر مہاراشٹرا اور گجرات میں گیانیشور وغیرہ جیسے پیشوا پیدا ہوئے۔ کرناٹک میں لنگایت کا عروج بھی اسی دور میں ہوا۔ گیت گووند پوری میں لکھی گئی اور یہ اس قدر مقبول ہوئی کہ اس کی شرح راجپوتانہ کے مہارانا کمبھ نے لکھی، رامانند کی تحریک کا مرکز بنارس میں تھا۔ اور یہ بات تو واضح ہے کہ اسی عہد میں ہندو مذہب پر اسلام کا گہرا اثر پڑا، ہندوستان میں خدا پرستی کا تصور اسلام ہی کی بدولت پیدا ہوا۔ بھکتی عقائد میں بھی خالص توحید پرستی ہے''۔

معلومات کی جانچ:

1۔ خان، امیر اور ملک کے درمیان دہلی کے سماج میں کیا فرق تھا؟

2۔ بیرونی تجارت سے جڑے لوگ کیا کہلاتے تھے؟

3۔ خوط اور مقدم کون تھے؟

7.7 خلاصہ

دہلی سلطنت میں نظام عدل مرکز سے لے کر صوبوں، پرگنوں اور قصبوں تک میں نافذ کیا گیا تھا۔ سلاطین دہلی نے عدل و انصاف کی فراہمی پر بہت زیادہ توجہ دی تھی اور اس معاملہ میں وہ بسا اوقات اپنے عزیزوں کو بھی نہیں بخشتے تھے۔ دہلی سلاطین نے انصاف کا نظام سستا اور آسان بنایا تھا، مسلمانوں کے ساتھ اسلامی شریعت کے مطابق فیصلہ ہوتا تھا، جب کہ غیر مسلموں کے فیصلے ان کے مذہب کی روشنی میں کئے جاتے تھے، گاؤں میں پنچایت کے قدیم نظام کو باقی رکھا گیا تھا۔

نظام عدل کا سربراہ قاضی القضاۃ ہوتا تھا جس کی تقرری بادشاہ کرتا تھا، پھر ہر صوبے کے لئے ایک قاضی مقرر ہوتا تھا، صوبہ کے اندر ہر پرگنہ میں ایک قاضی ہوتا تھا، قاضی صوبہ کی عدالت میں فیصلہ اور اپیل دونوں کے لئے تھی۔ عدالت کی آخری منزل بادشاہ کی ذات تھی، یہ سلاطین خود دربار لگا کر لوگوں کو انصاف دیتے، مقدمے سنتے اور اپیلوں کی بھی سماعت کرتے، ان کی معاونت کے لئے قاضی اور مفتی ہوا کرتے تھے، فیصلے بہت جلد ہو جایا کرتے تھے۔ البتہ شرعی ضوابط کا خیال رکھا جاتا تھا، لیکن بادشاہ کی سزاؤں میں بسا اوقات سختی زیادہ ہوتی تھی جو شریعت کے خلاف کہی جائے گی۔ ایبک، التمش، بلبن، محمد بن تغلق اور سکندر لودھی وغیرہ اپنے بے لاگ عدل و انصاف اور دلچسپی کے لئے مشہور ہیں، بادشاہ کے خلاف بھی مقدمہ دائر ہو سکتا تھا، جیسا کہ محمد بن تغلق کے ساتھ کی مثالیں موجود ہیں۔

دہلی سلطنت کے سماج میں مختلف طبقے تھے، امراء اور حکمراں کا طبقہ اعلیٰ سمجھا جاتا تھا، حالانکہ اسلام میں ایسا کوئی تصور نہیں ہے، لیکن دہلی سماج میں انھیں یہ حیثیت حاصل تھی، اعلیٰ عہدے اسی طبقہ کے پاس ہوتے تھے، البتہ یہ بات ممکن تھی کہ کوئی بھی شخص حتی کہ ادنی غلام بھی اپنی صلاحیت اور فوجی قابلیت کے ذریعہ ترقی کرتا ہوا امراء کے طبقہ میں شامل ہو جائے، ایسی بہت سی مثالیں ہیں۔ امراء کے طبقہ میں ہندو سردار بھی تھے اور انہیں بھی اعلیٰ سماجی رتبہ حاصل تھا، دارالسلطنت دہلی کے اندر ہندو امراء اپنی پوری شان و شوکت کے اظہار کے ساتھ رہتے تھے اور مذہب کی وجہ سے سماجی حیثیت میں کوئی بھید بھاؤ نہیں تھا، اس سماج میں اور بھی طبقات تھے۔ جیسے تاجروں کا طبقہ، علماء و اہل کمال کا طبقہ، صنعت پیشہ لوگوں کا طبقہ اور کاشتکاروں کا طبقہ، ان سب کی حیثیتیں مختلف تھیں، کسانوں کا طبقہ بہت نچلی سطح پر تھا، لیکن سلاطین دہلی کی پالیسیوں کی وجہ سے ان میں بھی خوشحالی آ گئی تھی۔ غلاموں کا بھی طبقہ تھا جن کی خرید و فروخت ہوتی تھی، انھیں گھریلو کام کے لئے رکھا جاتا تھا۔ فیروز تغلق نے بہت سے غلاموں کو تعلیم و تدریس اور ہنر سکھا کر صنعت کے کاموں میں لگایا تھا۔ یہ غلام فوج میں بھرتی کئے جاتے تھے، جہاں اپنی قابلیت کی بنیاد پر وہ ترقی کر کے اونچے عہدوں تک پہنچ جاتے تھے۔

دہلی سلطنت کے سماج پر بنیادی طور پر مذہبی رنگ غالب تھا، نہ صرف سلاطین مسلمان تھے بلکہ وہ اسلام کے محافظ تصور کئے جاتے تھے، انھوں نے مذہبی علماء اور مشائخ کی بڑی قدر دانی کی۔ اس عہد میں بڑی تعداد میں علماء و فضلاء اور مشائخ و صوفیاء تھے، جن کی خدمات کی وجہ سے عوام کی اصلاح و تربیت اور تعلیم و اخلاق کی اشاعت ہوتی تھی، مختلف صوفی سلسلوں کے بڑی مشائخ اسی دور میں رہے ہیں، جیسے خواجہ اجمیری، بابا فرید، خواجہ محبوب الٰہی، شیخ چراغ دہلی، زکریا ملتانی، شرف الدین یحیی منیری وغیرہ۔ سلاطین دہلی میں سے کئی حکمراں بذات خود بڑے دیندار اور نیک تھے، جیسے التمش، بلبن اور ناصر الدین محمود، فیروز تغلق اور سکندر لودھی وغیرہ، لیکن کئی حکمرانوں کے عہد میں مذہبی حالات بہتر نہیں رہے، جیسے کیقباد اور قطب الدین خلجی، علاء الدین خلجی اور خسرو خاں وغیرہ کے زمانوں میں ہوا۔ مذہبی حالات غیر مسلموں کے بھی اچھے تھے، انھیں اپنے

مذہب پر عمل اور مذہبی شناخت کے ساتھ رہنے کی پوری آزادی تھی۔ سلاطین دہلی نے ہندو اور جین مذاہب کے ساتھ بھی بہتر برتاؤ روا رکھا، وہ اونچے سرکاری عہدوں پر فائز رہے، فیروز تغلق کے قریبی ہم نشین کئی ہندو تھے، فیروز کے ہی عہد میں نومسلم ہریجن خان جہاں تلنگی بہت طاقتور وزیر رہا ہے۔

7.8 نمونے کے امتحانی سوالات

درج ذیل سوالات کے جوابات کم از کم تیس سطروں میں لکھئے۔

1. دہلی سلطنت کے نظام عدل پر ایک تفصیلی مضمون لکھئے۔
2. دہلی سلطنت کا سماجی نظام کیسا تھا، روشنی ڈالئے۔
3. دہلی سلطنت کے مذہبی حالات بیان کیجئے۔

درج ذیل سوالات کے جوابات پندرہ سطروں میں لکھئے

1. نظام عدل میں بادشاہ کی حیثیت بیان کیجئے۔
2. شریعت کے نفاذ کی صورت حال پر تبصرہ کیجئے۔
3. سماجی نظام میں غلاموں کی حیثیت پر گفتگو کیجئے۔

7.9 مطالعہ کے لئے معاون کتابیں

1. آب کوثر — شیخ محمد اکرام، فرید بک ڈپو، دہلی
2. عہد وسطیٰ کا ہندوستان، حصہ اول — پروفیسر ستیش چندر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی 2003ء اردو ترجمہ: عزیز الدین حسین
3. ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک جھلک — سید صباح الدین عبدالرحمٰن، دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ 2012
4. بزم مملوکیہ — سید صباح الدین عبدالرحمٰن، دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ 1999ء
5. خلجی خاندان — کے ایس لال، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی 1998، اردو ترجمہ یسین مظہر صدیقی
6. مختصر تاریخ ہند — سید ابوظفر ندوی، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ 2006
7. "A Comprehensive History of Medieval India: Salma Ahmed Farooqui, Pearson:2011

اکائی 8 : دہلی سلطنت میں علمی خدمات اور فن تعمیر

اکائی کے اجزاء

8.1 مقصد

8.2 تمہید

8.3 علمی خدمات ۔ غلام سلاطین کے عہد میں

8.4 خلجی عہد میں علمی خدمات

4.5 تغلق دور میں علمی خدمات

8.6 لودھی عہد میں علمی خدمات

8.7 علاقائی حکومتوں میں علمی فروغ

8.8 دہلی سلطنت میں فن تعمیر

8.9 خلاصہ

8.10 نمونے کے امتحانی سوالات

8.11 مطالعہ کے لیے معاون کتابیں

8.1 مقصد

سلطنت دہلی اگر چہ غلاموں کے ذریعہ قائم ہوئی لیکن یہ غلام بذات خود اچھی تعلیم وتربیت سے آراستہ اور علمی وتعمیری ذوق رکھنے والے تھے ۔ان کے اس ذوق کا واضح اظہار دہلی سلطنت کے آغاز سے ہی نظر آتا ہے ۔قطب الدین ایبک نے حکومت کے استحکام اور عدل و امن کے قیام کے ساتھ علم کے فروغ اور فن تعمیر پر بھی پوری طرح توجہ دی، جس کی وجہ سے ہندوستان کے مختلف شہروں بالخصوص لاہور اور دہلی میں اہل علم جمع ہوتے گئے جنہوں نے تعلیم وتدریس کے حلقے قائم کیے اور تصنیف وتالیف سے دلچسپی لی ۔قطب الدین نے اہل علم کی قدر دانی کی، پھر یہی روش دیگر سلاطین دہلی کے ذریعہ اپنائی جاتی رہی، جس کے نتیجہ میں ہندوستان کے اندر علم وادب کا فروغ بہت تیزی کے ساتھ ہونے لگا اور عالم اسلام سے کھنچ کھنچ کر اہل فضل وکمال ان سلاطین کے درباروں میں جمع ہونے لگے، سلاطین کے نقش قدم پر امراء بھی چلے اور ان کے دربار بھی علم وادب کا مرکز بنتے گئے، ان سب کے نتیجہ میں یہاں مختلف موضوعات پر بیش قیمت کتابیں لکھی گئیں، مدارس اور اسکول قائم ہوئے، تعلیم و تدریس کے حلقے آراستہ ہوئے اور علم وفضلاء کے وجود سے ہندوستان کے شہر علمی عروج کے مرکز بن گئے ۔علمی فروغ صرف مسلمانوں کے ساتھ

نہیں رہا' بلکہ غیر مسلم اہل وطن کو بھی علمی ارتقاء کا حصہ بننے کے مواقع ملتے رہے اور ہندوستانی علوم میں بھی ترقی ہوئی اور تصنیفی کام انجام پائے۔

علمی فروغ کے ساتھ فن تعمیر کی جانب بھی سلاطین دہلی نے خاطر خواہ توجہ دی۔ ہندوستان میں فن تعمیر پہلے سے ہی کافی ترقی یافتہ تھا۔ مسلمان سلاطین نے اس سے استفادہ کرتے ہوئے اس میں طرح طرح کی جدتیں پیدا کیں' طرز تعمیر' نقاشی اور پختگی کے اعتبار سے اپنے نئے تجربات کیے' جو آئندہ چل کر ہند اسلامی فن تعمیر کے لیے مشہور ہوئے۔ دہلی سلطنت کے پورے دور میں فن تعمیر کے اندر بتدریج ارتقا ہوتا رہا اور تعمیر کے عمدہ اور شاندار نمونے وجود میں آئے۔ اس اکائی میں دہلی کی ان دونوں میدانوں کی خدمات کا تفصیلی مطالعہ کیا جائے گا۔ اس کے مطالعہ سے طلبہ اس بات سے آگاہ ہو پائیں گے کہ تعلیم کے میدان میں سلاطین دہلی نے کیا اقدامات کیے' تعلیم کے لیے کون سے ادارے قائم کیے گئے' کن موضوعات پر علمی تصنیفات تیار کی گئیں اور کون کون سے اہم فضلاء و ماہرین نیز کون سے مرکز ہندوستان کے شہروں کو پورے عالم کے لیے رشک بنا رہے تھے۔ اسی طرح اس اکائی کے مطالعہ کے بعد طلبہ اس بات سے بھی واقف ہو جائیں گے کہ سلاطین دہلی کی آمد سے پہلے یہاں کا فن تعمیر کس نوعیت کا تھا' مسلم حکمرانوں نے اس میں کس کس نوع کی تبدیلیاں اور اضافے کیے۔ تعمیر کے فن میں کس طرح ارتقا ہوتا گیا اور پورے عہد سلطنت میں کس قسم کی تعمیرات وجود میں آئیں اور ان کی خصوصیات کیا تھیں۔

8.2 تمہید

دہلی سلطنت کا تین سو سالہ دور علمی خدمات اور تعمیری نمونوں کے اعتبار سے زرخیز اور شاہکار دور ہے۔ اس سلطنت کے آغاز کے موقع پر عالم اسلام کے مختلف شہروں میں بڑی تباہی اور قتل و غارت گری مچی ہوئی تھی' علم کے مرکز تباہ ہو رہے تھے اور ماہرین و اہل کمال بے یار و مددگار ہو رہے تھے۔ اس موقع پر ہندوستان کے اندر دہلی سلطنت کا قیام اور وہاں علم و اہل علم کی قدر دانی ان باکمالوں کے لیے بہت بڑی نعمت تھی' چنانچہ دہلی سلطنت قائم ہوتے ہی جہاں سلاطین نے اپنے درباروں میں اہل علم کی قدر دانی کی اور علم و تعلیم کے فروغ کے لیے سہولیات بہم پہنچائیں وہیں بغداد و شام' ماوراءالنہر اور وسط ایشیا کے علاقوں سے فضلاء و علماء اور شعراء جوق در جوق دہلی اور دوسرے ہندوستانی شہروں کا رخ کرنے لگے۔ قطب الدین کے دربار سے کئی نامور شعراء اور علماء وابستہ تھے۔ التمش اور بلبن کے عہد میں تو اہل علم و کمال دربار اور شہر کی زینت تھے اور بادشاہ کے ساتھ سینکڑوں علماء رہا کرتے تھے۔ علاءالدین خلجی کے عہد میں دہلی میں علماء و فضلاء کی کثرت ہو گئی تھی جو تعلیم و تعلم کے ساتھ تصنیف و تالیف انجام دے رہے تھے۔ تغلق خاندان کے بادشاہوں نے بڑے پیمانے پر علمی قدر دانی کی' مدارس اور اسکول قائم کیے اور تصنیف کی ہمت افزائی کی' لودھی خاندان کی حکومت میں علمی قدر دانی کی روایت مضبوط رہی' اس زمانے میں ہندوؤں میں فارسی لکھنے پڑھنے کا رواج شروع ہوا اور سنسکرت کی کئی کتابیں فارسی زبان میں ترجمہ کی گئیں۔ دربار سے وابستہ شعراء اور اہل فضل کو سلاطین دہلی نے بڑے انعامات سے نوازا۔ ایبک اپنی داد و دہش اور سخاوت کی وجہ سے لکھ بخش کہلاتا تھا۔ غلام بادشاہوں کی سخاوت اور نوازش مثالی بن گئی تھی۔ خلجی' تغلق اور لودھی سلاطین نے بھی دل کھول کر خرچ کیا اور علمی فروغ کی فیاضانہ سرپرستی کی۔

فن تعمیر کے میدان میں سلاطین کی شاندار خدمات آج بھی اپنے بچے کھچے کھنڈرات اور بچی عمارتوں کے ذریعہ داستان شکوہ و عظمت سنا رہی ہیں' دہلی کا قطب مینار' مسجد قوۃ الاسلام' علائی دروازہ' حوض شمسی' بادشاہوں کے مقبرے' فیروز شاہی مدرسے' کیلوگھڑی' سپری اور تغلق آباد

کے شہر کے قلعے اور بے شمار مساجد و مدرسے فن تعمیر کے میدان میں سلاطین دہلی کی جدت کاریوں اور حسن و عظمت کے شاندار نمونے فراہم کرتے ہیں۔ ان تعمیرات میں سلاطین نے ہندوستانی کاریگروں سے مدد لیتے ہوئے عربی طرز اور اسلامی ذوق کا استعمال کیا اور ایک نئے فن تعمیر کو وجود بخشا جو ہندوستانی فن تعمیر کہلایا۔

علمی خدمات، فن تعمیر کے نمونے اور ان کی خصوصیات اس اکائی کا موضوع ہیں۔ سطور ذیل میں ان پر تفصیلی روشنی ڈالی جارہی ہے۔

8.3 علمی خدمات۔ غلام سلاطین کے عہد میں

دہلی سلطنت کے پورے دور میں علمی خدمات کی ہمہ ہمی دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ خدمات کئی طرح کی رہی ہیں۔ عموماً سلاطین نے شعراء اور علماء کی سرپرستی کی اور انہیں دربار کی زینت بنایا، یہ شعراء اپنے فن کے کمال دکھاتے، علماء اور فضلاء نے بادشاہوں سے علمی گفتگو اور مشورے جاری رکھے، نیز تعلیم کی اشاعت کی، سلاطین کی خواہش پر اور اپنے طور پر بھی کئی اہل علم نے تاریخ کی کتابیں لکھیں جس سے اس عہد کی معاصر تاریخ قلم بند ہوگئی۔ بعض امراء نے اپنی سرپرستی میں کتابیں لکھوائیں۔ اس دور میں بڑے فقہا اور علماء موجود تھے جنہوں نے تفسیر اور فقہ کے موضوعات پر قیمتی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ سلاطین نے مدارس اور اسکول بھی قائم کیے جہاں طلبہ اور اساتذہ دونوں کے لیے تعلیم اور رہائش کے بہترین انتظامات کے گئے۔ ان کے اخراجات کے لیے بڑے بڑے اوقاف خاص کیے گئے۔ سنسکرت اور فارسی زبانوں میں ان کتابوں کے ترجمے کرائے گئے جس سے استفادہ کا دائرہ وسیع ہوا۔ علاقائی زبانوں کو بھی فروغ دیا گیا اور ان میں غیر مسلم اہل فضل نے تصنیفات تیار کیں، اس طرح یہ عہد علمی اعتبار سے مالا مال نظر آتا ہے۔

8.3.1 قطب الدین ایبک کا دور

دہلی سلطنت کا پہلا بادشاہ قطب الدین ایبک ہے، جب وہ غلام تھا، قسمت نے یاوری کی اور اس نے امام ابوحنیفہ کی اولاد میں سے ایک بڑے عالم قاضی فخر الدین عبدالعزیز کوفی کے گھر میں تربیت پائی جنہوں نے اسے دینی تعلیم دی اور اپنے بچوں کی طرح تربیت سے آراستہ کیا۔ قطب الدین جب تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا تو اس نے مسلمانوں کی زندگی اسلامی اور شرعی نہج پر تشکیل دینے کی کوشش کی، اس نے غزنین اور غور کی علمی محفلیں دیکھیں تھی، دہلی میں اس نے علماء و فضلاء اور شعراء کو اپنے سایۂ عاطفت میں جگہ دی اور ان کی سرپرستی شروع کی۔ مولانا بہاؤالدین اوش اپنے زمانہ کے مشہور شاعر اور ادیب تھے، اوش ہندوستان آکر ایبک کے دامن دولت سے وابستہ ہوئے۔ جمال الدین محمد ایبک کے دربار سے وابستہ دوسرے بڑے شاعر تھے جن کے علم کی قدر دانی کی گئی۔ ایسے ہی قاضی حمید الدین ایک باکمال شاعر اور عالم و فاضل تھے جو عنایت شاہانہ سے مستفید ہوتے رہے۔ ایبک کے دور کی ایک اہم علمی شخصیت حسن نظامی نیشاپوری کی ہے۔ جنہوں نے ایبک کی خواہش پر مشہور و معروف تاریخ ''تاج المآثر'' لکھی ہے، جس میں 587ھ سے 612ھ تک کے واقعات درج ہیں۔ شہاب الدین غوری کے ہندوستان پر آخری پانچ حملوں کے ذکر سے لے کر قطب الدین ایبک کے پورے عہد اور التمش کے عہد کے ابتدائی سات برسوں کے سیاسی و جنگی واقعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ایبک اور التمش کے حالات پر یہ پہلی تاریخ ہے اور اس کا مؤلف ہندوستان کا پہلا مؤرخ ہے جس کی اصل کتاب محفوظ رہی ہے۔ ایبک کے دور کا ایک اور مشہور مورخ مبارک شاہ ہے جو عرف عام میں فخر مدبر کہلاتا ہے۔ اس نے 'بحر الانساب' کے نام سے کتاب لکھ کر

قطب الدین ایبک کی خدمت میں پیش کی' اس میں رسول اکرم ﷺ کے عہد سے لے کر مؤلف کے زمانہ تک کے شجرے قلم بند کیے گئے ہیں۔ اس میں قطب الدین کے اوائل زندگی اور حکمرانی کے واقعات درج ہیں۔

اسی سے ملتا جلتا ایک نام فخر الدین مبارک شاہ مروزی کا ہے جس کی کتاب 'تاریخ فخر الدین مبارک شاہ' کہلاتی ہے' یہ بھی اس دور کی معاصر کتاب ہے اور ایبک کے بارے میں مختصر معلومات درج ہیں۔ یہ دراصل غیاث الدین غوری کے دربار کا ایک ممتاز شاعر تھا اور 602ھ میں وفات پائی۔

عہد قطبی کے نامور فاضل اور فخر ہند شخصیت مولانا رضی الدین حسن صغانی کی ہے' جن کی کتاب 'مشارق الانوار' حدیث کی مشہور کتابوں میں سے ایک ہے اور عرصہ تک نصاب میں پڑھائی جاتی رہی' امام صغانی محدث ہونے کے ساتھ بڑے ادیب' لغوی اور مفسر و فقیہ بھی ہیں۔ ان کی عمر کا بڑا حصہ سیاحت اور عالم عرب میں گذرا' عباسی خلیفہ بغداد کا فرمان وہاں سے التمش کے پاس لائے تھے۔ وہ لاہور میں پیدا ہوئے تھے۔ قطب الدین ایبک نے انہیں لاہور کی قضا نمت پیش کی تھی۔ مختلف فنون پر انہوں نے بیسیوں کتابیں تصنیف کیں جن میں فن لغت کے اندر ایک کتاب العباب الزاخر بیس جلدوں میں اور ایک 'مجمع البحرین' بارہ جلدوں میں ہے۔

قطب الدین ایبک کا مشہور سپہ سالار محمد بختیار خلجی تھا جس نے بہار و بنگال کے علاقے فتح کیے۔ خلجی اور اس کے ساتھی امراء نے بھی اپنے مفتوحہ علاقوں میں مساجد اور مدارس قائم کیے جہاں تعلیم کی اشاعت پر توجہ دی گئی۔ قطب الدین نے علم کی اشاعت کے لیے مساجد بھی قائم کیے جہاں نماز کے ساتھ تعلیم و تدریس کے حلقے بھی لگتے تھے' مشہور قطب مینار بھی دراصل مسجد قوۃ الاسلام کا حصہ تھا۔

8.3.2 شمس الدین التمش

شمس الدین التمش عہد غلاماں کا نامور بادشاہ ہے' جس نے صحیح معنوں میں ہندوستان کے ایک وسیع حصہ پر امن و امان کے ساتھ حکومت کی۔ اس کا چھبیس 26 سالہ طویل دور ہندوستان میں مسلم حکومت کے استحکام اور علم و ادب کے روشن کارناموں کا زمانہ ہے۔ التمش ایک ثروت مند گھرانہ کا فرد تھا' لیکن بھائیوں کے حسد کا شکار ہو کر غلام بنا' اس نے بخارا اور بغداد میں غلامی کی زندگی گزاری' جہاں اسے نہ صرف اپنے آقاؤں کے علمی گھرانوں میں عمدہ تربیت ملی بلکہ بغداد کے کبار مشائخ کی خدمت اور استفادہ کے مواقع سے فائدہ اٹھاتا رہا۔ شیخ شہاب الدین سہروردی' شیخ اوحد الدین کرمانی' خواجہ معین الدین چشتی اور قاضی حمید الدین ناگوری جیسے بزرگان دین کی عنایتوں اور دعاؤں سے اس زمانہ میں وہ بغداد میں شاد کام ہو چکا تھا۔ دہلی کی بادشاہت ملنے کے بعد مشائخ دین اور علماء و فضلاء سے اس کی عقیدت اور بڑھ گئی' ان صحبتوں کا اثر تھا کہ التمش خود بھی انتہائی دیندار اور پابند شریعت بلکہ ولی مرشد تھا' خواجہ عثمان ہرونی' خواجہ معین الدین چشتی اور خواجہ بختیار کاکی سے اس کے گہرے مراسم عقیدت اور سرگرم تعلقات رہے' حوض شمسی کے لیے جگہ کا انتخاب خواجہ قطب الدین کے ہی مشورہ سے کیا جس کا پانی انتہائی شیریں نکلا تھا۔

التمش کا عہد چونکہ دہلی میں مسلم حکومت کے استحکام اور امن و امان کا دور تھا' جب کہ عالم اسلام کے دوسرے شہروں میں چنگیزی فتنہ کی قہر سامانیاں برپا تھیں' اس لیے دہلی کی طرف ہر جانب سے علماء و فضلاء آ رہے تھے' التمش نے آنے والے علماء و اہل کمال کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ان کے لیے وظائف مقرر کیے۔ ان کے علمی کاموں کی قدر اور ہمت افزائی اور علم و دین کی خدمت کے لیے ان کو سہولیات بہم پہنچائیں۔ التمش کے عہد میں مشہور بزرگ حضرت جلال الدین تبریزی دہلی آئے تو التمش نے علماء و مشائخ کی ایک جماعت کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر ان کا

استقبال کیا۔شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کو اس نے شیخ الاسلام بنایا' قاضی قطب الدین کاشانی' نورالدین مبارک غزنوی اور قاضی فخر الائمہ اس کے دربار کی زینت تھے۔قاضی حمید الدین ناگوری سے اس کو بے پناہ عقیدت تھی۔ان مشائخ کے علاوہ علماء اور فقہاء سے بھی اسے گہری عقیدت رہی اور انہیں اپنی صحبت میں رکھتا تھا۔سفر اور حضر دونوں میں علماء التمش کے جلو میں ہوتے تھے'محل کے اندر ہفتہ میں تین روز علماء کی مجلسیں ہوتیں' رمضان المبارک میں روزانہ یہ مجلس ہوتی 'جمعہ کے روز نماز کے بعد علماء اور مشائخ خاص طور پر دربار میں بلائے جاتے' یہ علما بادشاہ کو سلطان کے فرائض سے آگاہ کرتے اور علمی مشورے دیا کرتے تھے۔ التمش ہی کے دربار سے مشہور مورخ' قاضی اور فقیہ مولانا منہاج الدین سراج وابستہ ہوئے' وہ شاہی خیمہ میں وعظ کہتے تھے'التمش نے انہیں کوالیار کا قاضی وخطیب اور تمام امور شرعی کا نگراں مقرر کیا تھا۔مؤرخین نے لکھا ہے کہ التمش کے دربار میں ارباب فضل وکمال اس قدر جمع ہو گئے تھے کہ کہیں اس کی کوئی مثال نہ تھی۔ان علماء میں بعض درس وتدریس کے لیے مشہور تھے۔ التمش نے ان کے لیے دہلی میں متعدد مدرسے قائم کیے' دہلی کا مشہور مدرسہ معزی اسی بادشاہ کا قائم کردہ ہے جسے اس نے معز الدین (شہاب الدین غوری) کی یاد کے لیے قائم کیا تھا۔بدایوں میں اپنی اقطاع کے زمانے میں بھی التمش نے اس نام سے ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔دہلی میں ایک دوسرا مدرسہ ناصریہ کے نام سے قائم ہوا تھا جسے التمش نے اپنے مرحوم بیٹے ناصرالدین کے نام پر بنایا تھا۔التمش کے اپنے نام پر بھی ایک مدرسہ تھا جس کی بوسیدہ عمارت کی تعمیر ومرمت فیروز شاہ نے اپنے زمانہ میں کرائی۔

التمش کے دربار سے وابستہ شعراء میں خواجہ ابونصر ناصری' بخارا کے مشہور شاعر وفلسفی امیر روحانی تاج الدین ریزہ اور شہاب الدین مہرہ نامور اہل کمال تھے۔التمش کا وزیر فخر الدین عصامی خود بڑا فاضل شخص تھا' وہ بغداد کے دربار خلیفہ میں تیس برس کام کر چکا تھا۔پھر اس کی جگہ نظام الملک محمد جنیدی وزیر مقرر ہوا جو اپنے تدبر اور علم وفضل کے علاوہ علم دوستی اور علم پروری کے لیے بھی اس عہد میں امتیازی حیثیت رکھتا تھا' خود اس کا دربار بھی علماء وفضلاء اور شعراء سے مزین رہا کرتا تھا۔التمش کے ایک امیر بہاءالدین علی کا شمار بھی اہل علم واہل ذوق میں ہوتا تھا اور اس کا دربار بھی شعراء کی سرپرستی کے لیے مشہور تھا۔

فخر الدین مبارک شاہ جو فخر مدبر کے نام سے معروف ہے'التمش کے دربار سے وابستہ رہا' اس نے بحر الانساب یا سلسلہ الانساب لکھ کر قطب الدین ایبک کو پیش کی تھی' اس کی دوسری کتاب آداب الحرب والشجاع ہے' جسے اس نے التمش کے نام پر معنون کیا تھا۔یہ فارسی زبان میں فنون جنگ پر بہترین کتاب ہے۔اسی عہد کے ایک نامور اہل علم مؤید جرجامی ہیں' جنہوں نے امام غزالی کی مشہور تصنیف احیاء علوم الدین کا فارسی میں ترجمہ کر کے التمش کے نام منسوب کیا' قاضی منہاج سراج نے اپنی کتاب طبقات ناصری میں ذکر کیا ہے کہ التمش کے دور میں علم وادب کی جو ترقی شروع ہوئی وہ آئندہ برابر بڑھتی ہی چلی گئی۔

شمس الدین التمش نے اس بات کی بھی کوشش کی بیرون ہندوستان سے اچھی کتابیں منگوائی جائیں اور ملک کے علمی خزانہ کو مالا مال کیا جائے۔بلبن کے بیٹے بغرا خان نے اپنے بیٹے کیقباد کو نصیحت کرتے ہوئے بتایا تھا کہ میرے والد نے اتالیق کو حکم دیا تھا کہ آداب السلاطین اور مآثر السلاطین جیسی کتابیں جو سلطان شمس الدین التمش کے بیٹوں کے لیے بغداد سے لائی گئی تھیں' ہم لوگوں کو پڑھائی جائیں۔دراصل التمش نے اپنے بیٹے محمود کی خاطر خواہ تعلیم کے لیے علاحدہ انتظام کر رکھا تھا۔اس نے اپنی بیٹی رضیہ سلطان کی تعلیم وتربیت کے لیے بھی بڑا اہتمام کیا تھا جس کی وجہ سے وہ انتہائی تعلیم یافتہ اور قابل حکمراں ثابت ہوئی تھی۔

عہد شمسی میں صوفیہ کرام نے بھی تصنیفی کاموں سے دلچسپی لی' چنانچہ خواجہ اجمیری کے خلیفہ سلطان التارکین شیخ حمید الدین ناگوری کے مکتوبات فن انشاء میں مشہور ہیں' ان ہی کی اصول الطریقہ اور سرور الصدور نامی کتابیں ہیں' اسی نام کے ایک اور بزرگ قاضی حمید الدین ناگوری تھے جو شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید تھے اور دہلی آ کر خواجہ بختیار کاکی کے عقیدت مندوں میں شامل ہوئے اور سماع کے بڑے دلدادہ تھے' ان کی کتاب طوالع الشموس مشہور ہے' ان کی ایک کتاب رسالہ عشقیہ ہے جس میں عشق الٰہی کے مضامین بیان ہوئے ہیں۔

8.3.3 خاندان التمش کے دوسرے بادشاہ

1236ء میں التمش کی وفات کے بعد دس برسوں تک ملک میں سیاسی بدانتظامی رہی' التمش کے بعد کچھ عرصہ کے لیے اس کا بیٹا رکن الدین فیروز سلطان بنا' اس کا دور اگرچہ نا کام تھا' لیکن اس نے بھی علم و ادب سے دلچسپی لی' مشہور شاعر تاج الدین سنگریزہ اس کے عہد میں دبیر الملک کے منصب پر فائز تھا' مولانا شہاب الدین مہر ہ جیسے نامور شاعر بھی جن کو امیر خسرو نے اپنا استاد بنایا تھا۔ فیروز کے دربار سے منسلک رہے' سلطان فیروز کے حکم سے امام رازی کی عربی کتاب مکتوم کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ فیروز کا زمانہ حکومت صرف سات ماہ رہا۔

پھر التمش کی بیٹی رضیہ سلطان تخت سلطنت پر بیٹھی' فرشتہ کا بیان ہے کہ وہ خود بھی قرآن اور دوسرے علوم میں دستگاہ رکھتی تھی اور علماء وفضلاء کی سرپرست رہی۔ دہلی کے مدرسہ ناصریہ کا اہتمام اسی نے قاضی منہاج الدین سراج کو سپرد کیا تھا۔ انہوں نے طبقات ناصری میں رضیہ کو عالم نواز کے لقب سے یاد کیا ہے۔

رضیہ کے بعد اس کا بھائی بہرام شاہ تخت نشین ہوا جس نے دو سال سے کچھ زائد حکومت کی' وہ مولانا قاضی منہاج سراج کا معتقد رہا اور ان کو دہلی اور تمام مملکت کا قاضی مقرر کیا۔ اس عہد کے ایک ممتاز عالم قاضی جلال الدین کاشانی تھے' جنہیں بہرام نے دہلی کی قضاءت سے معزول کر دیا تھا۔ بہرام کے بعد علاء الدین مسعود شاہ بادشاہ بنا جس نے چار برس حکومت کی۔ اس نے قاضی جلال الدین کاشانی کی قدر دانی کی' مولانا منہاج عہدۂ قضاء سے علاحدہ ہو گئے۔ ناصر الدین محمود کے زمانہ میں بلبن نے ان کی قدر دانی کی اور پرانے عہدہ پر مامور کرتے ہوئے مدرسہ ناصریہ کے اوقاف کا متولی اور گوالیار کا قاضی مقرر کیا۔

ناصر الدین محمود التمش کا چھوٹا بیٹا تھا۔ بڑا نیک نفس و صالح اور سلیم الطبع تھا' اس میں اولیاء اللہ کے اوصاف تھے' علاء الدین مسعود کے بعد وہ تخت سلطنت پر بیٹھا اور بلبن کو تمام کاروبار سلطنت حوالہ کر کے خود گوشہ نشین ہو گیا۔ وہ صرف دربار میں آتا اور پھر محل میں جا کر عبادت اور قرآن کی کتابت میں مصروف ہو جاتا۔ بائیس برس کی حکومت میں وہ درویشانہ زندگی گزارتا رہا' سلطان کو بابا فرید الدین گنج شکر سے بڑی عقیدت تھی۔ علماء و فضلاء سے وہ تعلق خاطر رکھتا تھا۔ مولانا منہاج الدین سراج حضر و سفر میں اس کے ساتھ رہتے تھے۔ سلطان نے ان کو صدر جہاں اور پھر قاضی دہلی اور تمام مملکت کا قاضی القضاۃ بنایا۔ مولانا منہاج الدین نے اپنی مشہور تاریخ طبقات ناصری ختم کر کے اسی بادشاہ کی خدمت میں پیش کی اور اسی کے نام پر اس کا نام طبقات ناصری رکھا' بادشاہ نے بھی نہایت قدر دانی میں اپنی چادر اتار کر ان کو دیدی اور بڑے انعامات سے نوازا۔ طبقات ناصری کا آمد تاریخ ہے۔ اس میں 23 طبقات ہیں جن میں ابتدائے عالم سے لے کر 1261 تک کے تاریخی واقعات ہیں' دہلی سلطنت کے قطب الدین ایبک سے ناصر الدین محمود تک سلاطین دہلی اور ان کے امراء کے حالات اخیر کے ابواب میں بیان ہوئے ہیں۔ دہلی کے غلام سلاطین پر تاج المآثر اور طبقات ناصری دو معاصر کتابیں ہیں۔ مؤلف بلبن کی تخت نشینی کے وقت زندہ تھے' لیکن

تاریخ 658 مطابق 1260 پر ختم کردی ہے۔ مولانا ضیاءالدین برنی نے اپنی تاریخ عہد بلبن سے شروع کی ہے۔

ناصرالدین محمود کے زمانے میں ہی قاضی عمادالدین محمد بن اسماعیل اشنور قانی ایک بڑے فقیہ اور جید عالم تھے۔ انہیں سلطان مسعود کے زمانے میں قاضی ممالک کے منصب پر فائز کیا گیا تھا' ناصرالدین محمود کے عہد میں 646 تک وہ اس عہدہ پر مامور رہے تھے۔ ان کی ایک قیمتی کتاب صنوان القضاء وعنوان الافتاء ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں قضاء کے آداب اور مسائل کے موضوع پر ہے اور اس موضوع پر ہندوستان میں لکھی جانے والی پہلی کتاب ہے۔ مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی قاضی شریعت امارت شرعیہ پٹنہ نے اس کی تحقیق کر کے چار جلدوں میں طبع کرایا ہے۔ قاضی جلال الدین کاشانی بھی اس عہد کے ممتاز عالم تھے جنہیں قاضی اشنور قانی کے بعد 647 میں سلطان ناصرالدین محمود نے قاضی ممالک کے عہدہ پر فائز کیا تھا۔ قاضی شمس الدین بہرائچی بڑے صاحب فضل وکمال تھے' سلطان محمود نے انہیں دہلی کا قاضی بنایا تھا' وہ بادشاہ کے کاموں میں بھی مشیر بنے رہے۔ مولانا جمال الدین بسطامی کو سلطان نے شیخ الاسلام بنایا تھا اس عہدہ پر وہ چار سال رہ کر وفات پا گئے۔ مولانا قطب الدین بھی اس عہد کے نامور عالم تھے' وہ بہرام شاہ کے زمانے میں شیخ الاسلام رہ چکے تھے۔ سلطان کے دربار کے شعراء میں مولانا منہاج الدین اور عمید الدین سنامی خاص طور پر ذکر کے قابل ہیں۔

8.3.4 غیاث الدین بلبن

سلطان غیاث الدین بلبن سلاطین دہلی میں اپنی شان وشوکت اور عظمت و دبدبہ کے لیے سب سے زیادہ نمایاں اور ممتاز ہے' بلبن کو التمش نے خرید کر تربیت دی تھی اور اپنے چالیس امراء میں شامل کیا تھا۔ ناصرالدین محمود کے زمانے میں یہ قاضی ممالک بنا اور بیس برس تک اس عہدہ پر رہ کر ناصرالدین کے نام سے تخت حکومت کرتا رہا۔ محمود کی وفات کے بعد بلبن ہی تخت نشین ہوا اور مزید بیس برس پوری شوکت وشان کے ساتھ حکومت کی۔ اس کا نظریہ تھا کہ نبوت کے بعد خلق کی خدمت کا سب سے بڑا ذریعہ بادشاہت ہے۔ بادشاہ کے مقام کو اس نے بہت اونچا کر دیا۔ وہ خود بھی اس مقام کے آداب کی بے انتہا رعایت کرتا تھا۔ بلبن کے طویل دور میں دہلی سلطنت امن وامان کی آماجگاہ رہی' چنگیزی فتنہ کو اس کے عہد میں دہلی پر حملہ کی جرأت نہ ہو سکی۔ اسی وجہ سے دوسرے علاقوں سے بڑی تعداد میں شہزادے اور علماء وفضلاء اس کے دربار میں اور ہندوستان میں آ گئے تھے۔ بلبن کے دربار میں پندرہ شہزادے پناہ گزیں تھے۔ اور ان شہزادوں کے ساتھ بھی کافی تعداد میں علماء وفضلاء اور ارباب کمال آ گئے تھے۔ بلبن نے ان ارباب کمال اور علماء وفضلاء کی بڑی قدر دانی کی۔ وہ خود بھی عالم وفاضل تھا اور اس کی طبیعت پر مذہبی رنگ غالب تھا۔ التمش کے شاہی دربار میں وہ صلحاء کی صحبت اور فقہاء وعلماء کی مجلسوں سے مستفید ہوتا تھا۔ خواجہ نظام الدین اولیاء نے اس کی راسخ العقیدگی اور عبادت کی تعریف کی ہے۔

بلبن کو مشائخ میں بابا فرید گنج شکرؒ سے عقیدت تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی ایک بیٹی بابا صاحب کی عقد میں تھی۔ وہ مشائخ اور علماء کی بے حد تعظیم کرتا تھا اور حصول برکت کے لیے ان کے گھر جایا کرتا تھا' وہ ہر جمعہ کو نماز کے بعد مشائخ کے مزاروں کی زیارت کے لیے جاتا۔ اس کے دور میں اتنے مشائخ جمع ہو گئے تھے کہ مورخین نے اس عہد کو خیر الاعصار کہا ہے۔ بابا فرید گنج شکر' خواجہ علی چشتی' شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی' ان کے صاحبزادے شیخ صدرالدین' شیخ بدرالدین غزنوی' شیخ ابوالمؤید' شیخ نظام الدین اولیاء' شیخ جمال الدین ہانسوی' خواجہ علاءالدین علی بن احمد صابر' شیخ حسام الدین ملتانی' شیخ نجیب الدین فردوسی اور شیخ ابوبکر طوسی وغیرہ سے پورا ملک منور ہو گیا تھا۔

ان مشائخ کے علاوہ فضلاء وعلماء بھی بڑی تعداد میں اس دور میں جمع ہو گئے تھے۔ بلبن نے ان علماء اور ارباب کمال کو علاحدہ علاحدہ محلوں میں آباد کیا تھا اور ان کی بھرپور سرپرستی کی تھی جس سے اس عہد میں علم وفن کی بڑی رونق ہو گئی تھی۔

بلبن ہمیشہ علماء اور مشائخ کے جلو میں رہتا تھا' وہ علماء کے بغیر کھانا نہیں کھاتا تھا' اس کا دسترخوان مذہبی مذاکرے کی مجلس میں منتقل ہو جاتا تھا' وہ شاہی جلال کے باوجود علماء کے گھروں پر بے تکلف جاتا' کسی عالم کا انتقال ہو جائے تو جنازہ میں شریک ہوتا اور تعزیت کے لیے گھر جاتا۔ ان کے عزیزوں کے وظیفے مقرر کرتا۔ کہیں وعظ کی مجلس ہوتی رہتی تو سواری سے اتر کر عام لوگوں کے ساتھ وعظ سننے بیٹھ جاتا۔ بلبن کے دور میں مشہور علماء میں ایک مولانا برہان الدین محمود بلخی تھے جو صاحب ہدایہ شیخ برہان الدین مرغینانی کے شاگرد تھے۔ ان سے ہی ہندوستان میں ہدایہ کو رواج ملا' علامہ نجم الدین دمشقی فلسفہ کے عالم اور امام فخر الدین رازی کے شاگرد تھے۔ شیخ سراج الدین ابوبکر فقہ واصول فقہ اور عربی ادب کے بڑے عالم تھے۔ مولانا شرف الدین والوالجی درس فقہ کے لیے مشہور تھے۔ مولانا برہان الدین بزاراور قاضی رکن الدین سامانوی بھی اس دور کے مشہور فقیہ تھے۔ مولانا کمال الدین زاہد بڑے زاہد و متقی عالم تھے۔ ان سے ہی شیخ نظام الدین اولیاء نے مشارق الانوار پڑھی تھی۔ مولانا شمس الدین خوارزمی یگانہ عصر تھے' دہلی کے تمام اساتذہ ان کے شاگرد تھے' ان کے تین چہیتے شاگردوں میں مولانا قطب الدین ناقلہ مولانا برہان الدین عبدالباقی اور شیخ نظام الدین اولیاء تھے۔ بلبن نے ان کو شمس الملک کا خطاب دے کر سلطنت کا مستوفی الملک (آڈیٹر جنرل) مقرر کیا تھا۔ مولانا فخر الدین ناقلہ فقہ واصول اور عربی ادب کے بڑے ماہر تھے۔ بلبن نے ان کو صدر جہاں بنایا تھا۔ اسی طرح قاضی رفیع الدین قارزونی، قاضی شمس الدین' قاضی جلال الدین کاشانی' قاضی سدید الدین اور قاضی ظہیر الدین وغیرہ بھی اس عہد کے بلند پایہ عالم اور منصب قضاء پر فائز اصحاب تھے۔

بلبن نے تعلیم کی ترویج سے بے حد دلچسپی لی' درس کے لیے مشہور فقہاء کے لیے تعلیم وتدریس کا انتظام کیا۔ دہلی کے دو مدارس مدرسہ معزیہ اور مدرسہ ناصریہ کے اخراجات شاہی خزانے سے پورے کیے جاتے تھے۔

اس عہد میں امراء کے دربار بھی علم وفضل کے مراکز بن گئے تھے' بالخصوص بلبن کے بیٹے خان محمد کا ملتان میں دربار بے مثال تھا۔ جہاں فضلاء وشعراء کا مجمع رہتا تھا اور شعر وادب کے علمی نکات پر گفتگو ہوتی تھی۔ خان محمد کے دربار سے امیر خسرو جیسی عظیم شخصیت اور امیر حسن جیسے ماہر فن شاعر وابستہ تھے' شہزادہ خود بھی شعر وادب کا بڑا پاکیزہ ذوق رکھتا تھا' اس نے ایک بیاض شعری تیار کی تھی جس میں اپنے ذوق کے مطابق بیس ہزار اشعار منتخب کیے تھے۔ اس انتخاب پر امیر خسرو اور امیر حسن سجزی بھی داد دیتے تھے۔ شہزادہ محمد کی علمی سرپرستی کی شہرت بیرون ملک پہنچی ہوئی تھی۔ دہلی کے شاہی دربار سے بھی کئی فضلاء سلطان محمد کے دربار ملتان سے وابستہ ہو گئے تھے۔ شہزادہ نے ان کو جاگیریں دے کر اپنی قدردانی کا ثبوت دیا۔ سلطان محمد اس بات کی کوشش کرتا کہ بیرون ملک کے ارباب کمال اس کے دربار میں آئیں' وہ لاہور میں خود شیخ عثمان ترمذی کی خدمت میں حاضر ہوا جو تو ران کے بڑے جید عالم تھے اور انہیں اپنے یہاں قیام کرنے کی بہت منت سماجت کی۔ اس نے دو مرتبہ شیخ سعدی کی خدمت میں شیراز قاصد بھجوا کر ان کو ملتان آنے کی دعوت دی اور تحائف کے ساتھ سفر خرچ بھیجا۔ بلبن کے دوسرے بیٹے شہزادہ بغرا خان کے یہاں بھی ادب کی مجلسیں قائم ہوتی تھیں جہاں ماہرین موسیقی' ارباب نشاط اور مغنیوں کا اجتماع رہتا تھا۔ اس کے درباری شعراء میں شمس الدین دبیر اور قاضی اثیر کے علاوہ ایک زمانے میں امیر خسرو اور حسن سجزی بھی رہتے تھے۔ ان امراء کی تقلید میں ایسے علمی جلسے ہر محلّہ اور آبادی میں

منعقد ہونے لگے تھے۔

علاء الدین کشلی خان جو بلبن کا بھتیجہ تھا' وہ بھی اہل علم کا قدر داں اور فیاض تھا۔اس کے دربار کی شہرت سن کر مصر و شام' روم و بغداد' خراسان و ترکستان اور ماوراءالنہر سے شعراء آتے اور انعام و اکرام سے مالا مال ہو کر یہاں سے واپس جاتے۔امیر خسرو سب سے پہلے اسی امیر کشلی خان کے دربار سے وابستہ ہوئے تھے۔اسی طرح امیر علی سرجاندار بھی علمی قدر دانی کے لیے مشہور امیر تھا اور کثرت سے سخاوت و فیاضی کرتا تھا۔بلبن کے دربار کا ایک اور امیر ملک الامراء فخر الدین جو دہلی کا کوتوال تھا اہل علم کی سرپرستی اور علمی سخاوت و فیاضی کے لیے مشہور تھا۔اس کے یہاں ہزاروں افراد قرآن کی تلاوت کے لیے متعین رہتے تھے۔امیر خسرو کی شہرت و عظمت کا آغاز اسی دور سے ہوتا ہے۔شہزادہ محمد کی شہادت کے بعد خسرو گوشہ نشین ہو گئے' کیقباد کی تخت نشینی کے بعد جب بغرا خان اور کیقباد کی ملاقات ہوئی تو اس موقع پر خسرو موجود تھے اور کیقباد کی خواہش پر اس تاریخی ملاقات کو انہوں نے منظوم کیا اور قران السعدین کے نام سے تین ہزار نو سو چوالیس اشعار کی ایک مثنوی لکھی۔بادشاہ نے ان کو اپنا ندیم خاص بنالیا تھا اور ان کے لیے روزینہ مقرر کر دیا تھا۔ان کی شعری تصانیف غزلوں اور مثنویوں پر مشتمل ہے' تحفۃ الصغر' غرۃ الکمال' وسط الحیوۃ' بقیہ نقیہ اور نہایت الکمال' اسی طرح خمسہ اہم دیوان ہیں۔

معلومات کی جانچ:

1. حسن نظامی نیشاپوری کی تصنیف کا کیا نام ہے؟
2. طبقات ناصری کس کی تصنیف ہے؟
3. امیر خسرو کس شاہزادہ کے دربار سے وابستہ تھے؟

8.4 خلجی عہد میں علمی خدمات

8.4.1 جلال الدین خلجی

خلجی عہد کا آغاز جلال الدین فیروز خلجی سے ہوتا ہے' جلال الدین خلجی خود عمدہ علمی ذوق رکھتا تھا۔وہ خود شاعر تھا اور شعر و شاعری سے دلچسپی رکھتا تھا' وہ علم و ہنر کا بڑا قدر داں رہا۔جلال الدین خلجی کے ہم نشینوں میں ممتاز ارباب علم ہوئے جو اکثر اس کی نجی مجلسوں میں شریک رہتے۔امیر خسرو اس کی مجلس میں ہر روز نئی نئی غزلیں لاتے اور بادشاہ ان غزلوں کو خوب پسند کرتا اور انعامات سے نوازتا۔جلال الدین نے امیر خسرو کو اپنے شاہی کتب خانہ کا کتاب دار مقرر کیا تھا۔وہ بادشاہ ہونے سے پہلے بھی امیر خسرو کا قدر داں رہا تھا۔اس نے خسرو کو اپنا مصحف دار بھی بنایا تھا اور امیر کا خطاب دے کر سفید کمر بند لگانے کی اجازت دی تھی جو صرف شاہی خاندان کے لیے مخصوص تھا۔جلال الدین کے ہم نشینوں میں امیر خسرو کے علاوہ تاج الدین عراقی' خواجہ حسن' معید دیوانہ' امیر ارسلان قلی' اختیار الدین یاغی اور باقی خطیر وغیرہ رہے۔جن میں سے بعض نے شاعری اور تاریخ پر کتابیں تصنیف کی۔جلال الدین خلجی کے عہد میں سدی مولہ کے قتل کا واقعہ پیش آیا' یہ بابا فرید گنج شکر سے وابستہ اور نیک بزرگ تھے' اس عہد میں سعد الدین علم منطق کے بڑے جید عالم تھے۔

8.4.2 علاءالدین خلجی

جلال الدین کے بعد علاءالدین تخت نشین ہوا۔ یہ ان پڑھ تھا لیکن جلد ہی اس نے اپنی کمی کا احساس کر کے ضروری حد تک پڑھنا سیکھ لیا۔ اور اس کے سامنے علمی مذاکرے ہونے لگے۔ وہ اپنے زمانے کے مشہور علماء خصوصا قاضی مولانا کہرامی اور قاضی مغیث الدین کے ساتھ لطف و کرم سے پیش آتا۔ علاءالدین کا دور اہل علم اور ارباب کمال کی کثرت کے لیے ممتاز ہے، مولانا عبدالحق حقی نے لکھا ہے کہ: سلطان علاء الدین کے عہد میں دہلی علماء و فضلاء کا بہت بڑا مرکز بن گیا تھا۔ مسجدیں، مدرسے، حمام، مقبرے، قلعے اور ہر قسم کی عمارتیں اس طرح تعمیر ہوئیں کہ جیسے کسی نے جادو کیا ہے اور فضلاء کا مجمع ایسا ہوا جو کہ کسی زمانے میں نہیں ہوا۔ علوم و فنون کے 45 ماہرین درس و تدریس میں مشغول تھے۔ دربار علائی سے وابستہ شعراء میں امیر خسرو، امیر حسن، صدرالدین علی، فخر الدین خواص، حمید الدین راجہ، مولانا عارف، عبدالحکیم اور شہاب الدین صدر نشین وغیرہ تھے۔ ان سب کو دربار سے وظائف ملتے تھے۔ اس دور کے مؤرخین میں امیر ارسلان کلاہی اور کبیر الدین فرزند تاج الدین عراقی ہیں جس نے فتوحات علائی پر کتاب لکھی تھی، جس کا نام فتح نامہ ہے۔ ان کے علاوہ امیر خسرو اور ضیاءالدین برنی بھی اس دور کے بڑے مورخین میں ہیں نثر نگاروں میں عین الملک ملتانی کا تعلق دربار علائی سے ہے جس کی انشائے ماہرو شستہ نثر میں ممتاز مقام رکھتی ہے۔

8.4.3 مقامی زبانوں میں علمی خدمات

خلجی خاندان کی حکومت چالیس برس رہی۔ اس زمانے میں علم و ادب کو بھی سب سے زیادہ رونق حاصل ہوئی۔ اوپر ذکر کی گئی کتابوں کے علاوہ اس دور میں ملفوظاتی ادب بھی سامنے آیا، چنانچہ شیخ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات کو امیر خسرو نے افضل الفوائد کے نام سے، حسن سنجری نے فوائد الفواد کے عنوان سے اور شیخ نصیر الدین چشتی نے مفتاح العاشقین کے نام سے جمع کیا، خواجہ محبوب الٰہی کے ایک شاگرد امیر خورد نے ان کی حیات سیر الاولیاء کے نام سے لکھی۔

دور علائی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں سنسکرت اور دوسری مقامی زبانوں میں بھی تصنیفی کام انجام پائے۔ سارنگ دھر نے کاویہ اور ہمیہ راسد تصنیف کیا، جن میں رنتھمبور پر علاءالدین کے حملہ کے وقت ہمیہ دیو کے مدافعانہ اور جان نثارانہ انجام کو بیان کیا گیا ہے۔ اس نے سنسکرت نغموں کی ایک بیاض دھر پدھتی کے نام سے مرتب کی تھی۔ اس دور کا ایک مشہور شاعر بھوپتی تھا۔ نلا سنکھ اور رملا داؤد بھی اس دور کے شعراء ہیں۔ امیر خسرو نے بھی ہندی میں شاعری کی تھی۔ اس دور میں گجرات میں گجراتی ادب، بنگال میں بنگالی ادب اور جنوبی ہند کے علاقوں میں علاقائی ادب پر بھی کام ہوئے۔

8.5 تغلق دور میں علمی خدمات

تغلق دور حکومت دہلی سلطنت میں عروج اور زوال دونوں کی داستان لیے ہوئے ہے۔ غیاث الدین تغلق اور محمد بن تغلق کے دور میں حکومت حسب سابق مضبوط و متحد اور وسیع رہی۔ چنانچہ اس زمانے تک دیگر میدانوں کی طرح علم و ادب کے میدان میں ترقیاں ہوتی رہیں، لیکن فیروز تغلق کا دور آتے آتے دہلی کی وسیع سلطنت میں بکھراؤ شروع ہو گیا تھا اور ایک مضبوط مرکزی سلطنت کے کئی بازو علاحدہ ہو گئے۔ دہلی سلطنت کی مرکزی حکومت باقی رہی، لیکن متعدد علاقائی حکومتیں وجود میں آ گئیں، ان میں ملتان، گجرات، بنگال اور جنوب میں دکن کی حکومتیں زیادہ

مشہور تھیں۔نئی قائم ہونے والی حکومتیں کچھ مسلم تھیں اور کچھ ہندو۔اس تبدیلی سے جہاں مرکزی حکومت کا دائرہ سکڑ گیا وہیں نئے علاقائی مراکز قائم ہوگئے اور ایک دہلی کے بجائے کئی شہروں میں علم وفن اور ادب وشاعری کی آبیاری ہونے لگی اور اس سے علاقائی زبانوں کو بھی فروغ ملا' لیکن اس کے باوجود دہلی میں علم وادب کی محفل سونی نہیں ہوئی' بلکہ اس کی شان وشوکت اور بڑھتی گئی' بالخصوص فیروز تغلق کے زمانے میں شرعی علوم میں تصنیف اور مدارس کے قیام کے بڑے اہم کام انجام پائے۔

8.5.1 غیاث الدین تغلق

علاء الدین کا دور جیسا کہ گذشتہ سطور میں لکھا گیا علم وادب کی بہار کا دور تھا' دہلی اور دوسرے شہروں میں علماء وفقہاء اور مشائخ اس کثرت سے جمع ہوگئے اور تعلیم وتصنیف کے کام اس طرح انجام پا رہے تھے کہ دہلی بغداد و بخارا کے لئے قابل رشک بن گیا تھا۔لیکن علاء الدین کی وفات کے بعد ملک کافور قطب الدین مبارک خلجی' اور غاصب خسرو خان کا دور علم وتہذیب کے لیے ایک مصیبت ثابت ہوا۔اہل علم بکھر گئے اور اہل اسلام کے لیے مصائب شروع ہوگئے اور غیاث الدین تغلق بڑی نازک صورت حال میں برسر اقتدار ہوا اور اس لحاظ سے وہ اسلامی ہندوستان کی مایہ ناز ہستیوں میں شمار ہونے کے لائق ہے۔وہ ملتان کا گورنر تھا جہاں منگولوں کی روک تھام اس کے ذمہ تھی اور اس نے 29 دفعہ تاتاریوں سے مقابلہ کر کے ان کو شکست دی تھی جس کی وجہ سے غازی ملک کے لقب سے مشہور ہوا تھا۔غیاث الدین تغلق ایک متدین اور احکام شریعت کا پابند شخص تھا' تخت نشین ہونے کے بعد مذہبی بدعنوانیوں کی اصلاح کی اور بیت المال کو استوار کیا۔اس ضمن میں اس نے حضرت سلطان المشائخ سے بھی وہ رقم دریافت کی جو غاصب خسرو نے اپنی حمایت حاصل کرنے کے لیے دوسروں کے علاوہ انہیں بھی بھجوائی تھی' لیکن سلطان المشائخ نے وہ رقم اس وقت خیرات کر دی تھی۔

غیاث الدین تغلق کے عہد میں تعلیمی ترقی کی راہیں وسیع ہوئیں۔سلطان ارباب علم وفضل کا گرویدہ تھا' انہیں اپنے دربار میں مدعو کرتا اور ان کے لیے وظائف جاری کرتا۔اس کا عہد بہت مختصر رہا۔بنگال کے سفر سے واپسی میں دہلی کے قریب ایک حادثہ میں وہ جاں بحق ہوگیا۔سلطان غیاث الدین تغلق اگرچہ علم وفضل کا قدرداں تھا لیکن اس کے دور میں لائق ارباب علم اتنے نہ تھے جتنے عہد علائی میں تھے۔مشائخ بھی اس قدر نہ تھے' دہلی کی آخری عظیم بزرگ شخصیت سلطان المشائخ محبوب الٰہی نے بھی سلطان کی وفات کے کچھ عرصہ بعد انتقال کیا۔سلطان غیاث الدین کی وفات سے اسلامی حکومت کی انتہائی وسعت کا زمانہ ختم ہوگیا۔

8.5.2 محمد بن تغلق

محمد بن تغلق اعلیٰ درجہ کا عالم وفاضل اور متعدد خوبیوں کا حامل شخص تھا۔قرآن مجید کا حافظ' نماز وروزہ کا پابند' بہترین خطاط' ساحر البیان خطیب' عربی وفارسی میں اعلیٰ خطوط لکھنے والا' اور جدت پسند تھا۔اس کا حافظہ بھی بڑا عجیب وغریب تھا جو کچھ پڑھتا اس کو تاریخ کے ساتھ یاد رکھتا' کئی کتابیں اس کو زبانی یاد تھیں' طب' منطق' ہیئت اور ریاضی میں بھی بڑی مہارت رکھتا تھا۔یونانی فلسفہ کا بھی مطالعہ کر رکھا تھا' علماء وفضلاء سے مذاکرے کیا کرتا تھا' ارباب علم ودانش کو دلائل سے قائل کرتا۔اشعار میں گہرے معانی اور نئی نئی تشبیہات واستعارات پیدا کرتا کہ لوگ دنگ رہ جاتے۔اپنی ان خوبیوں کے ساتھ وہ فیاضی اور غربا پروری کے لیے بھی مشہور تھا۔اس کی فیاضی کی شہرت سن کر ارباب فضل دہلی آتے اور انعامات

سے سرفراز ہو کر واپس جاتے' لیکن وہ اس کے ساتھ ساتھ تند خو اور وہمی مزاج رکھتا تھا۔ جس کی وجہ سے علمی ماحول پر برا اثر پڑا۔ اس نے دہلی کی جگہ دولت آباد کو دارالخلافہ بنانا چاہا اور اس کے لیے انتہائی شدت سے کام لیا' جس کے نتیجہ میں دہلی کی علمی محفلیں اجڑ گئیں اور تعلیمی ادارے و مدارس خالی ہو گئے' گو کہ بعض مؤرخین کے مطابق محمد تغلق اس تبدیلی کے ذریعہ دیوگیر کو اسلام کا مرکز بنانا چاہتا تھا تا کہ وہاں سے اسلام کی شعاعیں دکن کے گوشہ گوشہ میں پہنچ سکیں اور اس کا یہ فیصلہ تبلیغ اسلام کی شعوری کوشش تھی۔ محمد بن تغلق نے اپنے منصوبہ کو کامیاب نہ پا کر دوبارہ دہلی کو دارالخلافہ بنایا۔ اس بار بار تبدیلی کا بے حد نقصان ہوا' لیکن سلطان کا ذوق علمی تھا' اس کے دربار میں شروع سے آخر تک علمی معیار اونچا رہا۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس کے دربار میں عربی فارسی اور ہندوستانی زبانوں کے ایک ہزار لائق شعراء تھے۔ اس کے دسترخوان پر دو دو سو علماء ہوتے اور وہ ان سے علمی مذاکرے کرتا۔

محمد بن تغلق کے دربار میں آنے والے نامور اہل علم میں القاموس کے مصنف علامہ مجد الدین' مولانا شمس الدین یحیی' شیخ عبدالعزیز الاردوبلی جو علامہ ابن تیمیہ کے شاگرد رہ چکے تھے' موجود تھے۔ مشائخ میں شیخ نصیرالدین چراغ دہلی مشائخ چشتیہ کی یادگار تھے۔ اسی بادشاہ کے زمانے میں مشہور سیاح ابن بطوطہ دہلی آیا۔ محمد بن تغلق نے اسے دہلی کا قاضی مقرر کیا تھا اور کچھ عرصہ بعد اسے سفیر بنا کر چین بھیجا۔ مشہور مورخ ضیاءالدین برنی بھی اس دور میں موجود تھا۔ وہ سلطان کا ندیم خاص مقرر ہوا تھا۔ شعراء میں ملک الشعراء بدر چاچ تھا جس کی سلطان نے بڑی قدر کی اور فخر الزماں کا خطاب دیا' مولانا معین الدین عمرانی بڑے فقیہ تھے' جنہوں نے فقہ و اصول کی کئی کتابوں جیسے کنز' منار' حسامی وغیرہ پر حواشی لکھے تھے۔ ضیاء نخشبی بھی اس عہد کے نامور فاضل ہیں' جنہوں نے سلک السلوک اور طوطی نامہ لکھی۔ یہ طوطی نامہ سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ ہے۔ اس عہد کا ایک اور مشہور مؤرخ عصامی ہے جس نے 12 ہزار اشعار کی ایک مثنوی فتوح السلاطین لکھی جس میں غزنویوں' غوریوں' خاندان غلاماں' خاندان خلجی اور خاندن تغلق کے پہلے دو بادشاہوں کی فتوحات اور واقعات زندگی نظم کیے ہیں۔

8.5.3 فیروز تغلق

فیروز تغلق اپنے رفاہی کاموں' عوامی فلاح و بہبود اور علم و دین کی خدمت کے شاندار کارناموں کی وجہ سے ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی صف اول میں رکھے جانے کے لائق ہے۔ جس طرح اس نے سلطنت کی مادی خوشحالی پر توجہ دی۔ تعلیم و ثقافت کے فروغ پر بھی خاطر خواہ توجہ دی۔ خود اس کی تعلیم بھی اعلیٰ درجہ پر ہوئی تھی' چنانچہ اس نے خود ایک کتاب فتوحات فیروز شاہی تصنیف کی۔ اس کے دربار میں ضیاء الدین برنی اور شمس سراج عفیف جیسے بڑے مؤرخ تھے۔ ان دونوں کی کتابیں تاریخ فیروز شاہی کے نام سے موجود ہیں۔ فیروز شاہ نے علماء و فضلاء کی پذیرائی کے لیے خاص اہتمام کر رکھا تھا' چنانچہ ایک خاص محل صرف علماء سے ملاقات کے لیے بنوایا تھا۔ فیروز تغلق نے ہزاروں غلاموں کو جمع کر لیا تھا جن میں ایک بڑی تعداد کو تعلیم اور درس سے لگا رکھا تھا' کچھ غلام قرآن کی تلاوت کرتے اور حفظ کرنے میں مشغول رہتے۔ کچھ مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرتے اور کچھ کتابوں کی نقلیں تیار کرتے۔ اس نے علم کے فروغ کے لیے باضابطہ قانون بنایا تھا اور سلطنت کے مختلف حصوں میں علماء و فضلاء کو آباد کیا تا کہ وہ لوگوں میں تعلیم کی اشاعت کریں۔ اس نے پرانے فرمانرواؤں کی عمارتوں کی مرمت کرائی جن میں مسجدیں اور مدارس کی بھی ازسرنو مرمت کرائی اور ان کے اوقاف مقرر کیے چنانچہ' خود اس نے 40 مسجدوں اور 30 مدرسوں کا ذکر کیا ہے۔

فیروز شاہ نے ایک مدرسہ فتح خاں کے مقبرہ کے پاس بنوایا تھا۔ دوسرا مدرسہ فیروز آباد میں بنوایا تھا جو مدرسہ فیروز شاہی کہلاتا تھا' وہ اپنی

علمی شہرت اور تعمیری دلآویزی میں تمام مدارس میں ممتاز تھا' مولانا جلال الدین رومی اسی مدرسے میں درس دیتے تھے ۔اس مدرسہ کو دیکھنے کے لیے دور دراز کے علاقوں سے سیاح آتے تھے' مدرسہ کے اساتذہ اور تمام طلبہ کے لیے روزینے مقرر تھے ۔اچھے طلبہ کو وظیفہ دیا جاتا تھا۔

فیروز شاہ تغلق کے دور کے تین بڑے عالم مولانا احمد تھانیسری' مولانا خواجگی اور قاضی عبدالمقتدر دہلوی تھے ۔مشائخ میں شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کی فیروز شاہ نے بڑی قدر کی' بلکہ اس کی تخت نشینی میں شیخ چراغ دہلی کی کوششوں کا دخل رہا' شیخ صدر الدین ملتانی اسی دور میں شیخ الاسلام تھے ۔اس عہد کے شعراء میں قاضی عابد' مسعود بک' ظہیر دہلوی' حمید قلندر' امیر احمد اور سب سے معروف و مشہور رہے تھے ۔

فیروز تغلق کے عہد میں فقہ کو خاص طور سے فروغ حاصل ہوا اور فقہ کے موضوع پر کتابیں لکھی گئیں' ان میں فقہ فیروز شاہی مشہور ہے' جو یعقوب مظفر کرانی نے تصنیف کی تھی ۔ایسے ہی ایک کتاب فوائد فیروز شاہی ہے' جسے شرف محمد عطائی نے تصنیف کیا تھا' فیروز شاہ کا ایک صاحب علم امیر تاتارخاں تھا' اس نے فقہ کی ایک اہم مبسوط کتاب فتاوی تاتارخانیہ تیار کرائی' جسے مولانا عالم بن علاء حنفی نے تیار کر کے امیر کے نام سے منسوب کیا ۔اس امیر نے علماء کی ایک جماعت کے ذریعہ تفسیر میں بھی ایسی ہی ضخیم کتاب تیار کرائی ۔حضرت چراغ دہلی کے ایک مرید مولانا رکن الدین نے 30 ہزار اشعار پر مشتمل ایک فقہی کتاب طرفۃ الفقہاء لکھی تھی ۔

فیروز شاہ کے عہد میں سنسکرت کی کئی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ ہوا ۔جن میں دلائل فیروز شاہی قابل ذکر ہے ۔اس دور کے مشائخ میں شیخ شرف الدین یحییٰ منیری بھی ہیں ۔جن کے مکتوبات کا مجموعہ مکتوبات صدی اور مکتوبات دوصدی کے نام سے موجود ہے' عہد تغلق کا ایک مشہور ادیب عین الملک ملتانی ہے' جس کی انشاء ماہر و مشہور رہے ۔

معلومات کی جانچ:

1. فوائد الفواد کس بزرگ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے؟
2. ابن بطوطہ کو کس سلطان نے دہلی کا قاضی بنایا تھا؟
3. فتوحات فیروز شاہی کس کی تصنیف ہے؟

8.6 لودھی عہد میں علمی خدمات

لودھی خاندان کی حکومت افغان حکمراں بہلول لودھی نے قائم کی تھی اور اپنی ہمت و محنت کے ذریعہ ختم ہوتی دہلی سلطنت میں ایک بار پھر روح پھونک دی ۔سید خاندان کی حکومت کے زمانہ میں دہلی سلطنت میں صرف آس پاس کے کچھ گاؤں رہ گئے اور سبھی جگہوں کے حاکم آزاد ہو گئے تھے ۔بہلول نے اپنی 38 برس کی مضبوط حکمرانی میں مقامی سرداروں کو قابو میں کیا اور دہلی کی عظمت اور اسلام کی شوکت پھر سے قائم کر دی' اس کا زیادہ وقت جنگوں میں گذرا ۔اس لیے وہ دوسرے میدانوں میں زیادہ کام نہ کر سکا' وہ اچھے کردار کا انسان' غریبوں کے لیے رحم دل اور سختی سے عدل گستری کرنے والا تھا ۔بہلول لودھی فضلاء کی محبت کا شوق رکھتا تھا اور ان کو انعامات دے کر علم کی قدر دانی کرتا تھا ۔اس نے کچھ مدارس بھی قائم کئے ۔اور ایسا امن و مان قائم کیا جس سے علم و ادب کی ترقی ہوئی ۔بہلول کے بعد اس کا بیٹا نظام خاں تخت سلطنت پر بیٹھا جس نے

سکندر لودھی کا لقب اختیار کیا۔ لودھی حکومت میں یہ فرمانروا بڑی خوبیوں کا مالک، متدین بے حد انصاف پرور اور بڑا عالم و فاضل ہوا ہے۔ اس کا دور عوام کی خوشحالی کے لیے بڑا زریں دور ہے۔ اس عہد میں غلہ کی فراوانی ہوگئی تھی اور اشیاء کی قیمتیں بے حد ارزاں ہوگئی تھیں۔ اس نے غلہ پر سے سارے محصولات ختم کر دیئے۔ زراعت کو بڑی ترقی دی۔ غرباء کی فہرست تیار کر کے ان کے لیے چھ مہینے کا سامان فراہم کراتا، اس نے کوشش کی کہ کوئی کام خلافت شریعت نہ ہو، اس کی عدل نوازی کے قصے بہت مشہور ہیں۔

سکندر لودھی خود بھی بڑا فاضل اور عالم تھا، علماء کے ساتھ صحبت رکھتا تھا، ان سے مذہبی مناظرے کیا کرتا تھا، اس نے علوم و فنون کی فیاضیانہ سرپرستی کی۔ اس کے دسترخوان پر جید قسم کے علماء و فضلاء ساتھ ہوتے۔ سلطان خود بھی ایک اچھا شاعر تھا اور گلرخ تخلص استعمال کرتا تھا۔ اس کے دیوان میں آٹھ ہزار اشعار ہیں۔ سکندر لودھی نے اپنا دارالسلطنت آگرہ منتقل کر دیا تھا۔ وہاں عرب، ایران، بخارا اور ہندوستان کے دوسرے شہروں کے علماء و فضلاء اس کی قدردانی کی وجہ سے جمع ہوگئے تھے۔ سکندر کے علمی ذوق اور علم کی اشاعت کے شوق کا یہ عالم تھا کہ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ تمام فوجی عہدیدار بھی تعلیم یافتہ ہوں، اس طرح اس کے دور میں فوجی فنون سپہ گری کے ساتھ علمی قابلیت بھی رکھتے تھے۔

سکندر لودھی کے عہد کا ایک اہم علمی کارنامہ یہ ہے کہ اس دور میں ہندوؤں نے فارسی سیکھنی شروع کی۔ پہلے ہندو فارسی لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ سکندر لودھی نے انہیں ترغیب دی اور اس کی ترغیب پر کائستھوں نے فارسی سیکھی اور سرکاری عہدے حاصل کرتے گئے۔ اس سے دونوں قوموں کے باہمی روابط کو فروغ ملا اور ہندوؤں نے مسلمانوں کے علوم کا خود ان کی زبان میں مطالعہ شروع کیا۔ اس عہد میں سنسکرت کی کتابوں کا کثرت سے فارسی میں ترجمہ ہوا۔ سلطان نے ترجمہ کی ترغیب دی اور اس کی ہمت افزائی کی۔ سلطان کی فرمائش پر بہت سی کتابیں فارسی میں ترجمہ کی گئیں۔ طب پر سنسکرت کی ایک اہم کتاب ارگا مہابیدک ہے اس کا فارسی میں ترجمہ کرایا گیا اور طب سکندری نام رکھا گیا، موسیقی کی کتابوں کا بھی فارسی میں ترجمہ ہوا۔

علم و فن کی سرپرستی میں سلطان سکندر لودھی کے ذوق و شوق کا اثر اس کے امراء پر بھی تھا، چنانچہ اس کے متعدد امراء بھی علمی فیاضی میں بہت پیش پیش رہتے تھے۔ اس کے عہد میں ملتان سے دو بڑے عالم شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ دہلی آئے جنہوں نے درس و تدریس کے معیار کو بہت بلند کیا۔ مولانا رفیع الدین شیرازی محدث شیراز سے آئے، ملک العلماء مولانا عبداللہ اس کے دربار سے وابستہ تھے، جنہوں نے فتوی دیا تھا کہ ہندوؤں کی ایک قدیمی عبادت گاہ کو گرانا خلاف شرع ہے اور ہندوؤں کے اشنان کی قدیم رسم بند کرنا جائز نہیں ہے۔ عہد سکندری کی ایک اہم علمی شخصیت شیخ جمال کی ہے، جن کی تصنیف سیر العارفین مشائخ کے تذکرہ میں ہے، ان ہی کے صاحبزادہ شیخ گدائی ہیں جو عہد اکبری کے شیخ الاسلام ہوئے۔

8.7 علاقائی حکومتوں میں علمی فروغ

دہلی سلطنت میں عہد تغلق کے اندر جب مرکزی حکومت کمزور ہوئی اور علاقائی حکومتیں قائم ہوگئیں تو اس کا ایک مثبت پہلو یہ سامنے آیا کہ اب ہندوستان کے کئی شہروں میں علم و فن اور ادب و شاعری کی سرپرستی ہونے لگی۔ اب ایک دہلی کی جگہ کئی شہر علم و ادب کے مراکز بن گئے۔ وہاں تصنیفی کام انجام پائے۔ بڑے بڑے ارباب فن اور اہل علم ان درباروں سے وابستہ ہوئے۔ وہاں علمی ادارے اور مدارس قائم ہوئے، تعلیم

وتدریس کا فروغ ہوا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ علاقائی زبانوں کو فروغ ملا اور ان زبانوں میں بھی علمی کام انجام پانے شروع ہوئے۔

ان علاقائی حکومتوں میں سے علم وفن کے حوالے سے چند حکومتیں بڑی اہم رہی ہیں' دکن میں بہمنی سلطنت قائم ہوئی اور گلبرگہ اور بیدر کو مرکزیت حاصل ہوئی۔ اس حکومت میں شیخ خواجہ گیسودرازؒ جیسے بزرگ تشریف لائے جنہوں نے اردو ادب کی ابتدائی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ آپ کی کتاب معراج العاشقین اسی دور کی یادگار ہے۔ فیروز شاہ بہمنی بڑا عالم وفاضل اور اہل علم کا قدرداں رہا ہے محمود گاواں اور اس کے مدرسے کی شہرت آج بھی باقی ہے۔ بہمنی سلطنت کے زوال کے بعد قائم ہونے والی پانچ سلطنتوں میں سے گولکنڈہ کی قطب شاہی اور بیجاپور کی عادل شاہی حکومتوں میں بڑے اہم علمی کام انجام پائے اور جنوب کی متعدد علاقائی زبانوں کو بڑا فروغ ملا محمد قاسم فرشتہ کی مشہور کتاب گلشن ابراہیمی' ابراہیم عادل شاہ کی طرف ہی منسوب ہے' جو تاریخ فرشتہ کے نام سے مشہور ہوئی۔

جونپور کی شرقی حکومت بھی علمی ترقی اور مدارس کے قیام کے لیے مشہور حکومت رہی ہے۔ جونپور کے مدرسہ میں ہی شیر شاہ سوری نے تعلیم پائی تھی۔ بڑے بڑے علماء وفضلاء' شعراء اور مشائخ شرقی حکومت کی شاہانہ عنایتوں سے مستفید ہوتے رہے تھے۔ علمی شہرت اور معیار کی وجہ سے جونپور کو شیراز ہند کہا جانے لگا تھا' قاضی شہاب الدین دولت آبادی (مشہور تصنیف پدماوت کا مصنف) جیسے فاضل اسی حکومت سے وابستہ رہے' سلطان ابراہیم شرقی کا دور علم وادب کے حوالے سے یادگار ہے۔

گجرات کی مسلم حکومت نے صنعت وحرفت اور تعمیرات کے ساتھ علم وادب کی بھی سرپرستی کی گجرات حکومت کے زیر سایہ متعدد شہروں میں اسلامی علوم کو ترقی ہوئی اور یہ علاقہ دہلی اور آگرہ پر سبقت لے جانے لگا۔ بنگال نے اسی دور میں علمی اعتبار سے ترقی کی' بنگال کے مسلم حکمرانوں نے بنگالی ادب کو بھی بڑا فروغ دیا۔ علاءالدین حسین شاہ نے بھگوت گیتا کا ترجمہ بنگالی میں کرایا اور اس کے بیٹے نصرت شاہ نے مہابھارت کا ترجمہ کرایا۔ اس طرح دیگر علاقائی حکومتوں میں بھی علم وادب اور فنون کی سرپرستی ہوئی اور علمی خدمات کے دائرے وسیع ہوئے۔

8.8 دہلی سلطنت میں فن تعمیر

8.8.1 تمہید

دہلی سلطنت کے کارناموں میں ایک اہم کارنامہ تعمیرات اور اس کا فن بھی ہے۔ مسلم سلاطین نے امن وامان' استحکام' عدل وانصاف' خوشحالی وفارغ البالی اور تعلیم وتمدن کے ساتھ تعمیرات سے بھی دلچسپی لی اور دہلی سلطنت کے پانچوں خاندانوں کی حکومتوں میں اس میدان میں نئے نئے تجربات کیے جاتے رہے۔ سلاطین دہلی کے یہ تعمیراتی کارنامے آج بہت کچھ مٹ چکے ہیں۔ لیکن جو کچھ باقی ہیں وہ اپنی عظمت وشوکت' نقش آرائی اور پختگی وحسن کے جلوے دکھانے کے لیے کافی ہیں' ان ہی نمونوں کو سامنے رکھ کر عہد سلطنت کے فن تعمیر کے نقوش کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ شاہان دہلی نے اپنی ان خدمات کے تذکرے اپنی اور اپنے مؤرخوں کی تصنیفات میں کرائے ہیں۔ ان سے بھی عہد سلطنت کی تعمیرات اور ان کے طرز وصنعت پر روشنی پڑتی ہے۔

دہلی سلطنت کے فن تعمیر میں خاص بات یہ ہے کہ پورے تین سو برس کی مدت میں یہ فن مسلسل ارتقاء پذیر رہا' ہر بعد والے دور میں پہلے کی بہ نسبت کچھ نئے خیالات' نئے نقش ونگار' نئے طرز وانداز اور نئی اشیاء کے استعمال کو روبہ عمل لایا جاتا رہا۔ سلاطین اور ان کے امراء نے نہ

صرف اپنے پیش روؤں کی خدمات کو سراہا اور ان کے نقش قدم پر چلے' بلکہ اپنے ذوق وجدت طرازی کا استعمال کر کے اپنی علاحدہ شناخت بھی بنائی۔

سلاطین دہلی کی تعمیرات مختلف مقاصد کے لیے استعمال ہوتی رہی ہیں' انہوں نے مذہبی مقاصد سے لے کر مقبرے' فوجی اہمیت کے قلعے' تعلیم گاہیں' محل' دروازے' منارے' شہر اور اس کی دیواریں' حوض اور سرائے وغیرہ متعدد قسم کی عمارتیں تعمیر کیں' گو کہ ان عمارتوں کے مقاصد استعمال مختلف تھے' لیکن انہوں نے ان سب میں اپنے طرز تعمیر کے نقوش ثبت کیے ہیں۔

مسلم حکمراں جب ہندوستان آئے تو وہ اپنے ساتھ مختلف فنون کے ماہرین کو نہیں لائے تھے' چنانچہ ابتداء میں انہوں نے ہندوستانی ماہرین کی خدمت سے فائدہ اٹھایا۔ فن تعمیر میں بھی مستری اور کاریگر ہندوستانی تھے' جو ہندوستان کے فن تعمیر سے آشنا تھے' سلاطین دہلی نے انہیں کے ذریعہ اپنے اسلامی ذوق اور عربی انداز کی آمیزش کرتے ہوئے تعمیراتی کام انجام دیے۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ عالم اسلام کے شہروں سے ماہرین فن بھی ہندوستان آنے لگے۔ بغداد و بخارا اور سمرقند کی تباہی سے بھی بہت سے اہل فن نے ہندوستان کا رخ کیا' ان علاقوں سے آنے والے شاہی خاندان کے شہزادوں کے ساتھ بھی ان سے وابستہ اہل کمال اور ماہرین فن دہلی آئے' ان ماہرین اور اہل فن کے ذریعہ دہلی کے طرز تعمیر میں نئے نئے تجربات کیے گئے اور یوں فن تعمیر میں ارتقا ہوتا رہا۔

8.8.2 عہد غلاماں میں فن تعمیر

ہندوستان فن تعمیر میں پہلے سے ترقی یافتہ تھا۔ شمال اور جنوب میں بڑے بڑے مندروں کی عمارتیں اور ان کے نقش و نگار بلکہ اجنتا اور ایلورا کے غاروں کی تعمیر اور نقاشی اس کی روشن مثالیں تھیں۔ جب قطب الدین ایبک نے دہلی سلطنت کی بنیاد رکھی اور شمالی ہندوستان کے علاقوں کو فتح کیا تو اس کے سامنے ہندوستانی عوام کی شاندار تعمیرات موجود تھیں۔ یہاں کی عوام کے ذہنوں میں اپنی سلطنت کی عظمت کا نقش قائم کرنے کے لیے یہ مناسب تھا کہ بلند و بالا اور پرشکوہ عمارتوں کی تعمیر کی جائے۔ قطب الدین ایبک نے اس کے لیے مسجد قوۃ الاسلام کی بنیاد رکھی اور اس کے اذان خانہ کے طور پر عظیم الشان قسم کا مینارہ بنوایا۔ یہ منارہ جواب قطب مینار کہلاتا ہے۔ دراصل مسجد کا اذان خانہ تھا' مسجد بڑی وسیع و عظیم بنانے کا منصوبہ تھا اور مینار کی تعمیر میں اس نے اپنے اسلامی ذوق اور عظمت و شکوہ کے اظہار کو سمویا تھا۔ اس مینارہ کی تعمیر میں زیادہ تر یہیں کے کاریگر جیسے مستری اور سنگ تراش استعمال کیے گئے۔ مسلم دنیا میں مینار اس سے قبل موجود تھے لیکن یہ مینار کچھ انفرادیت رکھتا تھا' اس کی اونچائی 71.4 میٹر رکھی گئی۔ بعد میں اس کی اوپر کی ایک منزل گر گئی تھی اور فیروز تغلق نے اس کی مرمت کروا کے ایک منزل کا اور اضافہ کرا دیا تھا۔ قطب مینار بلند تخیل کے ساتھ اور بہت عمدہ طریقہ پر بنایا گیا تھا۔ اس کے چھجے (بالکونی) اس کی خوبصورتی میں اضافہ کرتے ہیں جو اس میں ابھرے اور باہر نکلے ہوئے ہیں۔ قطب مینار کی پہلی منزل پر آیت قرآنی لا اکراہ فی الدین (دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے) کندہ ہے۔ پورے مینار کو بہترین نقاشی سے آراستہ کیا گیا ہے۔

شمس الدین التمش نے ایبک کے کاموں کو آگے بڑھایا۔ اس نے مسجد قوۃ الاسلام کی توسیع کرائی اور شمال' جنوب اور مشرق کی سمتوں میں مسجد کے اندر اضافہ کر دیا جس سے یہ مسجد تین گنی ہو گئی۔ اس نے قطب مینار میں بھی اضافہ کرایا۔ التمش نے اجمیر میں ڈھائی دن کا جھونپڑا تعمیر کرایا' بدایوں میں مسجد اور دوسری عمارتیں بنوائیں۔ اس نے خود اپنا مقبرہ بنوایا جو مربع شکل کی عمارت تھا اور چاروں کونوں پر ہشت پہل کی شکل

دے کر گنبد تعمیر کیا گیا تھا' اندرونی دیواروں پر متاثر کن نقاشی کی گئی تھی جس میں خطاطی کے اندر ہندوستان کی گل کاری کی آمیزش کی گئی تھی ۔ یہ گویا ہندو مسلم روایات کے آپسی امتزاج کا نشان تھا۔

بلبن کے دور میں وسط ایشیا سے آئے ہوئے مسلم ماہرین فن' ریاضی داں اور ماہرین تعمیرات سے بھی استفادہ کیا گیا چنانچہ بلبن کے مقبرہ میں محراب میں فنی اعتبار سے زیادہ پختگی نظر آتی ہے' اس میں محراب کو دونوں طرف ابھرے چھجے یا منڈیر جیسے پتھروں پر براہ راست ابھارا گیا ہے اور ہندوستان میں پہلے سے رائج طریقہ ترک کیا گیا ہے جس میں پتھر پر پتھر رکھ کر فاصلے کم کرتے جاتے تھے اور پھر اوپر ایک پتھر کی سل رکھ کر اسے ڈھک دیتے تھے۔

8.8.3 خلجی دور میں فن تعمیر

علاءالدین خلجی کے عہد سے مسلم فن تعمیر کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے' بلبن کے زمانہ میں بیرونی حملوں کی روک تھام اور اندرونی استحکام پر زیادہ توجہ ہونے کی وجہ سے تعمیرات پر توجہ زیادہ نہ ہوسکی ۔ علاءالدین خلجی کے دور میں اس میدان میں ترقیاں ہوئیں اور بہت زیادہ عماراتی کام ہوا ۔ علاءالدین نے سیری میں اپنا پایہ تخت تعمیر کرایا جو قطب سے کچھ کیلومیٹر کے فاصلہ پر تھا ۔ اب اس کے نشان ناپید ہو چکے ہیں ۔ علاءالدین نے قطب مینار سے دوگنا اونچا ایک اور مینار تعمیر کرانا چاہا لیکن اس کا یہ منصوبہ پورا نہیں ہوسکا' البتہ اس نے قوۃ الاسلام میں داخلہ کا ایک دروازہ بنوایا جو علائی دروازہ کہلاتا ہے ۔ اسے نئے اصول پر بنایا گیا تھا جو ہندوستان میں اپنے طرز کی پہلی عمارت تھی ۔ اس کی صنعت اور آرائش جاذب فکر و نظر ہے ۔ نقادوں کے مطابق علائی دروازہ مسلمانوں کی ابتدائی تعمیرات کا بہت ہی حسین اور مکمل نمونہ ہے ۔ اس دروازہ میں ایک مربع شکل کی عمارت ایک ہشت پہل میں تبدیلی ہوگئی ہے جس پر گنبد کا انحصار ہے ۔ دروازہ کی اندرونی دیواریں بہت ہی مرصع نقش و نگار سے مزین ہیں اور ان میں عمدہ نفاست برتی گئی ہے ۔

علاءالدین آخری سلطان ہے جس نے غلام عہد کے سلاطین کے فن تعمیرات کو برقرار رکھا۔

8.8.4 تغلق دور میں فن تعمیر

غیاث الدین تغلق کے دور میں طرز تعمیر کے اندر نقاشی اور نقش نگاری کو چھوڑ کر سادہ انداز اختیار کرلیا گیا' انتہا درجہ کی سادہ تعمیرات کا نیا اسٹائل اس نے پیدا کیا' جس کا نمونہ تغلق آباد کا قلعہ ہے ۔ اس قلعہ کی بنیاد ایک بلند پہاڑی پر ہے' اس کی چاروں طرف خندق ہے' قلعے میں چاروں طرف برج' فصیل' مینارے اور دروازے دیے گئے ہیں ۔ اس کی شکل نیم مخمسی ہے ۔ اس نئے طرز کی مثال ملتان میں غیاث الدین تغلق کا مقبرہ ہے ۔ جو ہشت پہل ہے' اس کے مختلف زاویوں میں برج بنے ہیں ۔ غیاث الدین تغلق کا یہ مقبرہ مشہور بزرگ شیخ رکن الدین ملتانی کو دے دیا گیا تھا' کیونکہ سلطان کی وفات اچانک دہلی میں ہوگئی تھی۔

محمد تغلق نے تعمیرات سے دلچسپی لی' اس کی تعمیرات میں دولت آباد کا قلعہ' شہر جہاں پناہ' دہلی کا لال گنبد اور غیاث الدین کا مقبرہ وغیرہ ہیں ۔ محمد تغلق نے طرز تعمیر اور اس کے تصور میں کچھ تبدیلی کی' اس نے مقبرہ کے سوگوارانہ ماحول کو ختم کیا ۔ مقبرہ کو جھیل کے درمیان بنایا اور گنبد اور دیواروں کے نقش و نگار کے ذریعہ دیکھنے والوں کے لیے ایک اچھا منظر فراہم کیا ۔ لال گنبد میں بھی اس نے نقش و نگار کے ذریعہ خوبصورتی پیدا

کی۔

محمد تغلق کا سب سے اہم تعمیراتی کارنامہ دولت آباد کا قلعہ ہے۔اس قلعہ میں حربی فن تعمیر کا بہترین استعمال کیا گیا ہے'اور محمد تغلق نے اپنی جدت پسندی اور بلند خیالی کا عکس دکھایا ہے۔قلعہ کو ایک ایسی پہاڑی پر بنایا گیا جہاں تک پہنچنے کا راستہ بہت پیچ وخم کے ساتھ لے جایا گیا۔ تا کہ ایک چھوٹی فوج بھی دیر تک دشمن کا مقابلہ کر سکے اور ہر طرف سے دشمن پر حملہ کرنا ممکن ہو۔روزنوں کی تعداد زیادہ رکھی گئی'پھر قلعے کے دو حصے بنائے گئے۔اوپر کی منزل فوجیوں کے لیے تھی'اور اسے نیچے کی منزل سے علاحدہ کر دیا گیا'اور اوپر کی منزل کا راستہ نیچے کی منزل سے علاحدہ کر کے زمین دوز اس طرح اوپر لے جایا گیا تھا کہ اگر دشمن نیچے کی منزل پر قبضہ کرے تو اوپر کی فوج کو مقابلہ میں دشواری نہ ہو۔پھر زمین دوز راستوں کے بالائی حصہ پر ایک آہنی آنگیٹھی رکھی گئی تھی'جس میں حملہ کے وقت آگ جلادی جاتی تو اس کے دھویں اور شعلوں سے حملہ آور آگے نہیں بڑھ سکتے تھے۔

محمد تغلق کے بعد فیروز شاہ تغلق بادشاہ ہوا تو غیاث الدین تغلق کے آسان اسٹائل کی طرف متوجہ ہوا'اس کی عمارتوں میں بڑی سادگی اور نشیب آ گیا۔اس کی تعمیر میں اس کا مقبرہ اور قلعہ ہے جو فیروز شاہ کوٹلہ کہلاتا ہے۔اس کے علاوہ اس نے بہت سی قدیم عمارتوں'مسجدوں اور مقبروں کی مرمت کرائی اور ان میں ترمیم واضافے کرائے'فیروز شاہ کا مدرسہ بھی اس کی تعمیر کا نمونہ ہے۔اس نے اس کے علاوہ کثرت سے نہریں جاری کیں'کنویں کھدوائے'مسجدیں اور خانقاہیں بنوائیں'نئے شہر بسائے'حمام تیار کرائے'شفاخانے بنوائے'ہزاروں باغ لگوائے'جن سے اچھی آمدنی بھی ہونے لگی۔فن تعمیر میں کسی جدت کے بجائے اس کی توجہ رفاہ عام'زراعت کی ترقی اور لوگوں کی بہبود پر رہی۔

فیروز شاہ کی عمارتوں میں پتھروں پر گچ یا چونے کے مسالے کی ایک بڑی سی تہہ چڑھائی جاتی تھی'جس پر سفید پتائی کی جاتی تھی۔یہ طریقہ بعد میں بھی رائج رہا۔فیروز کی عمارتوں میں سجاوٹ میں کنول نظر آتا ہے۔

فیروز کے وزیر خان جہاں تلنگی نے بھی عمارتیں بنوائیں۔البتہ اس نے مسجدوں کی تعمیر میں جدت کی'جہاں پناہ کی کھڑکی مسجد اور نظام الدین کی کالی مسجد میں مسقف چبوترہ بنوا کر اس کے کھلے ہوئے حصوں کو چار صحنوں میں تقسیم کر دیا تا کہ اندر جانے والے لوگ دھوپ اور تپش اور بارش سے بچ سکیں۔اس کا مقبرہ چھوٹا اور ہشت پہل ہے۔مقبرہ کی یہی شکل بعد میں مدتوں تک اپنائی جاتی رہی ہے۔

8.8.5 سادات اور لودھی عہد میں فن تعمیر

سادات سلاطین کے زمانہ میں بڑے پیمانے پر مقبرے تعمیر ہوئے'ان میں سائز کا اضافہ ہوا'رنگ وزینت میں اضافہ کیا گیا'اور فرش اور دیواروں کو مزین کیا گیا۔ان عمارتوں میں بہترین قسم کے میناروں'چھتریوں اور بڑے گنبدوں کا اضافہ کیا گیا۔

لودھیوں کے زمانے میں زینت وآرائش میں اور اضافہ ہوا'رنگین ٹائل کا استعمال کیا گیا'انہیں اونچے چبوتروں پر اٹھایا گیا۔جس سے وہ عالیشان نظر آنے لگیں۔کچھ مقبروں کو باغات میں تعمیر کیا گیا۔لودھی گارڈن اسی کی مثال ہے۔اس دور میں ایک نیا طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ گنبد دوہرے بنائے گئے'سکندر لودھی کے مقبرے میں یہ فن پوری طرح اختیار کیا گیا ہے'اس میں اوپر اور نیچے گنبد ہوتے'اوپر کے گنبد کی اونچائی زیادہ رکھی جاتی اور نیچے کا گنبد اتھلا بنایا جاتا'اس کا فائدہ یہ تھا کہ اوپر کا گنبد زیادہ اونچا رکھنا آسان ہو گیا۔بعد میں یہی طریقہ عام عمارتوں میں

استعمال ہونے لگا۔

8.8.6 ہند اسلامی فن تعمیر

فن تعمیر کا یہ طرز جس میں ہندوستانی طرز کی آمیزش کرتے ہوئے اسلامی ذوق و رجحان کو برتا گیا' ہند اسلامی فن تعمیر کہلایا۔ مسلم سلاطین نے اپنی عمارتوں میں ہندوستان کے کئی اسٹائل اور بالخصوص نقاشی میں گل و بوٹے وغیرہ استعمال کیے۔ پھر ہندو مندروں میں مسلم طرز تعمیر سے متاثر ہو کر وسیع گنبد اور درباروں میں زیبائش و آرائش کے ملتے جلتے انداز اختیار کیے گئے۔ علاقائی حکومتوں کی تعمیرات میں اسی طرز کے اندر علاقائی اثرات بھی شامل ہوتے گئے' اور نئے نئے انداز کی عمارتیں بنیں۔

اس طرح سلاطین دہلی نے فن تعمیر کے میدان میں اپنے اعلیٰ ذوق' بلند خیالی اور وسیع تصور کے ساتھ اسلامی آہنگ کو شامل کر کے عمدہ و پختہ تعمیرات کی لافانی یادگاریں چھوڑی ہیں۔

8.9 خلاصہ

دہلی سلطنت کے بادشاہوں نے علم کے فروغ اور تعمیرات دونوں سے دلچسپی لی۔ پہلا بادشاہ قطب الدین ایبک خود تعلیم یافتہ اور اہل علم کا قدر داں تھا' صلحاء اور شعراء کی اس نے سرپرستی کی' مولانا بہاؤالدین اوش جیسے عالم اور جمال الدین محمد اور قاضی حمید الدین جیسے شعراء اس کے دربار سے جڑے رہے' حسن نظامی نیشاپوری نے تاج المآثر ایبک کی خواہش پر لکھی۔ مشہور مؤرخ فخر مدبر نے بحر الانساب ایبک کو پیش کی' مولانا رضی الدین حسن صغانی مشہور مؤلف کتاب مشارق الانوار بھی اس دور میں تھے' جنہیں ایبک نے لاہور کی قضا ئت پیش کی تھی۔

التمش کے دور میں بغداد اور دوسرے اسلامی شہروں کی تباہی سے بڑی تعداد میں علماء و فضلاء دہلی آ گئے تھے۔ التمش نے ان کی بے حد قدر افزائی کی' اور ان کے لیے وظائف مقرر کیے۔ التمش نے علم کے فروغ کے لیے مدرسہ معزیہ اور مدرسہ ناصریہ قائم کیا اور طلبہ و اساتذہ کے لیے اوقاف مقرر کیے۔ اس نے بغداد وغیرہ سے عمدہ کتابیں ہندوستان منگوائیں۔ التمش اکثر اہل علم کی صحبت میں رہتا اور علماء و صلحاء سے عقیدت مندانہ استفادہ کرتا تھا۔ مشہور مؤرخ قاضی منہاج سراج اس کے دربار سے وابستہ تھے۔ ابونصر ناصر' امیر روحانی' تاج الدین ریزہ اور شہاب الدین مہرہ معروف شاعر تھے۔ فخر مدبر نے فنون حرب پر آداب الحرب و اشجاع لکھ کر التمش سے منسوب کی۔ اس کے دور میں جلال الدین تبریزی دہلی آئے۔ بہاء الدین زکریا ملتانی کو شیخ الاسلام بنایا' نور الدین مبارک غزنوی کا مشہور وعظ التمش کے دربار میں ہوا۔ التمش اپنے محل کے اندر بھی علمی محفلیں منعقد کرتا تھا۔

بلبن کے زمانے میں علماء و فقہاء کثرت سے دہلی آ گئے تھے جنہوں نے علم کی اشاعت پر توجہ دی' ایسے علماء کی طویل فہرست ہے جن کی قدر دانی بلبن کرتا تھا اور اپنے دسترخوان پر انہیں شامل کرتا تھا۔ اس دور میں مشائخ کبار بھی متعدد تھے جن سے بلبن کے گہری عقیدت مندانہ مراسم تھے۔ بابا فرید گنج شکر سے اس کو گہری عقیدت تھی۔ بلبن کے بیٹے خان محمد کے دربار سے امیر خسرو اور امیر حسن جیسے شعراء وابستہ تھے۔

جلال الدین خلجی خود اچھا شاعر تھا' علاء الدین کے عہد میں دہلی میں سب سے زیادہ علماء و فقہاء جمع ہو گئے تھے۔ تعلیم کی اشاعت' اور

وعظ و نصیحت سے کافی دلچسپی لی جاتی تھی ۔اس دور میں سنسکرت اور دوسری مقامی زبانوں میں بھی تصنیفی کام انجام پائے ۔تغلق دور میں بھی علم و ادب کا فروغ جاری رہا۔محمد بن تغلق خود بڑا عالم و فاضل اور مختلف فنون کا ماہر تھا۔ابن بطوطہ کو اس نے قاضی دہلی بنایا تھا۔ضیاءالدین برنی اس کا ندیم خاص تھا۔ضیا نخشبی نے سلک السلوک اور طوطی نامہ لکھا۔طوطی نامہ سنسکرت سے فارسی ترجمہ ہے۔عصامی نے فتوح السلاطین لکھی۔فیروز تغلق کے عہد میں علوم شریعت کا رواج زیادہ ہوا۔خود اس نے فتوحات فیروز شاہی لکھا اس دور میں فقہ فیروز شاہی اور فوائد شاہی لکھی گئی۔فتاوی تاتار خانیہ اسی عہد کی یادگار ہے۔ضیاءالدین برنی اور شمس سراج عفیف ہر دو کی تاریخ فیروز شاہی اسی بادشاہ کے نام معنون ہے۔فیروز نے کثرت سے مدرسے تعمیر کرائے۔اس دور میں سنسکرت سے فارسی میں کتابوں کا ترجمہ کثرت سے ہوا۔سکندر لودھی کے دور میں بھی علم و ادب کو فروغ ملا۔ اس کے دور میں ہندوؤں نے فارسی سیکھنی شروع کی۔جس سے استفادہ کا دائرہ وسیع ہوا۔شیخ جمال اسی عہد کے ہیں جن کی تصنیف سیر العارفین مشائخ کے تذکرہ کے لیے مشہور ہے۔

علمی کاموں کے ساتھ سلاطین دہلی نے تعمیرات سے بھی دلچسپی لی اور عظیم الشان عمارتیں تعمیر کرائیں۔قطب الدین نے مسجد قوۃ الاسلام بنوایا اور عظیم الشان قطب مینار تعمیر کرایا جو سلطنت دہلی کی تعمیری عظمت کا نشان ہے۔التمش نے مسجد اور مینار میں اضافہ کے ساتھ اجمیر وغیرہ میں مسجدیں بنوائیں۔علاءالدین خلجی کے زمانہ سے مسلم فن تعمیر کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے'اس نے خوبصورت علائی دروازہ بنوایا۔سیری میں پایہ تخت تعمیر کرایا۔تغلق کے دور میں تعمیر کا ایک نیا اسٹائل اختیار کیا گیا۔غیاث الدین تغلق نے تغلق آباد کا قلعہ بنوایا جو سادگی کا نمونہ ہے۔محمد بن تغلق نے لال گنبد'غیاث الدین کا مقبرہ اور جہاں پناہ بنوایا'اس کا بڑا کارنامہ دولت آباد کا قلعہ ہے'جو دو منزلہ اور حربی فن تعمیر کا نمونہ ہے۔ فیروز تغلق نے مدرسہ فیروز شاہی' قلعہ فیروز شاہ کوٹلہ اور کثرت سے مدرسے' مسجدیں' سرائے' محل' شفا خانے وغیرہ بنوائے۔لودھی عہد میں مقبروں کی عمارتوں میں نقش و نگار پر زیادہ توجہ دی گئی اور کئی ڈیزائن اختیار کیے گئے جو آئندہ بھی جاری رہے۔جیسے دوہرے گنبد کا رواج شروع ہوا جس کی مثال سکندر لودھی کا مقبرہ ہے۔دہلی سلطنت کی ان تعمیرات سے ہندوستان کے قدیم اسٹائل کے اندر عربی ذوق اور اسلامی تصورات کی آمیزش کر کے اسے عہد بہ عہد ترقی دی گئی اور ان نئے نئے تجربات کی وجہ سے ایک نیا فن وجود میں آیا جو ہند اسلامی فن تعمیر بنا۔

8.10 نمونے کے امتحانی سوالات

درج ذیل کے سوالات کے جوابات تیس سطروں میں لکھیے۔

1. عہد غلاماں کی علمی خدمات پر گفتگو کیجیے۔
2. تغلق خاندان کے دور کی علمی اور تصنیفی خدمات پر مضمون لکھیے۔
3. علاءالدین خلجی سے مسلم فن تعمیر کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔تبصرہ کیجیے۔

درج ذیل کے سوالات کے جوابات پندرہ سطروں میں دیجیے۔

4. علاءالدین کے عہد میں دہلی علما و فضلاء کا مرکز تھا' وضاحت کیجیے۔

5. غیاث الدین بلبن کی علمی دلچسپیوں پر روشنی ڈالیے۔

6. محمد بن تغلق کی تعمیراتی خدمات کا تعارف کرائیے۔

8.11 مطالعہ کے لیے معاون کتابیں

1. آب کوثر — شیخ محمد اکرام، فرید بک ڈپو، دہلی

2. عہد وسطیٰ کا ہندوستان، حصہ اول — پروفیسر ستیش چندر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی 2003ء اردو ترجمہ: عزیز الدین حسین

3. ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک جھلک — سید صباح الدین عبدالرحمٰن، دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ 2012

4. بزم مملوکیہ — سید صباح الدین عبدالرحمٰن، دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ 1999ء

5. خلجی خاندان — کے ایس لال، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی 1998، اردو ترجمہ: یٰسین مظہر صدیقی

6. مختصر تاریخ ہند — سید ابوظفر ندوی، دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ 2006

7. "A Comprehensive History of Medieval India: Salma Ahmed Farooqui, Pearson:2011

بلاک: 3 علاقائی حکومتیں

فہرست

اکائی نمبر	عنوان
9	بہمنی حکومت کا قیام استحکام خدمات اور زوال
10	نظام شاہی حکومت عادل شاہی حکومت قطب شاہی حکومت، برید شاہی حکومت عماد شاہی حکومت
11	جونپور کی شرقی حکومت سوری خاندان کی حکومت
12	گجرات مالوہ اور خاندیش کی حکومتیں
13	بنگال اور کشمیر کی حکومتیں

اکائی ۔ 9 : بہمنی حکومت کا قیام،استحکام،خدمات اورزوال

اکائی کے اجزاء

9.1 مقصد

9.2 تمہید

9.3 بہمنی حکومت کا قیام :علاءالدین حسن بہمن شاہ

9.4 محمد شاہ اور علاءالدین مجاہد

9.5 تاج الدین فیروز شاہ

9.6 احمد اول

9.7 علاءالدین احمد دوم

9.8 ہمایوں شاہ

9.9 نظام الدین احمد سوم

9.10 شمس الدین محمد سوم

9.11 شہاب الدین محمود شاہ

9.12 بہمنی حکومت کا زوال

9.13 بہمنی حکومت کا نظم ونسق

9.14 تعمیرات وعلمی سرپرستی

9.15 خلاصہ

9.16 نمونے کے امتحانی سوالات

9.17 مطالعہ کے لئے معاون کتابیں

9.1 مقصد:

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبہ بہمنی سلطنت کے مشہور سلاطین،ان کے اوصاف وسیر اور طرز حکومت نیز ان کے اہم کارناموں سے

واقفیت حاصل کرسکیں گے۔

اس اکائی میں بہمنی دور کا اجمالی تعارف کرایا جائے گا،اس کے قیام وزوال کی وجوہات کے ساتھ ساتھ مشہور سلاطین اور وزرا کے کارناموں پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے گی۔اس کے علاوہ اس عہد کے نظام حکومت: مرکزی وصوبائی تعمیرات،علوم اور علماء کی سرپرستی پر بھی اظہار خیال کیا جائیگا۔

9.2 تمہید

دکن میں پہلے پہل مسلمان تبلیغ اسلام کے لئے آئے تھے اس کے بعد شمال کے حملے ہوئے اور دکن میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگئی۔دکن کے کچھ حصے کو علاءالدین خلجی کے سپہ سالار ملک کافور نے 1310ء میں فتح کر کے اپنے مقبوضہ علاقے کو راس کماری تک پہنچا دیا تھا۔اس کے بعد 1323ء میں ورنگل فتح ہوا،اس کا نام سلطان پور رکھا گیا۔اس کے بعد محمد بن تغلق کے عہد میں جب اس نے دیوگڑھ (دولت آباد) کو اپنا دارالسلطنت بنایا تو دکن اس کے زیر نگیں رہا۔مگر محمد بن تغلق کے ہی عہد میں جب دارالسلطنت دولت آباد سے دہلی کو منتقل کیا گیا تو اس کے آخری زمانہ میں سارے ملک میں انتشار پیدا ہوگیا اور سلطنت دہلی کئی حصوں میں بٹ گئی اور دکن میں بہمنی سلطنت قائم ہوگئی اور ظفر خان، علاءالدین بہمن شاہ کے لقب سے خودمختار بادشاہ بن گیا۔

9.3 بہمنی حکومت کا قیام:علاءالدین بہمن شاہ (1347-1358)

حسن گانگو کی تاج پوشی دولت آباد میں کی گئی اور اس نے سلطان علاءالدین حسن بہمن شاہ کے لقب سے 1347ء میں حکومت سنبھالی۔ وہ ایک اولوالعزم حکمراں تھا دائرۃ المعارف کے مطابق اس کی نیت یہ تھی کہ دہلی سمیت تعلقوں کی تمام سلطنت کو اپنے زیر نگین کرلے لیکن اس کے وزیر اعظم ملک سیف الدین غوری نے اس سے باز رکھا اور مشورہ دیا کہ پہلے دکن پر اپنا قبضہ جمائے۔تھوڑے ہی عرصے میں اس نے قندھار، کوٹ گر،مرام اور اکل کوٹ کو فتح کرلیا۔اس کے بعد اس نے کلیانی فتح کیا اور اس کا نام دارالامان رکھا۔بعدازاں اس نے گلبرگہ پر بھی قبضہ کرلیا اور اسے اپنا دارالسلطنت بنایا اور اس کا نیا نام حسن آباد رکھا اس کا عہد شمال،جنوب اور مغرب کی مہمات میں گزرا۔اس کے انتقال کے وقت اس کے براہ راست قبضہ میں جو مملکت تھی وہ شمال میں مانڈو سے لے کر مغرب میں دابول اور گوا تک پھیلی ہوئی تھی اور ورنگل کے راجہ اسے خراج دیتے تھے۔اس نے اپنی سلطنت کو چار بڑے حصوں میں تقسیم کردیا تھا:

(1) حسن آباد گلبرگہ مع رائچور اور ورنگل جو وزیر سیف الدین غوری کے سپرد تھا۔

(2) دولت آباد مع بیڑ،جمیر اور چال جو بادشاہ کے بھتیجے محمد بن علی شاہ کے پاس تھا۔

(3) برار اور ماہولی صفدر جان سیستانی کے ماتحت اور

(4) اندور،کولاس اور بہمنی کو تلنگانہ کا الگ صوبہ بنا کر وزیر سیف الدین غوری کے لڑکے اعظم ہمایوں کے سپرد کیا۔

اخلاق وکردار

علاء الدین حسن ایک اچھا علم دوست بادشاہ تھا اس کا دربار ہمیشہ علماء سے بھرا رہتا تھا۔محمد نصیر الدین ہاشمی اپنی کتاب ''دکنی کلچر'' میں لکھتے ہیں کہ اس کے دربار میں مولانا لطف اللہ، ملا اسحاق سرہندی، ملا حکیم علیم الدین تبریزی، حکیم نصیر الدین شیرازی، شریف سمرقندی، مولانا عاصامی وغیرہ تھے۔اسے دکن کے آثار قدیمہ سے بھی دلچسپی تھی وہ 1352ء میں ایلور کے غاروں کو دیکھنے گیا اور اپنے ساتھ ایسے لوگوں کو لے گیا جو کتبوں کو پڑھ سکیں اور دیواروں پر منقش تصاویر کے مفہوم کو بتا سکیں۔ہارون خان شیروانی نے اپنی کتاب ''دکن کے بہمنی سلاطین'' میں رقم طراز ہیں کہ علاء الدین حسن شاہ کی حکومت کے حالات سے اس کے کردار کا اظہار ہوتا ہے، اس کی تمام مہمات میں سے کسی ایک میں بھی ظلم کا شائبہ تک نظر نہیں آتا اور بارہا ایسا ہوا ہے کہ جنگ کے خاتمہ پر خود بادشاہ یا اس کے نمائندہ نے مفتوحہ ریاست اس مغلوب حکمران کو واپس کر دی۔یہی وجہ تھی کہ ورنگل کے رائے جیسے طاقتور حکمران نے بلا کشت وخون کے علاء الدین حسن کا اقتدار اعلیٰ قبول کر لیا اور اس کو معزز دوست اور حلیف سمجھنے لگا۔مولانا عاصامی جو اس کے دربار میں تھے لکھا ہے کہ علاء الدین میں اچھے بادشاہوں کی تینوں صفات موجود تھیں یعنی وہ ہمیشہ مظلوموں کی مدد کرتا تھا، غریبوں پر مہربانی کرتا تھا اور احکام خداوندی کی پیروی کی پوری کوشش کرتا تھا۔یہی نہیں اس نے اپنے بیٹے محمد شاہ ثانی کو جو اس کا ولی عہد بنا، کی شادی مبارک کے موقع پر ہزاروں تھان زربفت، مخمل اور ریشم کے کپڑے اور ایک ہزار عربی اور عراقی گھوڑے اور بارہ مرصع تلواریں اپنے امراء میں تقسیم کیں اور خاص و عام کو غلہ تقسیم کیا اور دارالسلطنت کے غربا اور محتاجوں کو پکا ہوا کھانا کھلایا اور یہ سلسلہ پورے سال بھر چلا۔علاء الدین سے اس کی کامیابی کا راز پوچھے جانے پر اس نے جواب دیا کہ ہر ایک کے ساتھ خواہ دوست ہو یا دشمن مہربانی کا سلوک کرنا اور غریبوں اور محتاجوں کو فیض پہنچانا۔عاصامی نے لکھا ہے کہ اس کے کردار کی دو خصوصیات تھیں ایک انصاف اور دوسرا فیض رسانی۔ وہ اپنے ملک کے لوگوں ہی کے لئے فیض رساں نہ تھا بلکہ 1354ء میں اس نے مکہ معظمہ میں ایک رباط بھی بنوائی تھی۔ہارون خان شیروانی لکھتے ہیں کہ وہ مسلمانوں میں پہلا بادشاہ تھا جس نے حکم دیا کہ غیر مسلمانوں سے فوجی خدمت کے عوض جزیہ نہ لیا جائے اور یہ بھی حکم دیا کہ غلہ اور ہر قسم کے مویشی و پیداوار اس کی سلطنت میں بلا محصول کے آیا کریں۔

اس کی نصیحت، ہدایت وغریب پروری کا سلسلہ بستر مرگ پر بھی قائم رہا۔بستر مرگ پر اس نے اپنے بیٹوں کو ہدایت دی کہ انہیں ایک جان دو قالب ہو کر رہنا چاہیے، ولی عہد کی اطاعت پر زور دیا اور روپیہ اور استعمال کی چیزیں گلبرگہ کی جامع مسجد میں حاجت مندوں میں تقسیم کرنے کی ہدایت دی۔

معلومات کی جانچ

(1) بہمنی سلطنت کے بانی کا نام بتایئے۔

(2) حسن گانگو کے کردار پر روشنی ڈالئے۔

9.4 محمد شاہ اول (1358-1375)

علاء الدین حسن بہمنی نے اپنے عہد میں تمام مخالف عناصر پر قابو حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کرلی تھی۔ مگر ملک میں اب بھی چور اور ڈاکو بھرے ہوئے تھے اور اندرونی طور پر لاقانونیت تھی جسے محمد شاہ نے سخت اقدامات کے ذریعے قابو میں کیا اور سلطنت کو منظم کیا نیز اس کا آئین بنایا۔ اس نے سلطنت کو صوبوں میں تقسیم کیا جن کے مرکز دولت آباد، برار، بیور اور گلبرگہ تھے اور ان کے گورنروں کو بھی علی الترتیب مسند عالی، مجلس عالی، اعظم ہمایوں اور ملک نائب کے خطابات دئے۔ ان میں گلبرگہ کا صوبا اہم تھا جس کا حاکم ملک نائب کہا جاتا تھا۔

محمد شاہ نے فوج کو بھی اسی طرح منظم کیا۔ کمانڈر ان چیف کے عہدہ کا نام امیر الامراء تھا اور افسروں کی ایک جماعت باربرداران کے نام سے قائم کی گئی تھی جو بادشاہ کے ذاتی اسلحہ کی ذمہ دار تھی ان کے علاوہ چار ہزار آدمیوں کا ایک مسلح دستہ شاہی باڈی گارڈ تھا جو خاصہ خیل کہلاتا تھا اس کے علاوہ خفیہ اطلاعات کا محکمہ بھی قائم تھا۔ اس منظم اور مستحکم فوج کی وجہ سے محمد شاہ نے وارنگل اور تلنگانہ کے حاکم کو شکست دی۔ وارنگل اور تلنگانہ کے حاکموں اور محمد شاہ کے بیچ معاہدہ ہوا جس میں خراج دینے کے علاوہ گولکنڈہ کا شہر مع متعلقات کے راجہ تلنگانہ کو چھوڑنا پڑا۔

تاریخ فرشتہ کے مطابق بہمنی سلطنت کا محمد شاہ پہلا حکمران ہے جس نے سب سے پہلے سونے اور چاندی کے سکے جاری کئے۔ سکہ کے ایک طرف کلمہ طیبہ اور چاروں خلفائے راشدین کے نام کندہ تھے اور دوسری طرف حکمران بادشاہ کا نام اور ڈھالنے کی تاریخ لکھی تھی۔ اس کے پہلے وجے نگر کے سکے رائج تھے جن کے استعمال پر محمد شاہ نے پابندی لگادی "دکن کے بہمنی سلاطین میں" ہارون خان شیروانی نے لکھا ہے کہ 1360ء میں مادر ملکہ نے جب مکہ معظّمہ کا سفر کیا تو انہوں نے مصر میں عباسی خلیفہ المعتصد سے خط و کتابت کی اور اپنے لڑکے کے لئے خطبہ وسکہ کے اجرا کے حق میں باضابطہ اجازت حاصل کی۔

محمد شاہ خود علم دوست تھا۔ بچپن سے اس کو علم وفن سے دلچسپی تھی۔ علامہ فضل اللہ اس کے زمانہ میں شیراز سے دکن آئے، ان کے علم و فضل کی محمد شاہ نے بڑی قدر کی۔ اس کے دربار میں علماء اور شعراء کی بڑی آؤ بھگت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ المشائخ زین الدین دولت آبادی، عین الدین بیجاپوری، مولانا نظام الدین برنی، حکیم ظہیر الدین تبریزی جیسے اہل علم اس کے دربار میں تھے جس سے دکن اہل علم کا گہوارہ اور سارے ہندوستان کے لئے قابل رشک بن گیا تھا۔ سلطنت بہمنیہ کے بڑے بڑے شہروں مثلاً گلبرگہ، بیدر، دولت آباد، جیر، داہیل وغیرہ میں مدرسے قائم کے گئے۔ جہاں قابل اساتذہ درس دیتے تھے، طلبا کے لئے وظائف بھی جاری تھے۔

اخلاق و کردار:

اس کے عہد میں سارے ملک میں امن رہا۔ اس نے اپنا سارا وقت سلطنت کو مستحکم کرنے میں صرف کیا۔ وہ ہر سال اپنے ملک کے صوبوں کا دورہ کرتا۔ فرشتہ کے مطابق اس کے حکومت کے آخری زمانہ میں ہر شخص خوشحال اور فارغ البال تھا۔

علاء الدین مجاہد (1375-1378)

19 سال کی عمر میں تخت نشین ہوا اور تین سال سے بھی کم عرصہ تک حکومت کی۔ وہ اپنے عہد میں وجے نگر کے خلاف مصروف جنگ

رہا۔اسے دھوکہ سے داؤد جو اس کا چچا اور وفادار سپہ سالار تھا خیمے میں قتل کر کے خود تخت نشین ہوا۔

داؤد اول (1378 اپریل تا مئی 1378)

داؤد کے عہد میں خانہ جنگی پھیل گئی۔علاءالدین مجاہد کے دوسرے سپہ سالار اور اس کی بہن روح پرور آغا نے بغاوت کی، اور داؤد کو قتل کرا دیا۔

محمد شاہ دوم (1378-1379)

اس کے بعد روح پرور نے بہمن شاہ کے پوتے محمد شاہ دوم کو تخت نشین کرایا۔اس کی حکومت بہمنی تاریخ میں سب سے زیادہ پرامن رہی۔اس نے مجاہد کے قاتلوں کا خاتمہ کیا اور سیف الدین غوری، جو سلطان علاءالدین مجاہد کا سسر تھا، وزیر اعظم مقرر کیا اور ہر ضروری معاملہ میں اس مشورہ لیتا تھا۔اس نے وجے نگر سے مصالحت تا کہ ملک میں امن کو بحال کیا جا سکے۔اس کے بعد غیاث الدین 1397ء جون ۔ اپریل 1397ء اور شمس الدین جون 1397ء نومبر۔جون 1397ء نے مختصر مدت کے لئے حکومت کی۔

اگر ہم پچھلے پانچ حکمرانوں کے حالات کا تجزیہ کریں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ محمد دوم کے عہد کو چھوڑ کر بدنظمی اور بے اطمینانی کا دور تھا۔ لیکن دو ایک پہلو ایسے ہیں جو اس کی تلافی کرتے ہیں۔ایک تو یہ کہ اس مدت میں سے انیس سال محمد دوم کی شائستہ اور ترقی پذیر حکومت کے ہیں جو دکن کی تاریخ کا ایک سنگ میل ہے اس لئے کہ محمد دوم ہی نے اس ملک کو تہذیب اور علم و فضل کا گہوارہ بنانے کی کوشش کی۔دوسرا یہ کہ دکن اور وجے نگر کے درمیان لڑائیوں کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔

معلومات کی جانچ

(1) محمد شاہ اول کے عہد حکومت پر چند سطریں لکھئے۔

(2) مادر ملکہ نے مکہ معظّمہ کے سفر پر عباسی خلیفہ سے کس چیز کی اجازت لی؟

(3) محمد اول، محمد دوم اور علاءالدین مجاہد میں سے کس کا دور امن کا دور مانا جاتا ہے؟

9.5 تاج الدین فیروز شاہ (1397۔1422)

یہ سلطان محمد شاہ دوم کا داماد تھا اور اپنے خسر کی روایت کو یعنی دکن کو تمدن کا گہوارا بنانا، قائم رکھنے کی کوشش کی۔اس نے امن قائم کرنے کے لئے اپنی حکومت میں ہندوؤں کو ذمہ داری دی اور برہمنوں کو بڑے عہدوں پر فائز کیا۔اس کا دور حکومت سلطنت بہمنی کے عروج کا زمانہ ہے۔اس کے زمانہ میں سیاسی تدبر اور تدبیر مملکت سے ایک طرف کو ملک کو بلند منزل پر پہنچایا گیا اور دوسری طرف پاکیزہ تہذیب و تمدن سے ملک کو زینت دی۔

فیروز شاہ اپنی علمی قابلیت میں مشہور تھا۔اس کا شمار ہندوستان کے فاضل ترین بادشاہوں میں ہوتا ہے۔وہ علوم اسلامیہ میں قرآن،

حدیث، فقہ، صوفی مصطلحات اور علوم عقلیہ میں حکمت، فلسفہ، ریاضی، ہندسہ، علوم طبعی، اقلیدس، فن مناظرہ اور اخلاقی علوم میں ماہر تھا اس نے باضابطہ ہفتہ میں تین دن ان علوم میں خود درس و تدریس کے لئے مخصوص کر لئے تھے۔ وہ ایک ممتاز شاعر بھی تھا اور عروجی اور فیروز تخلص رکھتا تھا۔ فیروز شاہ ان علوم کے ساتھ ساتھ دنیا کی کئی زبانوں سے بھی واقف تھا۔ فرشتہ کے مطابق وہ عربی، فارسی اور تُرکی زبانوں سے تو خوب واقف تھا ہی، اس کے ساتھ ساتھ وہ تلنگی، کنڑی، مرہٹی، گجراتی، بنگالی کے علاوہ کئی اور زبانیں بھی جانتا تھا۔ ان سے انہیں کی زبانوں میں بلاتکلف گفتگو کرتا تھا۔ اہل علم کے ساتھ وہ بے تکلفی سے ملتا تھا۔ وہ شام کا ایک حصہ اس لئے مخصوص رکھتا تھا کہ شعراء، اہل علم، داستان گو وغیرہ سے گھل مل کر بات چیت کر سکے۔ اس کی فضیلت اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ تعمیر عامہ کے سلسلہ میں اس نے جو کام کئے ان میں دولت آباد کے قریب پہاڑی میں 1408ء میں بالا گھاٹ کے نام سے ایک رصد گاہ کی تعمیر تھی، جس کے لئے سید محمود گرزونی اور حکیم حسن گیلانی کو مامور کیا تھا۔

سیاسی صورت حال

فیروز شاہ نے تقریباً پچیس سال حکومت کی اور یہ مدت اس نے ہمسایہ حکومتوں مثلاً وجے نگر، کھیرلا، تلنگانہ سے کشمکش میں صرف کی۔ کھیرلا کے راجا شمال سے اور وجے نگر کے رائے جنوب سے حملہ آور ہوئے۔ فیروز شاہ نے پہلے وجے نگر کے رائے سے نمٹنے کا فیصلہ کیا اور کھیرلا کی مہم کو ملتوی کیا۔ شہزادہ وجے نگر بکا نے فیروز شاہ سے مقابلہ کے لئے بہت بڑی فوج تیار کی تھی جس میں 80,000 تیرانداز اور بندوقچی تھے۔ اس نے تنگ بھدرا ندی کو پار کر کے موگل، راچکو راور دوآبہ کے دوسرے بہمنی مقبوضات پر چڑھائی کر دی۔ اس کے مقابلہ کیلئے فیروز شاہ نے فوج بھیجی لیکن وہ زمانہ بارش کا تھا اور کرشنا ندی سیلاب پر تھی، جس کو عبور کرنا دشوار تھا ایسی صورت میں فیروز شاہ کے ساتھیوں میں سے ایک قاضی سراج تھا جو چند آدمیوں کے ساتھ دریا عبور کر کے اور وجے نگر کی کچھ طوائفوں کے ساتھ شاہی کیمپ میں گھس گیا اور جیسے ہی ناچ گانا شروع ہوا اور شاہزادہ اور اس کے ساتھی شراب کے نشے میں مست ہوئے، قاضی سراج شہزادہ پر حملہ آور ہوا اور قتل کر ڈالا۔ اسی دوران فیروز شاہ نے اپنے چار ہزار سپاہی گھوڑوں کو روانہ کیا اور صبح ہوتے ہی خود بھی دریا پار کر کے وجے نگر کی فوج کا تعاقب کیا۔ دونوں میں معاہدہ ہوا اور ردس لاکھ ہن شاہی خزانہ میں جمع کیا گیا۔

وجے نگر کی کامیابی کے بعد فیروز شاہ کھیرلا کی طرف روانہ ہوا لیکن جب وہ ماہور پہنچا تو وہاں کے حاکم مقدم نے جو کھیرلا کا حکمران نرسنگھ کا ساتھ دیتا تھا، معافی مانگی اور خراج کی پیش کش کی۔ فیروز شاہ نے نرسنگھ کو بھی خراج دینے کو کہا مگر اس نے نفی میں جواب دیا۔ دونوں فوجوں کے بیچ بہت سخت لڑائی ہوئی۔ نرسنگھ کے لڑکے کوشل سنگھ کو قید کر لیا گیا۔ نرسنگھ کھیرلا کے قلعہ میں چھپ گیا۔ فیروز شاہ نے قلعہ کا محاصرہ کیا کچھ عرصہ کے محاصرہ کے بعد نرسنگھ نے ہتھیار ڈال دئے اور خراج دینے پر راضی ہو گیا اور اپنی بیٹی کو شاہی خادم کے طور پر دیا۔

کھیرلا کی مہم کے بعد فیروز شاہ تلنگانہ کی طرف روانہ ہوا اور وہاں کے راجا سندری کو شکست دی لیکن بارش کی وجہ سے فیروز شاہ کو پوری کامیابی نہیں ملی اور مقامی سرداروں کو پورے طور پر زیر کئے بغیر ہی واپس لوٹنا پڑا مگر یہ سردار خراج کی رقم دیتے رہے۔

بہمنی سلطنت اور تیمور کے ساتھ اچھے تعلقات تھے فیروز کو جب یہ خبر ملی کہ تیمور ہندوستان پر حملہ کرنے والا ہے تو اس نے اپنا پیغام اور تحائف بھیجے۔ پیغام یہ تھا کہ اگر تیمور کا قصد دہلی پر حکومت قائم کرنے کا ہے تو وہ خود حاضر ہو کر اسے سلامی دے۔ اس کے جواب میں تیمور نے فیروز کو ایک فرمان بھیجا جس میں اسے اپنا لڑکا کہہ کر مخاطب کیا اور اس کے دکن کی سلطنت کے قبضہ کی تصدیق کی جس میں گجرات اور مالوہ بھی

شامل تھا۔اگر چہ یہ دونوں فیروز کی دسترس سے باہر تھے۔

محمد گیسودراز

فیروز شاہ کے عہد میں چشتیہ سلسلہ کے مشہور و معروف صوفی سید محمد گیسودراز گلبرگہ آ کر بس گئے۔چونکہ گیسودراز کے والد محمد تغلق کے عہد میں دولت آباد آئے تھے اس لئے دکن کے عوام پر ان کا بہت اثر تھا۔گیسودراز قلعہ گلبرگہ کی جامع مسجد کے قریب اپنے مریدوں کے ساتھ ایک خانقاہ میں مقیم ہوئے۔گلبرگہ میں بہت جلد مریدوں کا ایک حلقہ تیار ہوگیا۔فیروز شاہ نے ان کی اور مریدوں کی گزر اوقات کے لئے کئی گاؤں وقف کئے۔لیکن گیسودراز نے فیروز شاہ کے ذہن پر جو اثر ڈالا تھا وہ جلد ہی ختم ہوگیا اور دونوں میں تناؤ بڑھنے لگا۔یہاں تک کہ فیروز شاہ نے انہیں محل شاہی سے دور چلے جانے کو کہا۔اس پر گیسودراز گلبرگہ سے چند میل دور چلے گئے جہاں آج ان کا مزار و مقبرہ ہے۔

فیروز شاہ کی حکومت کا خاتمہ

فیروز شاہ نے اپنے کمسن بیٹے حسن شاہ کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔چونکہ فیروز شاہ کی عمر 70 سال کی ہوگئی تھی اس لئے اس نے کم و بیش اپنے سارے اختیارات دو غلاموں کو سونپ دیئے تھے۔ان دونوں غلاموں نے فیروز شاہ کو باور کرانا شروع کیا کہ احمد، جو فیروز شاہ کا بھائی تھا اور بڑی صلاحیت اور قابلیت کا مالک تھا علاوہ ازیں لوگوں میں مقبول ہونے کے ساتھ ساتھ سید گیسودراز سے بھی اچھے تعلقات تھے اور وہ کہیں بغاوت نہ کردے لہٰذا اسے قتل کرادیا جائے فیروز اس پر تیار نہیں ہوا مگر کمزوری کی حالت میں اس تجویز پر راضی ہوگیا کہ احمد کو اندھا کردیا جائے۔ احمد کو اس سازش کا پتہ چلا تو اس نے فوج جمع کی اور فیروز شاہ پر حملہ بول دیا۔فیروز شاہ بھی آگے بڑھا مگر ضعف کی وجہ سے بغیر لڑے ہی میدان جنگ میں بے ہوش ہوگیا۔لوگوں نے احمد کو اپنا نیا بادشاہ قبول کرلیا۔فیروز شاہ جب ہوش میں آیا تو اس نے بھی اپنی غلطی کا اقرار کیا اور احمد کی بادشاہت کو قبول کیا، اس کی کمر میں تلوار باندھی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر تخت پر بٹھادیا۔

معلومات کی جانچ

(1) فیروز شاہ کن علوم کا ماہر تھا اور کون کون سی زبانوں سے واقفیت رکھتا تھا؟

(2) فیروز شاہ کے سیاسی احوال پر روشنی ڈالئے۔

(3) محمد گیسودراز کون تھے؟

9.6 احمد اول (1422-1436)

احمد اول نے حکومت سنبھالتے ہی اپنے دارالسلطنت کو 1424ء میں گلبرگہ سے بیدر منتقل کیا۔ہارون خان شیروانی نے دکن کے بہمنی سلاطین میں دارالسلطنت کی تبدیلی کی کئی وجوہات گنائی ہیں:

(1) فیروز شاہ اپنے بیٹے کو اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا مگر احمد اول جنگ سے حکومت پر قابض ہوا۔

(2) سید گیسودراز کے انتقال کے بعد احمد کو محسوس ہوا کہ اب گیسودراز کے مریدوں کی مدد نہیں ملے گی۔

(3) بیدر کا علاقہ زیادہ زرخیز تھا۔

(4) بیدر دکن کے تقریباً کنارے واقع تھا اور زیادہ محفوظ تھا اور اس کے علاوہ دوردراز گلبرگہ کے مقابلہ میں بیدر نئی سلطنت کے درمیان میں واقع تھا۔

سیاسی حالات

1422ء میں احمد اول نے تخت سنبھالتے ہی اپنے دوست و دشمن دونوں سے مصالحت کا ہاتھ بڑھایا۔اس نے اپنے دوست خلف حسن بصری کو جس نے اس کی جان بچائی تھی سلطنت کا وزیر اعظم بنادیا۔اسی کے ساتھ اپنے مخالفین میں عین الملک ہوشیار او رنظام الملک بیدار کو جو فیروز شاہ کے غلام اور مشیر کار تھے کو بھی اعلیٰ عہدے عطا کئے۔فیروز شاہ کے بیٹے حسن کو بھی 500 کا منصب اور ایک جاگیر دی۔اس کے علاوہ احمد اول نے منصب داری کے طریقے کو منظم کردیا اور سر لشکر کو 2000 کا منصب دیا، امیر الامراء کو 1500، وکیل کو 1200 اور دوسرے امراء کو 100 سے 1000 تک کا منصب دیا۔

وجے نگر اور تلنگانہ

فیروز شاہ کے آخری زمانے میں وجے نگر نے بہمنیوں کو جو شکست دی تھی اس کا بدلہ لینے کے لئے احمد اول نے تخت نشینی کے بعد ہی چالیس ہزار سواروں کی زبردست فوج لے کر وجے نگر کی طرف بڑھا۔بکا نے جو وجے نگر کا حکمران تھا یہ محسوس کیا کہ اس میں تنہا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں ہے چنانچہ اس نے تلنگانہ کے راجا سے مدد مانگی۔بہمنی اور وجے نگر کی فوجوں کا مقابلہ تنگ بھدرا کے کنارے ہوا۔وجے نگر کے پاس اگر چہ پیادہ فوج، توپ خانہ اور تیر اندازوں کی تقریباً دو لاکھ فوج تھی مگر انہوں نے چھاپا مار جنگ کا فیصلہ کیا اور رو زرات کو بہمنی کیمپ پر حملہ کر کے بہت سے آدمی اور گھوڑے مار ڈالے۔کچھ دنوں کے انتظار کے بعد احمد اول نے 2000 توپ گاڑیاں لے کر تنگ بھدرا کو پار کیا لیکن باضابطہ کوئی جنگ نہیں ہوئی۔وجے نگر کی فوج اور پیچھے ہٹ گئی اور اپنا علاقہ احمد کی فوج کو تاراج کرنے کے لئے چھوڑ دیا۔اسی دوران ایرانی نوروز کے دن احمد بطور تفریح ایک جھیل کے کنارے شکار کھیلنے نکلا اور اصل کیمپ سے آٹھ میل دور چلا گیا جہاں اسے دشمنوں کے پانچ چھ ہزار فوجیوں نے گھیر لیا۔جنگ شروع ہوئی احمد کے دو سو ہمراہی مارے گئے مگر وہ خود اپنی جان بچانے میں کامیاب ہوا۔دوسری طرف احمد کے غائب ہونے کی وجہ سے بہمنی کیمپ میں کھلبلی مچ گئی اور ایک اعلیٰ افسر عبدالقادر نے دو تین ہزار فوج لے کر اسی سمت چلا جدھر احمد تھا۔وجے نگر اور بہمنی افواج کے بیچ جنگ ہوئی۔بہمنیوں کو غلبہ ہوا اور احمد اول کی جان بچی۔اس کے بعد سلطان احمد اول نے خود وجے نگر پر چڑھائی کی اور بکا سے بقایا خراج بھی وصول کیا۔

ماہور

وجے نگر اور تلنگانہ کی مہمات کے بعد 1426ء میں چونکہ تلنگانہ کے راجا نے وجے نگر کی مدد کی تھی اس لئے احمد اول اسے سزا دینا چاہتا تھا اور 1425ء میں تلنگانہ پر چڑھائی کی دونوں فوجوں کے بیچ جنگ ہوئی اور تلنگانہ کا حاکم اناپوتا دوم مارا گیا۔احمد اول کا تلنگانہ پر قبضہ ہوا او رخان

اعظم کو وہاں کا گورنر مقرر کیا۔احمد اوّل ماہور کی تسخیر کے لئے روانہ ہوا جس پر ایک مقامی رئیس نے قبضہ کر رکھا تھا۔احمد اول جب فوج لے کر پہنچا تو وہ ماہور کے جنگل میں بھاگ گیا اور چھاپا مار جنگ شروع کی، جس میں احمد اول کو شکست ہوئی مگر ملک کو تاراج کر دیا۔اگلے سال احمد اول نے پھر ماہور پر چڑھائی کی لیکن اب بھی اسے کامیابی نہیں ملی اور واپس لوٹنا پڑا۔تیسری بار احمد اول نے پھر حملہ کیا اور اس بار اسے کامیابی ملی۔اس مہم میں اس نے خاص طور پر بڑی سختی کی اور رئیس کو فوراً قتل کرا دیا۔

مالوہ

احمد اول آمد و رفت کا راستہ صاف کرنے کے لئے مالوہ، خاندیش اور گجرات پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔کھیرلا کی ریاست مالوہ اور دکن کے درمیان میں واقع تھی، اور کھیرلا کے حکمران نرسنگھ نے فیروز شاہ کے عہد میں بہمنیوں کی باجگزاری قبول کر لی تھی مگر جب اسے احمد کے قبضہ کرنے کے ارادہ کا اندیشہ ہوا تو نرسنگھ مالوہ کے حاکم ہوشنگ شاہ سے جا ملا اور احمد کے ارادوں اور اس کے فوجی مہم کے متعلق اسے بتایا۔ہوشنگ اپنی حفاظت کے لئے تیزی سے 20,000 کی فوج لے کر کھیرلا پہنچ گیا۔احمد کے پاس چونکہ فوج کی تعداد کم تھی اس لئے وہ اپنے حدود میں لوٹ آیا اور مصالحت کا راستہ نکالا کہ آپس میں جنگ کرنے سے اعراض کرنا چاہے لیکن ہوشنگ شاہ بہمنیوں کی طرف بڑھتا آیا۔دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں بہت خونریز جنگ ہوئی اور آخر کار احمد کو مالوہ کی فوج پر غلبہ حاصل ہوا، ہوشنگ شاہ میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔احمد شاہ نے مالوہ پر قبضہ کیا اور اپنے لڑکے کو وہاں کا گورنر مقرر کیا۔

ولی عہدی

احمد اول نے اپنی حکومت کے آخری سال میں اپنے سب سے بڑے لڑکے علاء الدین ظفر خان کو اپنا ولی عہد مقرر کیا اور اسے خود اپنی زندگی میں سلطنت کا پورا اختیار دے دیا اور اپنے دوسرے لڑکوں کو مختلف صوبوں کا گورنر مقرر کیا اور سب سے حلف لیا کہ وہ کسی حال میں ایک دوسرے کے مخالف نہ ہونگے۔

اخلاق و کردار

احمد اول نے بڑے بیٹے کی جانشینی کا قانون بنا کر سلطنت کی بنیاد کو پورے طور پر مضبوط کر دیا تا کہ جانشینی کو لے کر کبھی آپس میں جنگ نہ ہو۔اس کا عہد حکومت انصاف اور مساوات برتاؤ کے لئے مشہور تھا اور اپنے سابقہ دشمنوں سے اس کا فیاضانہ سلوک ایک نمایاں خوبی ہے۔اس نے وجے نگر کے ولی عہد کا استقبال شاہانہ انداز سے کیا۔کھیرلا کے نرسنگھ کو شکست دینے کے بعد اسے عہدے پر برقرار رکھا۔اپنی حکومت کے آخری سال اس نے تلنگانہ کی شورش کو فرو کرنے کے بعد تقریباً تمام مفتوحہ قلعجات کے سابقہ مالکوں کو واپس کر دئے۔

وہ ایک نیک دل اور خدا ترس انسان تھا اور آج تک دکن کی بہت بڑی اکثریت اسے ولی سمجھتی ہے۔اس کے عہد میں بیدر ایران، عراق اور عرب کے ہر حصہ کے ذی علم اور متقی لوگوں کا گہوارہ بن گیا۔احمد خود بھی صاحب علم اور فن موسیقی کا ماہر تھا۔وہ اپنی رعایا کا بہت خیال رکھتا تھا، خاص کر جب دکن میں قحط پڑا تو اس نے رعایا کے ساتھ فیاضانہ سلوک کیا۔ایک مصری عالم ابوبکر بن عمر المخزومی نے احمد اول کی بہت تعریف لکھی ہے۔وہ ان دنوں وہیں تھا وہ لکھتا ہے کہ وہ گلبرگہ اس لئے آیا کہ اس نے اس عظیم شہر کے بارے میں جو کچھ سنا ہے اس کی تصدیق کرے اور جو سلطان اس ملک پر حکمران ہے اور جس کا ملک غیر میں اس قدر شہرہ ہے اس کی حقیقت معلوم کرے۔اس کا بیان ہے کہ بادشاہ ہر خاص و عام

میں بہت ہر دل عزیز تھا اور اسے کوئی ایسا شخص نہیں ملا جو بادشاہ کا دشمن ہو۔ سلطان کو بہادر، باوقار اور دوسروں کی مدد کرنے والا سمجھا جاتا تھا۔ ملک کے اندر اس کی نرم پالیسی اور بیرون ملک سے دوستانہ تعلقات کے نصب العین نے بہمنی سلطنت کو معزز اور قابل احترام بنا دیا تھا۔

معلومات کی جانچ:

(1) احمد اول نے اپنی دارالسلطنت کو کہاں منتقل کیا؟

(2) احمد اول کے کردار پر روشنی ڈالئے۔

(3) احمد اول نے ولی عہدی کا کیا نظام بنایا؟

9.7 علاءالدین احمد دوم (1436-1458)

احمد اول کے انتقال کے بعد علاءالدین ظفر خان تخت نشین ہوا اور علاءالدین احمد کا لقب اختیار کیا۔ اس کو کئی مہمیں نہ صرف وجے نگر اور تلنگانہ کی ہندو سلطنتوں کے خلاف بلکہ گجرات، خاندیش اور مالوہ کی مسلم حکومتوں کے خلاف بھی کرنی پڑیں۔

محمد خان کی بغاوت

وجے نگر سے پہلی لڑائی 1436ء میں خراج کی رقم ادا نہ کرنے کی وجہ سے ہوئی۔ حصول خراج کے لئے علاءالدین احمد دوم نے اپنے بھائی محمد خان کو بھیجا۔ محمد خان اس مہم میں کامیاب ہوا۔ اس کامیاب مہم نے اسے سلطان کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر دیا کیونکہ اس کی فوج کے کچھ افسروں نے اسے بہکایا کہ اس کے والد کی یہ وصیت تھی کہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ مل کر حکومت کرے لیکن اس کے بھائی نے اسے دوسرے درجے کے کام میں لگا دیا، اس لئے یہ بالکل حق بجانب ہے کہ وہ سلطنت کی تقسیم کا مطالبہ کرے کہ اسے نصف سلطنت دی جائے اور کوئی فیصلہ اس کی رضامندی کے بغیر نہ کیا جائے۔ محمد خان ان کی چال میں پھنستا چلا گیا اور بغاوت کر کے مدگل، رائچور، شولاپور کے قلعوں پر قبضہ کر لیا اور کرشنا ندی کے کنارے ایک مقام پر اپنے سر پر تاج بھی رکھ لیا۔ یہ خبر سنتے ہی علاءالدین احمد دوم فوج لے کر روانہ ہوا اور محمد خان کو شکست دی۔

خسرو ناصر خان سے جنگ

محمد خان کو شکست دینے کے بعد علاءالدین احمد دوم نے اپنے وزیر اعظم دلاور خان کو سنگ میشور اور رانیل کے راجاؤں کے خلاف فوج دے کر روانہ کیا۔ دلاور خان کو جلد ہی کامیابی ملی گئی اور وہ سنگ میشور کی حسین لڑکی کو لیکر واپس ہوا، جس کے ساتھ سلطان احمد دوم نے شادی کر لی اور اسے زیبا چہرہ کا خطاب دیا جس کی وجہ سے اسے اپنے خسر ناصر خان سے جو خاندیش کا حکمران تھا، جنگ کرنی پڑی۔ ناصر خان کو گجرات کے احمد شاہ اور گونڈوانہ کی فوجی امداد حاصل تھی اس لئے سلطان علاءالدین کو متحدہ افواج پر غلبہ پانا مشکل تھا۔ شروع میں علاءالدین احمد دوم کو شکست ہوئی مگر اس کے مشیر خلف حسن کے مشورہ پر فوج کو دو حصوں میں یعنی دکنی اور غیر دکنی (Native and Non-Native) میں منقسم کر کے دو طرف سے حملہ کروایا اور ناصر خان کو شکست دی۔

تلنگانہ، مالوہ، خاندیش اور وجے نگر کی مہمات کے بعد سلطان علاءالدین کا عہد پر امن رہا۔ وہ ہر کسی کے ساتھ مہربانی کا سلوک کرتا تھا

اور سلطنت کے معاملات میں سرگرمی کے ساتھ دل چسپی لیتا تھا اس نے نظم و قانون کے نفاذ میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور ذی علم لوگوں کو نظام سلطنت میں شامل کیا۔ اس نے جوا، شراب نوشی اور زنا کاری جیسے جرائم کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے علاوہ وہ بہت اچھا خطیب بھی تھا اور دار السلطنت کی جامع مسجد میں جمعہ کے دن تقریر بھی کیا کرتا تھا۔

9.8 ہمایوں شاہ (1457-1461)

ہمایوں کو عام طور پر ظالم کہا گیا ہے، فرشتہ نے اس کا خاکہ بدترین رنگ میں کھینچا ہے اور سنگین ترین جرائم اس سے منسوب کئے ہیں۔ فرشتہ کے مطابق اس نے تمام بندشوں کو پس پشت ڈال دیا وہ اپنی رعایا کے بچوں کو ان کے والدین کی گود سے چھین کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتا تھا۔ وہ اکثر سڑک پر برات کو روک لیتا تھا اور لہن کو چھین کر اس سے لطف اندوز ہوتا اور پھر اسے گھر بھیج دیتا تھا۔ اس کی عادت تھی کہ اپنے محل کی عورتوں کو معمولی سے معمولی قصور پر قتل کر دیتا تھا اور اگر کسی امیر کو اس کی خدمت میں حاضر ہونا پڑتا تو وہ اپنے گھر والوں سے رخصت ہو کر جاتا جیسے وہ موت کے منہ میں جا رہا ہے۔ ''دکن کے بہمنی سلاطین'' میں ہارون خان شیروانی نے لکھا ہے کہ ہمایوں معمولی طرز کا بہمنی حکمران تھا مگر اسی کے ساتھ نظم و ضبط کا بڑا خیال رکھنے والا تھا۔ دکنی اور غیر دکنی باشندوں میں توازن قائم کرنے میں کوشاں رہتا تھا اور اپنی حکومت کو حتی الامکان پر امن رکھنا چاہتا تھا یہ قابل لحاظ بات ہے کہ اس کے پورے عہد حکومت میں ایک بھی مہم حدود سلطنت کے باہر نہیں پیش آئی، جس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ بجائے دوسروں کے خلاف جارحانہ کاروائی کے خود اپنی سلطنت کو مستحکم کرنا چاہتا تھا لیکن اندرونی ہنگاموں نے اس کے تمام قابل تعریف منصوبوں پر پانی پھیر دیا اور اس کے خلاف پروپیگنڈہ کی مہم نے اس کی شہرت کو بھی خاک میں ملا دیا۔ ہمایوں کا انتقال 1461ء میں ہوا، اسے سوتے میں کسی خادمہ نے قتل کر دیا۔

9.9 نظام الدین احمد سوم (1461-1463)

ہمایوں کے انتقال کے بعد اس کا لڑکا احمد آٹھ سال کی عمر میں نظام الدین احمد شاہ سوم کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ ہمایوں نے اپنے عہد میں ہی ایک مجلس ولایت مقرر کر دی تھی جس کے اراکین خواجہ جہاں ترک، ملک التجار محمود گاواں اور مادر ملکہ مخدومہ جہاں بیگم تھے اور مادر ملکہ کو آخری رائے کا حق تھا۔ اس کے عہد میں محمود گاواں کو عمدۃ الملک اور وزیر کل اور طرفدار بیجاپور بنا دیا گیا اور خواجہ جہاں ترک کو وکیل اور طرفدار تلنگانہ۔ یہی تینوں حکومت کے منتظمین تھے۔ حکومت کا آغاز لوگوں کی عام معافی سے ہوا جنہیں ہمایوں نے سیاسی قصور یا فرقہ واری رجحان کی بنا پر قید کیا تھا اور دوسری طرف ان لوگوں کی سرپرستی کی گئی جو علم و فن یا سلطنت کی خدمت میں ممتاز تھے۔

بادشاہ کی کمسنی سے فائدہ اٹھا کر اُڑیسہ کے حکمران کپلیشور اور مالوہ کے حکمران محمود خلجی حملہ آور ہوئے۔ کپلیشور اپنے تلنگانہ کے اتحادیوں کے ساتھ دار السلطنت سے دس میل کے فاصلہ کے اندر تک بڑھ آیا اور بہمنی سلطنت سے خراج کا بھی مطالبہ کر دیا۔ نظام الدین احمد سوم نے اپنی فوج اس کے خلاف بھیجی اور شکست دی اور اس سے پانچ لاکھ فقرئی منکہ تاوان جنگ وصول کیا۔ دوسرا حملہ مالوہ کے حکمران محمود خلجی نے خاندیش کے فاروقی حکمران اور اُڑیسہ کے کپلیشور کے ساتھ مل کر کیا اس نے برار اور دولت آباد کے بھی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ ان حالات میں محمود گاوان نے گجرات کے حکمران محمود سے مدد طلب کر محمود خلجی پر حملہ آور ہوا اور شکست دی۔

معلومات کی جانچ

(1) احمد دوم کے بھائی محمد خان نے کیوں بغاوت کی؟

(2) ہمایوں شاہ کون تھا؟

(3) احمد دوم نے اپنے خسر ناصر خان سے کیوں جنگ کی؟

9.10 شمس الدین محمد سوم 1463-1482

شمس الدین محمد سوم جس وقت تخت نشین ہوا اس وقت اس کی عمر 9-10 سال کے درمیان تھی۔ محمد سوم بہمنی سلاطین کا سب سے زیادہ باکمال حکمران تھا۔ حکومت سنبھالنے کے کچھ ہی دنوں کے بعد خواجہ جہاں ترک اپنے خودسرانہ طرز عمل کی وجہ سے قتل کر دیا گیا۔ خواجہ جہاں کے قتل کے بعد سلطان شمس الدین محمد سوم نے محمود گاوان کو اپنا وزیر اعظم مقرر کیا اور اسے سلطنت کے تمام صوبے سپرد کئے اور تمام ادنیٰ و اعلیٰ معاملات کا اختیار دیا۔ اسے نہ صرف خواجہ جہاں کا خطاب دیا گیا بلکہ سرکاری کاغذات میں آقائے ساکنان عالم، معتمد قصر شاہی اور نائب السلطنت لکھا جانے لگا۔

محمود گاوان

محمود گاوان کی وزارت عظمیٰ میں بہمنی سلطنت نے وہ عروج حاصل کیا جو اس کی پوری تاریخ میں کبھی حاصل نہیں ہوا تھا۔ اس کے عہد وزارت میں خالص کلچرل کامیابی ہی نہیں ہوئی بلکہ اس نے کونکن علاقے کو کوا تک فتح کیا اور مشرق میں گوداوری کرشنا دوآبہ کو سلطنت میں شامل کر کے سلطنت کی سرحدوں کو وسیع کر دیا اور اُڑیسہ کے اندرونی حصے کانچی تک اور کارومنڈل کے ساحل پر کامیاب مہمات کیں۔ اس طرح بہمنی سلطنت کی حدود پہلی مرتبہ سمندر تک پہنچ گئیں اور مالوہ، اُڑیسہ اور وجے نگر کے حوصلوں کو کچھ دنوں کے لئے پست کر دیا۔

اس نے کونکن کے ہندو مخالفین کا خاتمہ کیا اور 1471ء میں سنگ میشور کے حکمران کو اپنا باجگزار بنایا۔ مالوہ کے حاکم محمود خلجی کو بھی شکست دی۔ 1472ء میں گوا پر قبضہ کیا۔ گوا جو وجے نگر کا حفاظتی علاقہ تھا اور مغربی سمندری کنارے کی سب سے مشہور بندرگاہ تھی۔ 1473ء میں اس نے بیلگام کو فتح کرنے کے بعد مغربی سمندری ساحل پر مکمل قبضہ کر لیا۔ مورخوں کا ماننا ہے کہ محمود گاواں کا اہم کارنامہ دابھول اور گوا سمیت سبھی مغربی علاقوں پر بالادستی اختیار کرنا تھا جس کے وجہ سے ایران اور عراق سے سمندری تجارت میں کافی اضافہ ہوا۔ اس کے علاوہ 1470ء میں اڑیسہ کا حکمران کپیلیشور گجپتی کے انتقال کے بعد جانشینی کو لے کر خانہ جنگی ہوئی جس میں محمود گاوان نے ہم ویر کا ساتھ دیا اور اسے تخت نشین کرانے میں کامیاب ہوا لیکن منگل رائے اسے گدی سے ہٹا کر خود تخت نشین ہو گیا اور پرشوتم گجپتی کا لقب اختیار کیا۔ اس نے سمندری ساحل کے کھیلنا اور سنگ میشور کے مقامی سرداروں کو شکست دی۔ چنانچہ ہم ویر نے اپنی سلطنت واپس لینے کے لئے بہمنی سلطان سے مدد کی درخواست کی۔ محمود گاوان نے ایک فوجی دستہ ملک حسن کی سربراہی میں اس کی مدد کو بھیجا جس کی مدد سے ہم ویر نے منگل رائے کو اڑیسہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ ملک حسن نے صرف اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ سلطان کی ایما پر آگے بڑھ کر راجہ سندری کو اور کوانڈاویڈو کے عظیم قلعہ کو بھی فتح کر لیا۔ لیکن

77-1478ء میں بہمنی اوراڑیسہ کے بیچ دوبارہ جنگ چھڑ گئی۔ایک بہمنی افسر بھیم راج نے بغاوت کر کے کونڈ پلی پر قبضہ کرلیا اور پرشوتم گجپتی کو بہمنی علاقوں پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔لیکن محمد گاوان کے سیاسی اقدامات کی وجہ سے پرشوتم ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوا۔

نظم ونسق

محمود گاوان ایک ہوشیار سیاست دان تھا اس نے ملکی اور غیر ملکی دونوں کے درمیان صرف توازن ہی برقرار نہیں رکھا بلکہ ہندو آبادی کی ہمدردی حاصل کرنے کی بھی کوشش کی اور فرقہ واریت کو ختم کیا۔اس نے ملکی نظم ونسق کو درست کیا محمود گاوان کے عہد وزارت میں سلطنت میں غیر معمولی وسعت ہوئی۔بہمنی سلطنت نہ صرف مغرب میں کونکن کے سارے ساحلی علاقے بلکہ جنوب میں گوا،مشرق میں آندھرا پردیش کی آخری حد تک اور جنوب میں تنگ بھدرا کے علاقے تک پھیل گئی۔اب تک یہ وسیع علاقے صرف چار صوبوں میں منقسم تھے۔جس سے مرکزی حکومت پر برے اثرات پڑنے لگے کیوں کہ ہر صوبہ کا طرفدار (والی) عملی طور پر چھوٹا بادشاہ ہوگیا تھا جو کبھی کبھی مرکزی احکام کی خلاف ورزی بھی کرتا تھا۔ اس کو مدنظر رکھتے ہوئے محمود گاوان نے سلطنت کو آٹھ صوبوں میں تقسیم کیا۔یہ آٹھوں صوبے گاویل، ماہور، دولت آباد،گلبرگہ، بیجاپور، جیر، راجہ سندری اور ورنگل تھے۔ہر صوبے کے لئے نئے گورنر منتخب کئے گئے اس کے علاوہ کچھ حصہ الگ کر کے براہ راست بادشاہ کی ماتحتی میں رکھا جس سے گورنروں کے اپنے علاقہ کے اختیارات پر مستحکم روک ہوگئی۔علاوہ بریں محمود گاوان نے فوجی نظام میں انقلابی تبدیلی کی۔اس نے یہ قاعدہ بنا دیا کہ ہر صوبہ دار کی ماتحتی میں صرف ایک قلعہ ہوگا اور باقی سب قلعوں کے قلعہ دار یا کمانڈر براہ راست مرکزی حکومت کی طرف سے مقرر ہوں گے اور مرکز ہی کو جواب دہ ہوں گے۔

ان ملکی اور فوجی اصلاحات کے علاوہ محمود گاوان پہلا وزیر تھا جس نے زمین کی باضابطہ پیائش کرائی،شہر اور گاؤں کی حد بندی کی اور مالگزاری کی تشخیص کی۔اس طرح ایک طرف تو اس نے سلطنت کے مالی تعین میں آسانی پیدا کردی اور دوسری طرف اس نے امراء کے اختیارات کی حد بندی کردی جس سے مرکز میں بادشاہ کی حکومت کی حیثیت مزید بڑھ گئی اور گورنروں کے بغاوت کے امکانات کم ہوگئے۔

علم وعلماء کی سرپرستی

محمود گاوان علم اور علماء کا بہت بڑا قدر دان تھا جس کی وجہ سے دکن کے بیرونی دنیا سے بہت گہرے کلچرل روابط ہوگئے تھے۔وہ خود بھی بلند پائے کا عالم تھا اور اپنے عہد کا ممتاز ترین فارسی انشا پرداز سمجھا جاتا تھا۔اس نے دارالسلطنت بیدر میں ایک دارالعلوم کی بنیا درکھی جس کی عمارت نہایت بارعب انداز میں تین منزل کی بنی تھی اور رنگین کھپروں سے مزین تھی اس میں روشنی اور ہوا کا بہت عمدہ انتظام تھا۔طالب علموں کو کتابوں کے علاوہ کھانا و کپڑے بھی مفت ملا کرتے تھے۔محمود گاوان کی کوششوں سے اس وقت کے مشہور ترین علم وفن کے ماہر نہ صرف ہندوستان بلکہ ایران وعراق کے ممتاز ترین افراد کا تعلق اس دارلعلوم سے تھا۔اس نے اپنے عہد کے اعلیٰ ترین اصحاب علم جیسے مولانا نورالدین جامی، مشہور ایرانی عالم جلال الدین دوانی، شیخ صدرالدین، عبدالرحمن وغیرہ کو دکن بلانے میں کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔دارالعلوم کی اصل عمارت 1696ء میں اورنگ زیب کے عہد میں بارودوں کے ایک ذخیرہ میں آگ لگ جانے کے سبب گرگئی تھی۔

محمود گاوان کے خلاف سازشیں

محمود گاوان نے جو انتظامی اصلاحات کی تھیں وہ گورنروں اور اس کے دشمنوں کو سخت ناگوار گزری تھیں اور وہ لوگ ہمیشہ بادشاہ کے کان بھرا کرتے تھے۔ محمود گاوان جب سلطان کے ساتھ وجے نگر کی مہم پر تھا تو اس کی غیر حاضری کا فائدہ اٹھا کر اس کے مخالفین نے سازش رچی اور محمود گاوان کے محرر کو جواہرات و گھوڑے وغیرہ کے تحفوں سے لاد دیا اور اسے شراب پلا کر ایک سادہ پرچہ پر محمود گاوان کی مہر لگوالی۔ اب اس سادہ پرچہ پر ایک خط اڑیسہ کے پرشوتم کے نام بنایا گیا جس میں پرشوتم کو دکن پر حملہ کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ اس سازش میں بادشاہ بھی آ گیا اور محمود گاوان کا سر قلم کروا دیا۔

معلومات کی جانچ

(1) عہد شمس الدین پر نوٹ لکھئے۔

(2) محمود گاوان کے کردار پر روشنی ڈالئے۔

(3) محمود گاوان نے نظام حکومت میں کیا کیا تبدیلیاں کیں؟

9.11 شہاب الدین محمود شاہ (1482-1518)

شمس الدین محمد سوم کے بعد اس کا بیٹا شہاب الدین محمود شاہ جانشین ہوا۔ اس وقت اس کی عمر 12 سال تھی اسی وجہ سے حکومت کی باگ ڈور نظام الملک کے ہاتھوں میں تھی جو محمود شاہ کا وزیر اعظم بھی تھا۔ شروع کے چار سال حکومت کا سیاہ و سفید کا مالک نظام الملک بنا رہا۔ اس دور میں ملکی دکنیوں کو کافی اہمیت دی گئی اور شہر کی ترکی آبادی کو ختم کرنے کا فیصلہ لیا گیا اور شہر کے پھاٹک اندر سے بند کر کے ترکوں کا قتل عام شروع کر دیا گیا۔ اس طرح حکومت کا نظم و نسق چار سال تک چلتا رہا لیکن 1486ء میں سلطان محمود نے ان حالات سے چھٹکارہ پانے کیلئے نظام الملک کو تلنگانہ مہم پر بھیج کر قتل کرا دیا اور حالات پر قابو پانے کے لئے سلطان نے اپنا جھکاؤ غیر ملکی دکنیوں کی طرف کیا۔ جس سے ملک کے حالات اور خراب ہوئے اور دکنیوں نے سلطان کو قتل کرنے کی سازش کی۔ 1487ء میں دکنیوں نے محل میں سلطان پر حملہ بول دیا مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ اس واقعہ کے بعد سلطان محمود نے دکنیوں کے قتل عام کا حکم دیا اور انکی جائداد کو ضبط کرالیا۔ یہ قتل عام تین دن تک جاری رہا لیکن یہ قتل عام اس کے زوال کی وجہ بنا کیونکہ جان بچ جانے کی خوشی میں سلطان نے چالیس دن تک جشن منانے کا حکم دیا اس کے بعد محل میں جو شراب نوشی اور رنگ رلیوں کا دور چلا اس سے حکومت کا نظام نہ صرف محل کے اندر متاثر ہوا بلکہ شہری آبادی بھی متاثر ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اخلاقی بے راہ روی کی تمام بندشیں ختم ہو گئیں۔

اس وقت سلطنت کے مختلف گورنروں اور جاگیرداروں نے محسوس کیا کہ حکومت سخت بے حسی کی حالت میں پہنچ گئی ہے اور یہ خیال کر کے کہ سلطنت کا زوال قریب ہے اپنا اپنا اقتدار جمانے کی کوشش کرنے لگے۔ سب سے پہلے جس نے سر اٹھایا وہ قاسم برید تھا جس کے پاس قندھار اور راوسا کی جاگیر تھی۔ سلطان محمود نے جب یہ سنا تو اپنی فوج بھیجی جسے قاسم برید نے شکست دی اور سلطان محمود کا وزیر اعظم بن گیا اور سبھی

سیاہ وسفید کا مالک ہوگیا۔

1518ء میں سلطان شہاب الدین محمود کا انتقال ہوا اور بہمنی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا، کیونکہ اس کے انتقال پر تمام جاگیرداروں نے شاہی لقب اختیار کر لئے اور بہمنی حکومت پانچ حصوں میں منقسم ہوئی اور پانچ آزاد حکومتیں قائم ہوئیں جو بعد میں سلطنت بیجاپور، سلطنت احمد نگر، سلطنت برار، سلطنت گول کنڈہ اور سلطنت بیدر کے نام سے مشہور ہوئیں۔

9.12 بہمنی حکومت کا خاتمہ

سلطان شہاب الدین وزیر اعظم قاسم برید اور اس کے بیٹے امیر علی برید کے ہاتھوں کٹھ پتلی تھا۔ 1518ء میں سلطان محمود کے انتقال کے بعد اس کے فرزند احمد (1518 سے 1521)، علاء الدین (1521)، ولی اللہ (1521۔1524) اور کلیم اللہ یکے بعد دیگرے حاکم بنے۔ کلیم اللہ بہمنی سلطنت کا آخری حکمران تھا اس نے اپنی حکومت کو بچانے کے لئے مغل حکمران بابر سے مدد طلب کی مگر اس نے کوئی توجہ نہ دی۔ 1526ء میں کلیم اللہ کا انتقال ہوا اور اسی کے ساتھ بہمنی حکومت کا خاتمہ ہوا۔

معلومات کی جانچ:

(1) بہمنی سلطنت کا آخری حکمران کون تھا؟

(2) شہاب الدین محمود شاہ کے عہد میں گورنروں نے کیوں اپنی خودمختاری کا اعلان کیا؟

9.13 بہمنی سلطنت کا نظم ونسق

مرکزی نظام حکومت:

سلطان: سلطان حکومت کا اہم مرکز تھا وہ حکومت کے سیاہ وسفید کا مالک ہوتا تھا۔ گرچہ وہ اپنے فیصلہ میں آزاد تھا مگر حکومت کا نظام آٹھ وزرا کی مدد سے چلتا تھا جو حسب ذیل ہیں۔

(1) **وکیل السلطنت:** یہ وزیر اعظم کا عہدہ تھا سلطان کے سارے فرمان اسی کے ذریعہ نافذ کئے جاتے تھے وہ حکومت کی مہر کا ذمہ دار ہوتا تھا۔

(2) **امیر الجملہ:** یہ وزیر بیت المال تھا۔

(3) **وزیر اشرف:** یہ وزیر خارجہ تھا (Foreign Minister)

(4) **وزیر کل:** یہ نائب وزیر اعظم تھا جو وزراء کے کاموں پر نظر رکھتا تھا۔

(5) **پیشوا:** وزیر کل کا مددگار ہوتا تھا۔

(6) **ناظر:** وزیر بیت المال کا مددگار تھا۔

(7) **کوتوال:** یہ صاحب الشرطہ تھا اس کا کام سماج میں امن وامان قائم رکھنا تھا۔ یہ پولیس کا سربراہ اور شہر کا منصف ہوتا تھا۔

(8) **صدر جہاں:** یہ قاضی ہوتا تھا سلطان کی غیر موجودگی میں قاضی القضاۃ کا کام انجام دیتا تھا۔

صوبائی نظام حکومت

سلطنت کے ابتدائی دنوں میں حکومت کم وبیش فوجی قانون کے ماتحت رہتی تھی، لیکن محمد اول نے حکومت کو نیم فوجی بنیاد پر قائم کیا اس نے سلطنت کو صوبوں میں تقسیم کیا جو برار، گلبرگہ، دولت آباد اور تلنگانہ تھا۔ ہر صوبہ میں ایک گورنر منتخب کیا جو طرفدار کہا جاتا تھا۔ ہر طرفدار اپنے صوبہ میں نظم ونسق کو قائم کرنے کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ اس کے اہم کاموں میں فوجی نگرانی، ٹیکس وصولنا اور اپنا نائب منتخب کرنا تھا۔

محمد شاہ سوم کے عہد میں سلطنت میں غیر معمولی توسیع ہوگئی تو محمود گاوان کے مشورہ سے سلطنت کو آٹھ صوبوں میں تقسیم گیا۔ برار کو گاویل اور ماہور میں، گلبرگہ کو بیجاپور اور گلبرگہ، دولت آباد کو دولت آباد اور جیر اور تلنگانہ کو راجہ سندری اور ورنگل میں تقسیم کیا گیا۔

اس کے علاوہ صوبوں کو مزید سرکار اور پرگنوں میں بھی تقسیم کیا گیا تھا اور ایک پرگنے میں بہت سے گاؤں ہوتے تھے۔

معلومات کی جانچ

(1) مرکزی حکومت کے اہم عہدوں کے نام لکھئے۔

(2) صوبائی نظام حکومت پر نوٹ لکھئے۔

9.14 تعمیرات وعلمی سرپرستی

تعمیرات

بہمنی حکمرانوں میں محمد اول نے تعمیرات کے کام میں کافی دلچسپی لی اس کے عہد کی تین بڑی یادگار عمارتیں ہیں۔ ایک تو گلبرگہ کی جامع مسجد، دوسری گلبرگہ میں ہی شاہ بازار مسجد اور تیسری عثمان آباد میں حضرت شمس الدین کا مزار۔ ان عمارتوں میں ترک وایرانی اثرات بہت نمایاں ہیں۔ ترک اور ایرانیوں نے ہندو اثرات سے دکن کے فن تعمیر کو بالکل بدل دیا اور نئے طرز تعمیر کی بنیاد ڈالی جو بعد میں دکنی طرز تعمیر کہلایا۔ محمد اول کے عہد کا خاص معمار رفیع تھا جس کا تعلق قزوین سے تھا۔ سلطان تاج الدین فیروز کا مقبرہ بھی اپنی فن تعمیر کا شاہکار ہے۔ اس میں ہندو اثرات کا نفوذ بڑی حد تک نمایاں ہے یہ ایرانی، ہندو اور دہلوی اسکولوں کا امتزاج ہے۔ اس کے علاوہ فیروز نے دریائے بھیما پر ایک بڑا شہر تعمیر کیا۔ جس میں کشادہ اور سیدھی سڑکیں، خوبصورت دکانیں اور بازار ہیں اور دریا سے پانی محل کے اندر تک پہنچایا گیا ہے۔ اس شہر کی تعمیرات فن تعمیر میں اپنی آپ مثال ہیں جن کے انوکھے تعمیری منصوبے دکن کے باہر کہیں اور نہیں نظر آتے۔ اس کی اصلی خصوصیت گنبد اور مخروطی چھت کا ملا جلا استعمال ہے۔ شہر کے چار بڑے پھاٹک ہیں۔ دیوان خاص کے قریب حرم شاہی کے کمرے ہیں۔ مسافر خانہ، زنان خانہ کے محرابی کمرے، غسل خانے اور

مسجد۔اس عہد میں گنبداور مخروطی میناروں کو بڑی خوبصورتی سے استعمال کیا ہے۔چھتوں پر نیچی دیواریں بھی بالکل نئے طرز کی ہیں اور کناروں پر چھوٹے چھوٹے مینار بنے ہیں۔

گلبرگہ کی ممتاز یادگاروں میں حضرت گیسودراز کا مقبرہ ہے اسی کے ساتھ ان کے فرزند سید اکبر حسینی کا مزار بھی ہے جو مخلوط ایرانی دکنی یا بہمنی فن تعمیر کا نمونہ ہے اس کے چار کونوں پر چار چھوٹے چھوٹے گلدان ہیں اور اوپر ایک عظیم الشان گنبد ہے جس پر پیتل کے نقوش ہیں۔اس کی محرابیں سادی اور قریب قریب ہیں۔گلبرگہ کی ایک اور مسجد ہے جسے یہاں کے گورنر قلندر خان نے تعمیر کیا تھا۔اس میں پانچ محرابوں کی دوہری قطاریں ہیں اور چھت کے اوپر پانچ گنبد ہیں۔ان محرابوں کے ستون لمبے لمبے ہیں۔

بیدر میں ایک قلعہ ہے جس کی چھت کی رنگین کھپروں سے آرائش کی گئی ہے اس قلعہ کے پاس سولہ کھمبا مسجد ہے اس کی چھت سولہ بھاری کھمبوں پر کھڑی ہے اس مسجد کی دو خاص باتیں ہیں ایک تو مسجد میں پانی کا ذخیرہ چھت پر ہے اور دوسرے اُس مسجد کا ہر نمازی امام کو دیکھ سکتا ہے اور ہوا کھلی آمد و رفت ہے۔بیدر کا تخت شاہی محل اور اس کے متصل محلات بہت خوبصورت ہیں اس میں کئی بڑے بڑے وسیع ہال ہیں جو رنگین کھپروں سے مزین ہیں۔تخت محل جس میں کئی بہمنی حکمرانوں کی تخت نشینی ہوئی اس کی محرابیں بلند ہیں اور کھپروں سے آرائش کی گئی ہے،جس کے پاسنگ میں منقش سیاہ رنگ کی دھاریاں ہیں جو بیش قیمت ہونے کے علاوہ اعلیٰ ترین مذاق سلیم کی نشاندہی کرتی ہیں کمروں کے اندرونی حصوں کا نقشہ نہایت فنکارانہ ہے۔تخت محل کے مغرب اور مشرق دونوں طرف شیر اور اس کے پشت پر طلوع ہوتا ہوا آفتاب دکن کے فن پر ایرانی اثر کا مظاہرہ کرتا ہے۔شہر بیدر میں ان محلات کے علاوہ سلطان احمد شاہ کا مقبرہ ہے۔اس مقبرے کو باہر سے دیکھنے پر تین منزلیں معلوم ہوتی ہیں اور چاروں سمت داخلہ کے دروازوں پر جو محرابیں ہیں وہ بلند اور شاندار ہیں اس کے کناروں کے گلدان چھوٹے چھوٹے ہیں اور گنبد بیضوی ہے۔مقبرے کے اندر کی آرائش خوش نویس مغیث شیرازی نے کی تھی جس نے حضرت محمد ﷺ اور حضرت علیؓ کا نام سینکڑوں طرز سے لکھا ہے۔اس کے علاوہ شیعی درود بھی اس نے دل کش انداز میں لکھا ہے اس لئے اس میں ہمیں نمایاں طور پر شیعیت کا اثر نظر آتا ہے۔اس میں عربی خط کے کئی طرز مثلاً کوفی،طغرا،نسخ وغیرہ کے نمونے ہیں اور اس کے کتبے سنہرے اور قرمزی رنگ کے ہیں اور انکی بنیاد بھی شوخ رنگ کی ہے جس میں جابجا چمکدار جواہرات جڑے ہوئے ہیں اور ایسا کہا جاتا ہے کہ اس میں بعض بیش قیمتی اصلی ہیرے ہیں۔

بیدر کی ایک اور مشہور عمارت شاہ نعمت اللہ کرمانی کا مقبرہ ہے۔اس مقبرہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کوئی گنبد نہیں ہے اور شیراز کے مغیث کا لکھا ہوا خط ثلث میں ایک نہایت خوبصورت کتبہ ہے۔ساری عمارت سادہ مگر پر شکوہ ہے محراب بہت خوبصورت ہے اس کے سنگ سیاہ کے حاشیوں میں بھی جن پر لکیروں،پتیوں اور پھولوں کے طرز کے نقوش کندہ ہیں۔ایک اور خوبصورت کھپرے کی لوح بھی ہے اس عمارت کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اس میں رنگ برنگ کے نہایت خوبصورت کھپروں کا آزادانہ استعمال ہے،خصوصاً گہرے نیلے اور سبز رنگ۔اس کے علاوہ ایک خوبصورت سا مینار ہے جسے چاند مینار کہا جاتا ہے یہ ایک اکیلا مینار ہے جو 1445ء میں خالص ایرانی طرز پر تعمیر کیا گیا تھا،یہ مینار بالکل مدور ہے جس کے گرد ہوا اور روشنی جانے کے لئے اور موذن کو اذان کہنے کے لئے برآمدے نکلے ہیں یہ مینار نیچے سے اوپر کی طرف بتدریج پتلا ہوتا گیا ہے اور اوپر گنبد ہے۔

علمی سرپرستی

سلاطین بہمن عام طور پر علماء وفضلاء کی صحبت سے فیضیاب ہوتے تھے۔انکی بہت عزت کیا کرتے تھے۔بہمنی عہد حکومت میں عرب وعجم کے نہایت مشہور شعراء،صوفیاءِ کرام دکن آتے تھے۔انہیں انعام واکرام سے نوازا جاتا تھا۔ایک بار محمود شاہ کے عہد میں ایک عجمی شاعر دکن آیا اور محمود شاہ کے دربار میں ایک قصیدہ پڑھا بادشاہ نے اسے ایک ہزار روپے کے برابر رقم کا ایک سونے کا سکہ دیا۔محمود شاہ ہر ایک کی قدر کرتا تھا اس کی شہرت بہت دور دور تک پھیل گئی تھی۔مصنف تاریخ فرشتہ لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ شمس الدین حافظ شیرازی جیسے بزرگ دکن کے سفر پر آمادہ ہوگئے۔خواجہ زین العابدین ہمدانی اور خواجہ محمد گازرونی جو اپنے عہد کے مشہور تاجر تھے ان لوگوں نے بھی حافظ شیرازی کے اخراجات کی کفالت کی ذمہ داری لی۔لیکن موسم کی خرابی کے وجہ سے وہ دکن کا سفر نہ کرسکے لیکن ایک غزل لکھ کر بھیجی۔سلطان محمد شاہ کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے کہا جو عالم دکن کے لئے روانہ ہوا وہ ہمارے انعام واکرام اور تحفہ وتحائف کا حقدار ہوگیا ہے اور اس نے ایک ہزار سکہ طلائی عنایت کئے۔

سلطان فیروز شاہ بھی علم کا دلدادہ تھا اور فن وکمال کا بہت قدردان تھا۔وہ خود کہا کرتا تھا کہ ہر ملک کا سب سے بہترین اور اعلیٰ تحفہ اس ملک کے ماہر کمال وفن اشخاص ہیں۔وہ ہر ملک کے اہل کمال کو اپنے دربار میں جمع کرنا چاہتا تھا اور یہی سبب تھا کہ ساری دنیا کے اہل کمال اس کے دربار میں حاضر ہوکر انعام واکرام سے مالا مال ہوتے تھے۔وہ دنیا کی بہت سی زبانوں کا ماہر تھا اور ہر ملک کے باشندوں سے اسی کے ملک کی زبان میں بات چیت کرتا تھا اس کا حافظہ غضب کا تھا جو بات ایک بار سن لیتا تھا اس کو زندگی بھر نہیں بھولتا تھا۔مستند شعراء کے اشعار اس کو ازبر تھے۔وہ خود بھی کبھی عروضی اور کبھی فیروزی کے تخلص سے اشعار کہتا تھا۔ملا داؤد بیدری نے اس کی علمی سرپرستی اور ذوق کو مدنظر رکھتے ہوئے ہی اپنی کتاب ''تحفۃ السلاطین'' اس کے نام معنون کی ہے۔

فیروز شاہ کو تمام علوم سے دلچسپی تھی خاص طور پر تفسیر،اصول حکمت،طبعی اور نظری سے اور ان علوم میں اس کو دستگاہ بھی حاصل تھی۔صوفیاءِ کرام کی اصلاحات سے بھی شغف تھا،ہفتے میں تین دن درس وتدریس کے لئے تھے اس کے پڑھنے کی خاص کتب زاہدی،شرح تذکرہ،فن ریاضی،شرح مقاصد کلام،اقلیدس،علم ہندسہ اور علم معانی وبیان کی تھیں۔طلباء کو پڑھانے کا وقت اگر دن میں نہ ملتا تو رات کو پڑھاتا اور ذخیرہ معلومات سے ان کے دلوں کو معمور کردیتا تھا۔

سلطان احمد شاہ بھی علم اور اہل علم کا سرپرست اور قدردان تھا اس کے عہد کا مشہور عالم شیخ آذری اسفرائنی تھا اس نے احمد شاہ کی اجازت سے بہمن نامہ لکھا تھا۔اسفرائنی نے جب اپنے ملک جانے کی اجازت مانگی تو احمد شاہ نے کہا کہ حضرت گیسودراز کے انتقال کے بعد جو خلا پیدا ہوگیا تھا اس کو آپ نے کسی حد تک پر کردیا ہے۔اب اس طرح جدا ہوکر جانے سے مجھے بہت تکلیف ہوگی۔شیخ آزری نے بادشاہ کو اتنا مہربان اور مخلص پایا تو اپنی اولاد کو بھی یہیں بلالیا۔شیخ آذری نے دارالامارات کے محل کی شان وشوکت میں بھی اشعار لکھے ہیں جسے خوش خط میں پتھر پر کندہ کروا کر محل کے دروازہ پر جڑ دیا گیا۔

سلطان شمس الدین محمد سوم کا وزیر اعظم محمود گاوان بھی علم کا شیدائی تھا وہ منقولات ومعقولات میں دسترس رکھتا تھا۔خاص طور پر ریاضی اور طب میں تو اسے بہت ہی کمال حاصل تھا۔نظم ونثر وانشاء میں وہ اپنی مثال آپ تھا خوش نویسی پر بھی اسے کمال حاصل تھا۔اس کا دیوان اور رسالہ روضۃ الانشاء دکن کے اکثر اہل علم کے پاس موجود ہے۔محمود گاوان کا یہ دستور تھا کہ وہ اپنے عہد کے خراسانی اور عراقی فضلاء سے خط وکتابت کیا کرتا

تھا۔اس کے لکھے ہوئے خطوط اس کی کتاب انشاء میں شامل ہیں ۔مولانا عبدالرحمٰن جامی نے خواجہ کی مدح میں ایک قصیدہ اور ایک قطعہ لکھا ہے۔

معلومات کی جانچ:

(1) محمد اول کے دور کی تین اہم عمارتوں کے نام لکھئے؟

(2) بہمنی تعمیرات کس سے متاثر ہیں؟

(3) محمود گاوان کی علمی سرپرستی پر نوٹ لکھئے۔

9.15 خلاصہ

محمد بن تغلق کے آخری زمانہ میں ملک میں انتشار پیدا ہوگیا، ملک کے حصے بخرے ہونے لگے تب دکن میں بہمنی سلطنت حسن گانگو نے قائم کی اور فتوحات سے سلطنت کو بہت وسعت دی وہ علم دوست بادشاہ تھا۔اس کے بعد اس کا پوتا محمد شاہ ثانی تخت نشین ہوا،مورخین نے اس کے عادات واخلاق کی بڑی تعریف لکھی ہے،اس کے عہد میں قانون کی پابندی اور عدل وانصاف کا بول بالا رہا اور علم وفن کو ترقی ہوئی بڑے بڑے شہروں میں مدرسہ قائم کئے گئے۔بہمنی سلطنت کا دوسرا فرمانروا فیروز شاہ تھا اس کا دور عروج کا زمانہ تھا اس نے اپنے عہد میں سیاسی تدبر اور تدبر مملکت سے ملک کو بلند منزل پر پہنچادیا۔وہ اپنی علمی قابلیت میں مشہور تھا اور کئی زبانوں کا عالم تھا۔اس کے بعد اس کا بھائی احمد خان حکمران بنا اور اپنا دارالسلطنت گلبرگہ کے بجائے بیدر کو بنایا جس کو خوب ترقی دی اور یہ دنیا کے چند مشہور شہروں کے مدمقابل بن گیا۔اس کے عہد میں جو لڑائیاں ہوئی اس میں کوئی خاص کامیابی نہیں ملی مگر تمدنی لحاظ سے ملک کی ترقی ہوئی۔

احمد شاہ کے بعد اس کا بیٹا علاءالدین ثانی پھر ہمایوں شاہ، نظام شاہ اور محمد شاہ ثانی بیدر کے تخت پر تخت نشین ہوئے۔علاءالدین نے شفاخانہ تیار کروایا جہاں مریضوں کو غذا اور دوا مفت دی جاتی تھی۔شفاخانہ کے لئے کئی گاؤں وقف تھے۔ہمایوں شاہ اپنے زور وظلم کے باعث بہمنی سلطنت کا بدنام بادشاہ ہے۔ہمایوں کے بعد نظام شاہ نے دو سال حکومت کی پھر محمد شاہ ثانی حاکم بنا جو بقول فرشتہ فیروز شاہ بہمنی کے بعد خاندان بہمن کا علم دوست، ذی علم اور شائستہ بادشاہ تھا۔اس کے وزیر اعظم محمود گاوان کے تدبر وفراست کے باعث ملک کو وسعت حاصل ہوئی۔اس نے ملک کو آٹھ صوبوں میں منقسم کیا اور والی مقرر کئے اور امن امان بحال کیا۔لیکن بعد میں سلطان محمد ثانی اور محمود گاوان میں اختلاف پیدا ہوا اور محمود گاوان کو قتل کردیا گیا۔اس کے بعد سے سلطنت زوال کی طرف گامزن ہوئی۔بہمنی سلطنت کا آخری حکمران کلیم اللہ تھا جس کے 1527ء میں مرنے کے بعد حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔

9.16: نمونے کے امتحانی سوالات

درج ذیل سوالات کے جواب تیس سطروں میں لکھئے:

(1) بہمنی سلاطین میں کس کا دور عہد زریں کا دور کہا جاتا ہے اور کیوں؟

(2) عہد احمد اول پر ایک نوٹ لکھئے۔

(3) بہمنی سلطنت کے مرکزی اور صوبائی نظام پر روشنی ڈالئے۔

درج ذیل سوالات کے جواب پندرہ سطروں میں لکھئے:

(1) تاج الدین فیروز شاہ کے عہد حکومت اور نظام سلطنت پر مختصر نوٹ لکھئے۔

(2) محمود گاوان کے سیاسی نظام پر روشنی ڈالئے۔

(3) عہد بہمنی کی تعمیرات کا جائزہ لیجئے۔

(4) بہمنی دور میں علماء کی سرپرستی پر نوٹ لکھئے۔

9.17 مطالعہ کے لیے معاون کتابیں

(1) محمد قاسم فرشتہ: تاریخ فرشتہ (مترجم عبدالحی خواجہ) لاہور پاکستان

(2) ہارون خان شیروانی: دکن کے بہمنی سلاطین (مترجم رحم علی الہاشمی) نئی دہلی، 1982

(3) محمد نصیر الدین ہاشمی: دکنی کلچر، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1963

(4) دائرۃ المعارف: شعبہ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

(5) History of Islam Masudul Hasan

(6) Medival India S.K. Pandey

اکائی-10 نظام شاہی حکومت، عادل شاہی حکومت، قطب شاہی حکومت، بریدشاہی حکومت اور عمادشاہی حکومت

اکائی کے اجزاء

10.1 مقصد

10.2 تمہید

10.3 عادل شاہی حکومت

10.4 قطب شاہی حکومت

10.5 نظام شاہی حکومت

10.6 عمادشاہی حکومت

10.7 بریدشاہی حکومت

10.8 خلاصہ

10.9 نمونے کے امتحانی سوالات

10.10 مطالعہ کے لیے معاون کتابیں

10.1 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلباء بہمنی حکومت کے زوال کے بعد منظر عام پر آنے والی پانچ خودمختار حکومتیں مثلاً نظام شاہی حکومت، عادل شاہی حکومت، قطب شاہی حکومت، بریدشاہی حکومت اور عمادشاہی حکومت کے عروج و زوال، ان حکومتوں کے مشہور سلاطین اور ان کے کارنامے نیز علم و علماء سے ان کے تعلق و سرپرستی اور نظم و نسق سے واقفیت حاصل کرسکیں گے۔

10.2 تمہید

بہمنی سلطان شمس الدین محمد سوم کے انتقال کے بعد اس کا شیر خوار بیٹا شہاب الدین محمود شاہ سلطان بنا، وہ کم سن تھا اس لئے حکومت کی باگ ڈور نظام الملک کے ہاتھوں میں رہی جو بعد میں اس کا وزیر اعظم ہوا۔ اس کے عہد میں دکنیوں اور غیر دکنیوں میں کشیدگی بڑھتی گئی۔ سلطان

اس کشیدگی سے چھٹکارا پانا چاہتا تھا۔ نظام الملک کا جھکاؤ دکنیوں کی طرف تھا اور سلطان کا غیر دکنیوں کی طرف اس لئے سلطان شہاب الدین محمود شاہ نے نظام الملک کو قتل کرا دیا جسکی وجہ سے دکنیوں نے محل پر حملہ بول دیا لیکن غیر دکنیوں کی مدد سے سلطان کی جان بچ گئی۔ اس واقعہ کے بعد سلطان نے دکنیوں کا یک طرفہ قتل عام کرایا اور یہی بہمنیوں کی زوال کی وجہ بنی اور دن بدن بہمنی سلطنت کا شیرازہ بکھرتا چلا گیا اور صوبے کے گورنروں نے اس کا فائدہ اُٹھا کر اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں بہمنی سلطنت پانچ خودمختار حکومتوں میں تقسیم ہوگئی جو حسب ذیل ہیں:

(1) بیجاپور میں یوسف عادل شاہ نے 1489ء میں عادل شاہی حکومت کی بنیا درکھی۔

(2) احمد نگر میں ملک احمد نے 1490ء میں نظام شاہی حکومت کی بنا رکھی۔

(3) برار میں فتح اللہ عماد نے 1490ء میں عماد شاہی حکومت قائم کی۔

(4) گولکنڈہ میں قلی قطب شاہ نے 1512ء میں قطب شاہی حکومت کی بنیا درکھی۔

(5) اور بیدر میں امیر علی برید نے 1619ء میں برید شاہی حکومت کی بنیا درکھی۔

10.3 عادل شاہی حکومت

بیجاپور کی عادل شاہی حکومت کا بانی یوسف عادل شاہ ہے جس کے متعلق یہ عام رائے ہے کہ وہ سلاطین عثمانیہ ترکی کے خاندان سے تھا۔ بہمنی حکومت کے دور میں بیجاپور کا صوبہ دار تھا۔ بہمنی حکومت کے کمزور ہونے پر 1489ء میں یوسف عادل شاہ نے بیجاپور میں حکومت قائم کی۔ یکے بعد دیگرے نو اشخاص حکومت کرتے رہے بالآخر سکندر عادل شاہ کے عہد میں 1686ء مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے بیجاپور کو فتح کر کے حکومت عادل شاہی کا خاتمہ کر دیا۔

10.3.1 یوسف عادل شاہ (1490-1510)

یوسف عادل شاہ اپنی قابلیت کے لحاظ سے اپنے عہد میں ممتاز تھا وہ دور اندیش اور تجربہ کار فرمانروا تھا۔ یوسف عادل شاہ کی شخصیت شجاعت، سخاوت اور انصاف جیسے محاسن کا مجموعہ تھی۔ ذاتی اوصاف کے ساتھ ساتھ وہ علمی کمالات سے بھی متصف تھا۔ خوش خطی کے علاوہ وہ علم و شاعری کا بھی ماہر تھا۔ اسے علم موسیقی میں کمال حاصل تھا۔ طنبور وغیرہ کو نہایت عمدگی سے بجاتا تھا اور اس فن کے استادوں کی بے حد قدر کرتا تھا۔ دور دور سے علماء اور اصحاب علم کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دیتا اور ان کو قیمتی تحائف ارسال کرتا تھا۔ مشہور مورخ فرشتہ نے اس کی علم دوستی اور علماء کی سرپرستی کی بڑی تعریف کی ہے۔ فرشتہ لکھتا ہے "اس دور میں حنفی، شافعی اور شیعی علماء بڑے خلوص اور محبت سے ملتے تھے اور باہم کسی طرح کا بغض و کینہ نہ رکھتے تھے"۔ اس کا نکاح مرہٹہ کے ایک سردار کی بہن بونجی خانم سے ہوا تھا۔ اس سے ایک لڑکا اسماعیل اور تین لڑکیاں تولد ہوئیں۔ اس کے عہد میں شیعہ مذہب کو ترجیح دی گئی تھی۔

10.3.2 اسماعیل عادل شاہ(1510-1534):

یوسف عادل شاہ کے بعد اس کا فرزند اسماعیل مسند پر بیٹھا اور 1534ء تک بڑی شان وشوکت سے حکمرانی کی۔اس کے عہد میں 1510ء میں پرتگالیوں نے گوااور وجے نگر کے حاکم کرشنہ دیو نے رائچور دوآب پر قبضہ کرلیا۔اسماعیل عادل شاہ بھی اپنے والد یوسف عادل شاہ کی طرح علم دوست اور صاحب علم اور شاعر تھا،وفائی کے تخلص سے شاعری کرتا تھا وہ بہت سخی تھا۔اس کی سخاوت سے ملک کی آمدنی اخراجات کے لئے کافی نہ ہوتی تھی۔وہ نرم دل تھا خطا کاروں کی خطاؤں پر چشم پوشی کرتا تھا۔وہ فحش الفاظ کبھی زبان سے نہیں نکالتا تھا اور ہمیشہ عالموں اور فاضلوں کے درمیان رہتا تھا۔علم وموسیقی سے بھی اسے دلچسپی تھی۔اس کی شاعری کے متعلق فرشتہ لکھتا ہے کہ دکن کے کسی بادشاہ نے اسماعیل عادل شاہ جیسے لطیف اور متین اشعار نظم نہیں کئے۔

10.3.3 ابراہیم عادل شاہ(1534-1558):

اسماعیل عادل شاہ کے انتقال کے بعد اسکا بیٹا ملو کی تخت نشین ہوا۔وہ نااہل حکمراں ثابت ہوا اور چھ ماہ کے بعد اسکے چھوٹے بھائی ابراہیم عادل شاہ نے تخت پر قبضہ کیا اور 1534ء میں بادشاہ بنا۔وہ بھی صاحب علم اور علم دوست تھا اس نے اپنے باپ دادا کے مذہب شیعہ کو ترک کرکے سنی مذہب اختیار کیا اس کی وجہ سے ایرانی اثر دربار میں کم ہوگیا۔دکن کے ارباب کمال اس کے مقرب بن گئے۔اس کی وجہ سے دکنی زبان کو عروج ہوا یعنی ہندوی (دکنی اردو) نے فارسی زبان کی جگہ لے لی۔اس کے عہد میں ہندوؤں کو اونچے اونچے عہدوں پر فائز کیا گیا۔ ابراہیم عادل شاہ اول کے متعلق فرشتہ لکھتا ہے کہ وہ بڑا بہادر تھا اور اپنی مردانگی اور شجاعت کی وجہ سے کسی بات کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔

10.3.4 علی عادل شاہ اول(1558-1580):

ابراہیم عادل شاہ کے بعد اس کا فرزند علی عادل شاہ اول مسند حکومت پر 1558ء میں متمکن ہوا۔اس کے عہد میں شولاپور کے قبضہ کو لے کر احمد نگر اور بیجاپور کے بیچ چلی آرہی کشیدگی بہت بڑھ گئی۔علی عادل شاہ نے اپنے کو مضبوط کرنے کے لئے وجے نگر کے حکمران رامارائے سے معاہدہ کیا۔دونوں فوجوں نے مل کر احمد نگر پر حملہ کیا۔احمد نگر کا حاکم حسین نظام شاہ بھاگ لیکن کرجیر چلا گیا بعد میں علی عادل شاہ نے حسین نظام شاہ کی صاحبزادی چاند بی بی سے نکاح کرکے احمد نگر کے ساتھ بھی معاہدہ کرلیا۔اس کے عہد حکومت میں عادل شاہی سرحدیں ہونا ور بندرگاہ سے لے کر تنگ بھدراندی تک پھیلی ہوئی تھیں۔علی عادل شاہ نے مغل حکمران اکبر سے خوشگوار رشتہ قائم کیا اور دونوں طرف سے سفیروں کا آنا جانا ہوا۔1580ء میں ایک خواجہ سرا نے علی عادل کو اس کے حرم میں قتل کردیا۔

علی عادل شاہ بھی اپنے اجداد کی طرح صاحب علم تھا اسے مطالعہ کا ایسا شوق تھا کہ سفر میں بھی چار سو صندوق کتابوں کے ساتھ رہا کرتے تھے۔اس کے کتب خانے میں بیسیوں کاتب،خوش نویس،مجدول اور نقاش مامور تھے۔اس نے سنی مذہب ترک کرشیعہ مذہب اختیار کر لیا۔وہ بہت سخی تھا۔اس نے زر کثیر دے کر ملا فتح اللہ شیرازی کو طلب کیا۔علی عادل شاہ نے باپ کے تمام اندوختے اور خود اپنے عہد کی تمام دولت ایران،عرب اور روم کے دیگر ممالک کے فضلا اور مستحقین کو عطا کردی۔اس کے عہد میں بادشاہوں اور وزیروں کے مکانوں میں علمی جلسے ہوا کرتے تھے۔محمد علی،سید مصطفیٰ خاں،شاہ عبدالحسن اور شاہ ابوالقاسم جیسے علماء اس کے درباری زینت بنے ہوئے تھے۔ملا محمد رضا مشہدی اس کا

درباری شاعر تھا۔اس کے عہد تعمیرات میں گول گنبد بہت اہم ہے اس کی خصوصیت دکن اور غیر دکنی تعمیرات کا سنگم ہے۔

10.3.5 ابراہیم ثانی(1558-1627):

علی عادل شاہ کے قتل کے بعد اس کی جگہ اس کا بھتیجا ابراہیم عادل شاہ ثانی فرماں روا ہوا۔اس کی کم سنی کے باعث اول تو کئی سال تک نائب حکومت کرتے رہے خاص کر اس کی چچی چاند بی بی۔جس سے حکومت کا شیرازہ بکھرتا گیا۔اس لئے ابراہیم نے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے لی تو اس کو اپنے ہمسایوں سے کئی جنگیں لڑنی پڑیں مغلوں نے احمد نگر پر حملہ کر قبضہ کر لیا اور ابراہیم نے ان کی باجگذاری قبول کر لی پھر اپنی بیٹی کا نکاح شہزادہ دانیال سے کر دیا۔

ان سیاسی اُتھل پُتھل کے باوجود بھی اس کے عہد میں علم وادب کی ترقی ہوئی۔نہ صرف احمد نگر سے کئی ارباب علم بیجاپور آئے بلکہ ایران اور حجاز سے بھی اصحاب علم وسلوک بیجاپور میں آتے رہے۔دکن کا مشہور مورخ فرشتہ اس کے عہد میں بیجاپور آیا تھا اس نے ابراہیم کے کردار کی بڑی تعریف کی ہے۔ابراہیم کو شاعری اور موسیقی سے بڑی انسیت تھی جس کا ثبوت اس کی کتاب ''نورس'' سے ملتا ہے۔لفظ نورس سے اس کو بڑی دلچسپی تھی۔اسی نام پر ایک شہر آباد کیا،قلعہ بنایا،درباری شاعر عبدالقادر کو نورس کا لقب دیا،یہاں تک کہ شاہی مہر پر بھی نورس کندہ تھا۔وہ مشہور چشتی صوفی بندہ نواز گیسودراز کا گرویدہ تھا۔ان کی تعریف میں ایک قصیدہ بھی لکھا تھا۔ابراہیم مرہٹی،دکنی،اردو اور کنڑ زبانوں کا ماہر تھا۔اس کے عہد میں کئی ہندوؤں کو اعلیٰ مرتبہ حاصل تھا۔اس نے شیعہ،سنی اور دیگر مذہب میں ہم آہنگی پیدا کی۔اسے خوش خطی سے بھی دلچسپی تھی اس کی ان مختلف صفات کی وجہ سے عوام نے اسے ''جگت گرو'' کا خطاب دیا تھا۔

10.3.6 محمد عادل شاہ(1627-1656):

ابراہیم کے انتقال کے بعد اس کا فرزند محمد عادل شاہ سولہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا اور دو امراء دولت خان (مقلبہ خواص خان) اور مرزا محمد امین لاری (مقلبہ مصطفیٰ خان) کی مدد سے حکومت کی۔محمد عادل شاہ کا دور حکمرانی کئی وجوہ سے اہمیت رکھتا ہے ایک طرف تو جنگ وجدال اور معرکہ آرائیاں ہیں تو دوسری طرف علم وادب کی سرپرستی کے لئے بھی مشہور ہے۔احمد نگر کی نظام شاہی حکومت نے دو مرتبہ فوج کشی کی مگر دونوں مرتبہ ناکام لوٹنا پڑا اس کے عہد میں مغل بادشاہوں جہانگیر اور شاہ جہاں نے بھی حملہ کیا۔1636ء میں محمد عادل شاہ نے شاہ جہاں سے معاہدہ کیا اور بیجاپور کی حفاظت کی۔دونوں میں خوش گوار رشتہ ہونے کے سبب شاہ جہاں نے محمد عادل شاہ کو 1648ء میں شاہ کا لقب عطا کیا۔عادل شاہی حکمرانوں میں مغلوں کے طرف سے شاہ کا لقب صرف محمد عادل شاہ کو ہی ملا تھا۔محمد عادل شاہ کو ملک کے بعض باغی اور خود سرامیروں کی بغاوت کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ان میں شاہ جی اور اخلاص خاں کی بغاوتیں اہم ہیں۔ان لڑائیوں کے علاوہ محمد عادل شاہ نے ملک گیری بھی کی جس سے مملکت کے حدود وسیع ہو گئے۔1636ء میں شاہ جہاں سے معاہدہ کے سبب شمال میں تو اضافہ نہ ہو سکا مگر مغرب میں کونارک،پونے،دھبول (ممبئی):جنوب میں میسور اور مشرق میں کرناٹک اور تلنگانہ عادل شاہی حکومت کے قبضہ میں آ گیا۔اس کے عہد میں عادل شاہی حکومت کا دبدبہ بحر عرب سے لے کر بنگال کی خلیج تک تھا۔

10.3.7 علی عادل شاہ ثانی (1656-1672):

محمد عادل شاہ کے بعد علی عادل شاہ ثانی کا دور حکومت شروع ہوتا ہے۔علی عادل شاہ نے انیس سال کی عمر میں عنان حکومت اپنے ہاتھوں میں لی۔اس کا دور حکومت بھی محمد عادل شاہ کی طرح جنگ وجدال سے بھرا ہے۔اس عہد میں شاہ جہاں کی طرف سے اورنگ زیب نے حملہ کر کے بیدر اور کلیانی وغیرہ پر قبضہ کرلیا۔اس کے بعد اورنگ زیب بیجاپور کی طرف روانہ ہوا مگر شاہ جہاں کی علالت کے باعث اورنگ زیب عارضی صلح کے بعد دہلی واپس لوٹ آیا۔اس صلح کے بعد عادل شاہی حکومت ابھی سنبھلنے بھی نہیں پائی تھی کہ شیواجی نے سرتابی کی۔اس کے مقابلہ میں سدی جوہر المخاطب صلابت خاں کو بھیجا گیا مگر وہ شیواجی سے مل گیا۔اس لئے اب خود علی عادل شاہ کو اپنے باغی امیروں کی بیخ کنی کرنی پڑی اور صلابت خان کو شکست دے کر قتل کردیا۔شیواجی نے دوبارہ بغاوت کی اس مرتبہ اس کی سرکوبی کے لئے وہ خود گیا اور شیواجی کو شکست دے کر اسے پونہ کی طرف فرار ہونے پر مجبور کیا۔

10.3.8 سکندر عادل شاہ (1672-1686):

علی عادل شاہ کے انتقال کے بعد اس کا کم سن بیٹا سکندر علی شاہ جس کی عمر صرف چار سال تھی کو مسند حکومت پر بٹھایا گیا۔اس لئے اس کے عہد میں نائبوں اور وزراء نے حکومت کی جو امراء اور فضلاء کے بیچ خانہ جنگی کی وجہ بنی۔صوبائی حکمرانوں نے بغاوت شروع کی جس سے مرکزی حکومت کمزور پڑ گئی۔مغل اور مراٹھا سے کئی معرکے ہوئے۔اورنگ زیب پوری طرح بیجاپور پر قبضہ کرنے کی نیت سے 1685ء میں حملہ آور ہوا اور بیجاپور کو فتح کیا۔سکندر شاہ کو زنجیر میں باندھ کر اورنگ زیب کے سامنے لایا گیا۔اورنگ زیب نے اسے دولت آباد قلعہ میں نظر بند کردیا اور اسی حالت میں اس کی وفات ہوئی۔اس طرح عادل شاہی کی دوسو سالہ حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔

10.3.9 علمی اور ادبی سرپرستی:

عادل شاہی حکومت کی اگر علمی اور ادبی سرپرستی وخدمات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ عادل شاہی حکومت کا بانی یوسف عادل شاہ سے لے کر آخری چشم وچراغ سکندر عادل شاہ کے عہد تک سبھی حکمرانوں نے خوب بڑھ چڑھ کر دلچسپی لی اور ادبی کارناموں کی حوصلہ افزائی کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ادبی کتابیں فارسی اور اردو زبان میں مرتب ہوتی رہیں۔محمد عادل شاہ کے زمانہ میں آتشی نے خمسہ نظامی کے جواب میں پانچ مثنویاں لکھیں۔ملاظہور نے محمد نامہ مرتب کیا،ملا محمد حسین نے رفیع الدین شیرازی کی کتاب احوال السلاطین کا تکملہ کیا۔محمد ابراہیم صنعتی، قاضی نوراللہ مقیمی اور مرزا دولت کی علمی کارنامے سامنے آئے۔محمد عادل شاہ کے عہد میں تعلیم کو وسعت ہوئی۔مدارس کھولے گئے طلباء کو وظائف جاری کئے گئے اور اصحاب علم کو فکر معاش سے مستغنی کیا گیا۔

علی عادل شاہ بھی علم کی آبیاری اور اصحاب علم وفن کی قدردانی میں اپنے اجداد سے کم نہیں رہا۔علماء،فضلاء،شعراء وادباء سلطان کے دست کرم سے نہال ہوئے۔قاضی نوراللہ نے تاریخ عادل شاہ قلم بند کی۔نصرتی نے علم نامہ اور گلشن عشق جیسی بلند پایہ کتابیں تصنیف کیں۔علی عادل شاہ کے متعلق مولف احوال السلاطین لکھتا ہے کہ چونکہ اسے اپنی خاص زبان دکنی اور اردو سے رغبت تھی اس لئے بیجاپور سے بہت سارے دکنی کو شاعر پیدا ہوئے ان میں نصرتی،ابوالمعالی،ملا عبدالرزاق،رفعت عبدالقادر،عبداللطیف اور عبدالنبی بلند پائے کے شاعر تھے۔علی عادل شاہ

کی علمی دلچسپی اوراس کے بہترین کردار کا تذکرہ اورنگ زیب عالمگیری مورخ خافی خان نے ان الفاظ میں لکھا ہے،''ایک ایسا بادشاہ تھا جوفوج کو عزیز رکھتا تھا۔سخاوت،شجاعت اوروسعت اخلاق کے باعث مشہور تھا۔فضلاء کودوست رکھتا تھا،شاعروں کی قدر کرتا تھا۔''

عادل شاہی حکومت کا آخری فرمانرواں سکندرشاہ کو کہ اس کا دور جنگی مصائب کا عہد رہا ہے مگر علم کی سرپرستی میں کمی نہیں آئی،نصرتی نے تاریخ اسکندری قلم بند کی۔

حکمران عادل شاہیہ کے علمی وادبی سرپرستی کا جائزہ لینے کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ حکومت علمی کاوشوں،ادبی شہ پاروں،تاریخی دستاویزات کی تصنیف کے علاوہ شاعری،موسیقی اور مصوری جیسے فنون لطیفہ کی سرپرستی کے لحاظ سے بھی تاریخ میں یادگار ہے۔اس دور کے ادیبوں اورشاعروں نے جونقش چھوڑے ہیں ان کو زمانہ مٹا نہیں سکتا۔

10.3.10 تمدنی ومعاشرتی پس منظر:

عادل شاہی عہد حکومت کے تہذیب وتمدن اورمعاشرت پرنظر ڈالی جائے تو واضح ہوتا ہے کہ دکن کی اسلامی حکومت نے جوروایات چھوڑی تھیں اور جنکی نشونما عادل شاہی حکومت میں ہوئی تھی وہ آج بھی نظر آتی ہیں۔کھانے پینے،پہننے،اوڑھنے،رہنے سہنے کے جوطریقے رائج تھے وہ باقی ہیں اس تہذیب وتمدن میں ایک طرف اسلامی روایات،ایرانی،مغل اورترکی مراسم نے جگہ لی تھی تو دوسری طرف ہندی روایات بھی شامل ہوگئی تھیں؛لیکن اس کے باوجود مسلمانوں اورہندوؤں کے طریقہ معاشرت اوررسم ورواج میں فرق نظر آتا تھا ان کے لباس،کھانے پینے اوررہنے سہنے کے طریقے جداگانہ تھے۔مذہب کو زندگی کا جزو سمجھتے تھے۔دعا مانگی جاتی تھی اوراس کو اثر پزیر خیال کیا جاتا تھا۔دسترخوان پر کھانا کھاتے تو تمام قسم کے کھانے کے لوازمات،نمکین وشیرین دسترخوان پر چُنے جاتے تھے۔ملازم تول سے مکھی اُڑاتے،موسیقی کا عام رواج تھا،رقص بھی ہوتا تھا،ماتم کرنے کا دستور تھا اورماتم کے وقت عورتیں سر کے بال کھول دیا کرتی تھیں۔سواری کے لئے گھوڑے،ہاتھی اوربیل گاڑی رہتے تھے۔سیروشکار مردوں کی زندگی کا جز ہوتا تھا،عورتوں کے لئے باغوں میں جھولے ڈالے جاتے،پکوان ہوتا اورگیت گائے جاتے تھے مخلوط محفلوں کا رواج نہیں تھا مرد اورعورتوں کی محفلیں جداگانہ ہوتی تھیں۔علاوہ ازیں مردانہ کھیل اورفوجی کرتب بھی ہوتے تھے۔

معلومات کی جانچ:۔

(1) عادل شاہی حکومت کے قیام پرنوٹ لکھئے۔

(2) عہد عادل شاہی کی علمی سرپرستی پرروشنی ڈالئے۔

(3) عادل شاہی۔معاشرتی زندگی کواجاگر کیجئے۔

(4) کس عادل شاہی حکمراں کومغلوں نے شاہ کالقب عطا کیا؟

(5) ہندی کوکس کے عہد میں سرکاری زبان کی حیثیت حاصل ہوئی؟

10.4 قطب شاہی حکومت

قلی قطب شاہ بہمنی دور میں تلنگانہ کا صوبہ دار تھا، دوسرے صوبے داروں کی طرح بہمنی حکومت کے زوال پر اس نے بھی 1518ء میں گولکنڈہ میں اپنی خودمختار حکومت قائم کرلی جو 1687ء تک قائم رہی۔ قطب شاہی حکومت کا آخری سلطان ابوالحسن تھا جسے مغل حکمران اورنگ زیب نے 1687ء میں شکست دے کر اس کی حکومت کا خاتمہ کیا، اور اس مملکت کو اپنی حکومت میں ملالیا۔

10.4.1 قلی قطب شاہ (1518-1543)

قلی قطب شاہ نے خودمختار حکومت قائم کرنے کے بعد قرب و جوار کے علاقے فتح کر کے اپنی سلطنت کو وسیع کیا اس نے تقریباً ستر قلعے فتح کئے اور اپنی سلطنت کو ورنگل کی سرحد سے بندرگاہ مچھلی پٹم تک پہنچا دیا اور حکومت کو ایک باعظمت اور شاندار سلطنت بنادیا۔ قلی قطب شاہ کا تمام وقت اپنی سلطنت کو مستحکم بنانے اور وسیع کرنے میں لگا۔ اس کا زیادہ تر وقت میدان جنگ میں گزرا۔ اس لئے تہذیب و تمدن کی اصلاح کی طرف متوجہ ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ اس کے باوجود اس نے آتش خانے کے نام سے ایک خاص محل تعمیر کیا تھا جہاں شعراء و ادیب جمع ہوتے تھے۔ قلی قطب شاہ نے تلنگانہ میں پچاس سال حکومت کی جس میں سے ابتدائی چوبیس سال صوبہ دار کی حیثیت سے اور باقی چھبیس سال ایک خود مختار بادشاہ کی حیثیت سے حکومت کرتا رہا۔ سلطان قلی کو اس کے بیٹے جمشید کے اشارہ پر 1543ء میں قتل کردیا گیا۔

10.4.2 جمشید قلی اور سبحان قلی (1543-1550)

سلطان قلی قطب شاہ کے قتل کے بعد اس کا بیٹا جمشید تخت نشین ہوا اور سات سال تک حکومت کی۔ اس کو شعر و سخن سے دلچسپی تھی جمشید اس کا تخلص تھا۔ وہ اپنی شجاعت اور خودداری کے باعث بہت شہرت رکھتا تھا۔ جمشید قلی کے بعد اس کا بیٹا سبحان قلی صرف چند ماہ حکومت کرسکا کیونکہ امرائے ملک نے جمشید کے بھائی ابرہیم قلی کو مسند قطب شاہی پر متمکن کردیا۔

10.4.3 ابراہیم قلی (1550-1580)

جمشید قلی اور سبحان قلی کے عہد میں ان کے خوف سے ابراہیم قلی وجے نگر میں مقیم تھا۔ امرائے ملک نے اسے طلب کر تخت نشینی عطا کی۔ ابراہیم قلی قطب شاہ کا دور حکومت قطب شاہی سلطنت کے لئے بڑا اچھا ثابت ہوا۔ اس کے عہد میں گولکنڈہ کی تعمیر کا کام شروع ہوا۔ ملک میں امن و امان قائم ہوا، بقول فرشتہ سوداگر تو سوداگر ایک بڑھیا بھی سارے قلمرو قطب شاہی میں بغیر تعرض سونا اچھالتی جاسکتی تھی۔ ابراہیم قلی نے تہذیب و تمدن اور تعلیم و تربیت کے فروغ میں دلچسپی لی۔ وہ ایک سیاست دان تھا اور وجے نگر کے خلاف تنظیم میں مسلمان سلطنتوں کے لئے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا۔ 1580ء میں اس کی وفات ہوئی۔

10.4.4 محمد قلی قطب شاہ (1580-1612)

ابراہیم قلی کے انتقال کے بعد اس کا فرزند محمد قلی قطب شاہ تخت نشین ہوا۔ اس کا دور حکومت قطب شاہی کا عروج کا دور ہے۔ اس کے عہد میں جنگ و جدال اور لڑائی جھگڑوں کی خونی فضا بدل گئی۔ امن و امان اور صلح و آشتی کا دور دورہ تھا۔ مشہور مورخ فرشتہ نے اس کی بڑی تعریف

کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ محمد قلی میں چند باتیں ایسی جمع ہوگئیں تھی جو بہت کم بادشاہوں میں ہوتی ہیں۔ محمد قلی اپنے بھائیوں کو بہت عزیز رکھتا تھا اور ان کو اپنا مصاحب اور ہم نشین بنا کر رکھتا تھا۔ حکومت کے طویل عرصہ میں وہ کبھی اپنے بھائیوں سے ناراض نہیں ہوا۔ دوسرا یہ کہ میر محمد مومن استر آبادی جیسے قابل اور لائق شخص اس کے دربار میں 25 سال تک وکیل سلطنت کی حیثیت سے رہے۔ ان کی مسلمہ قابلیت اور ہمہ گیر لیاقت کے باعث نظم ونسق حکومت میں کوئی خرابی نہیں آئی۔

محمد قلی کے عہد میں مغلوں کے حملے دکن پر شروع ہو گئے وہ یورشوں کی روک تھام اور دکن کی آزادی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہا۔ وہ گولکنڈہ کی چاروں طرف سے حفاظت کرتا رہا۔ اس کی کوشش رہی کہ سلطنت کے حدود بھی مستحکم اور محفوظ رہیں۔ اس نے حکومت کے نظم ونسق کو درست کیا۔ اس کا دور ارتقائے تمدن وتہذیب اور تعلیم کے فروغ کے لحاظ سے ایک زریں دور کہا جاتا ہے۔ اس نے شہر حیدرآباد آباد کیا اور اس کو عالی شان عمارتوں، خوبصورت ایوانوں، سرسبز وخوشنما باغوں اور نہروں سے آراستہ کیا۔ اس شہر کی تنظیم اور عمرانی لوازم کو نہایت سلیقہ سے کیا۔ اس شہر میں کشادہ راستے بنائے گئے شہر کے وسط میں چار مینار تعمیر ہوا جو کالج کی حیثیت رکھتا تھا۔ شاہی عمارتیں اپنی وسعت، بلندی، خوبصورتی اور شان وشوکت کے لحاظ سے ممتاز تھیں۔ مریضوں کے لئے دارالشفاء، سوداگروں کے لئے کارواں سرائے اور وسیع بازار بنائے گئے۔ دل بستگی، شگفتگی اور زندگی کو خوش گوار بنانے کے لئے باغات لگائے گئے، حمام تعمیر ہوئے اور تلنگانہ کے طول وعرض میں بہترین اجتماعی زندگی کی بنا ڈالی گئی۔ اس کو فنون لطیفہ کی ہر ایک شاخ سے دل چسپی تھی۔ علاوہ ازیں اسے شاعری اور موسیقی سے خصوصی دلچسپی تھی۔ خوبصورت عالی شان محل اور ایوان تعمیر کر کے ان میں نقش ونگار اور مصوری کے شاہ کار جمع کر دئے گئے تھے۔

سلطان قلی قطب شاہ کے عہد میں نہ صرف علوم اسلامی کو فروغ ہوا بلکہ عربی و فارسی کے شاہ کار مرتب ہوئے اور اس کے ساتھ ساتھ دکنی اور تلنگی ادب کی بھی ترقی ہوئی وہ خود بھی ان زبانوں میں شاعری کرتا تھا۔ اسے دکنی اردو میں پہلا مصنف دیوان کہا جاتا ہے اس لئے محمد قلی کو دکنی اردو یا ہندی کا موجد مانا جاتا ہے۔ 1612ء میں اس کا انتقال ہوا۔

10.4.5 سلطان محمد (1612-1626)

سلطان محمد قلی کے بعد اس کا بھتیجہ سلطان محمد تخت نشین ہوا وہ اپنے علم وفضل اور پاکیزگی کی وجہ سے بہت مقبول تھا۔ اس کے عہد میں تمام سلطنت میں امن رہا کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ اس کے چودہ سالہ عہد میں ملک کی علمی اور عمرانی دولت میں اضافہ ہوا۔ وہ مذہب پسند، صاحب فہم و فراست بادشاہ تھا۔ حیدرآباد میں مکہ مسجد کی تعمیر اس کا بڑا کارنامہ ہے۔ ایک شہر سلطان نگری کے نام سے بسایا، پرانی عیدگاہ بھی اسی کی تعمیر کردہ ہے، ایک محل امان محل کے نام سے تعمیر کرایا۔ اس کو علم وفن سے بڑی دلچسپی تھی۔ تاریخ قطب شاہی اسی کے عہد میں مرتب ہوئی۔ اسے شاعری سے بھی شغف تھا۔ فارسی اور دکنی زبان میں طبع آزمائی کرتا تھا ظلِ الٰہی اس کا تخلص تھا اس کے عہد میں اردو کو خاص ترقی ہوئی۔ خواص، قطبی، ابن نشاطی اور جنیدی وغیرہ اس دور کے نامور شعراء ہیں۔ علاوہ ازیں محمد سلطان کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس نے خود اپنے علم وفن کا بڑا سرمایہ چھوڑا ہے۔ 1626ء میں اس کا انتقال ہوا۔

10.4.6 عبداللہ قطب شاہ (1626-1672)

سلطان محمد کی وفات کے بعد اس کا بارہ سالہ لڑکا عبداللہ قطب شاہ تخت نشین ہوا۔ اس کی کم سنی کی وجہ سے اس کی ماں حیات بخش بیگم اور

دادی خانم آغا نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ انتظام سلطنت کے لئے ایک مجلس بنائی گئی ان میں منصور خان کو ملک الماس، الملک یوسف کو انتظام ملک، علامہ شیخ محمد کو پیشوا، مولانا اویس کو دبیر کے عہدے پر فائز کیا گیا علاوہ ازیں مرزا قاسم، حکیم نظام الدین، حکیم جبرئیل اور اخلاص خاں وغیرہ کو اعلیٰ عہدوں پر مامور کیا گیا۔ سلطان عبداللہ قطب تو کم سنی کی وجہ سے امور سلطنت انجام نہیں دے سکا اور جب شعور آیا تو اس میں سیاسی تدبیر اور بیدار مغزی کا فقدان تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کو سیر و شکار اور عیش و عشرت سے دلچسپی تھی۔ ہمیشہ رقص و سرور، نغمہ و طرب اور نشاط کے جلوس میں مصروف رہا۔ ایسی صورت میں خود غرض امراء اپنے مفاد کے لئے کام کرنے لگے۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ شمال سے مغلوں کے حملے شروع ہو گئے۔ لیکن حیات بخش بیگم کی وجہ سے مغلوں سے صلح ہوئی اور اب قطب شاہی حکومت مغلوں کی ایک باجگوار حکومت بن گئی۔ 1672ء میں اس کا انتقال ہوا۔

10.4.7 ابوالحسن (1672-1687)

عبداللہ قطب شاہ کے انتقال کے بعد چونکہ اس کا کوئی بیٹا نہیں تھا اس لئے اس کا داماد ابوالحسن تخت نشین ہوا۔ ابوالحسن کا دور حکمرانی مغلوں کے حملوں اور بالآخر سلطنت کے خاتمہ کی وجہ سے افسوس ناک ہے، لیکن ملک کی ترقی کے لئے اس کے زمانہ میں جو امور کارنامے دئے گئے وہ فراموش نہیں کئے جاسکتے، زراعت کو فروغ دینے کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے گئے تمام ملک میں جدید باؤلیاں اور تالاب کھودے گئے۔ وصول مالگزاری کا مکمل انتظام کیا گیا۔ کاشتکاروں پر ہو رہے ظلم و ستم کو روکا گیا۔ جو دیہات ویران ہو گئے تھے انہیں از سر نو آباد کیا گیا۔ اجارہ داری کے طریقے کو موقوف کر کے مستقل تنخواہ یاب ملازم مامور کئے گئے۔ اوقاف کا انتظام بہتر طریقے سے کیا گیا۔ معدنیات کی کھدائی جو بند ہو گئی تھی وہ از سر نو شروع کی گئی اس طرح ملک میں خوش حالی کا اضافہ ہوا۔

معلومات کی جانچ

(1) قطب شاہی حکمرانوں میں کس کا عہد، عہد زریں مانا جاتا ہے؟

(2) سلطان محمد کی تعمیرات پر نوٹ لکھئے۔

(3) قلی قطب شاہ کے کارناموں پر روشنی ڈالئے۔

(4) قطب شاہی سلطنت کے خاتمہ پر چند سطریں لکھئے۔

(5) قطب شاہی دور کے پانچ نامور شعراء کے نام لکھئے۔

10.5 نظام شاہی حکومت (1490-1636)

نظام شاہی سلطنت کا بانی ملک نظام احمد شاہ بحری ہے اس کا باپ حسن وجے نگر کے ایک معزز برہمن خاندان سے تعلق رکھتا تھا محمد شاہ بہمنی کے دور میں اس نے اسلام قبول کیا اور اس کو نظام الملک کا خطاب دیا گیا اور منصب سرلشکری سے سرفراز ہوا۔ بہمنی سلطنت کے جب حصے بخرے ہوئے تو حسن نظام الملک کا فرزند ملک احمد نے خود مختار نظام شاہی سلطنت قائم کی۔ اس خاندان کے چودہ بادشاہ 1490-1635 تک

یعنی تقریباً 145 سال حکومت کرتے رہے، اس کے بعد شاہ جہاں کے عہد میں اس علاقے کو مغلوں نے اپنے حدود میں ملالیا۔

10.5.1 ملک احمد (1490-1510)

ملک احمد نہایت متقی اور پرہیز گار تھا اچھے کردار اور قابل تعریف عادتوں کی وجہ سے نیک نام ہوا بہمنی سلطنت میں وہ جنیر کا گورنر تھا۔ اس نے بہمنی سپہ سالار جہانگیر خان کو 1490ء میں شکست دے کر نظام شاہی سلطنت کی بنا رکھی تھی جس کی سرحدیں دو سلطنتوں: سلطنت گجرات اور سلطنت گولکنڈہ کے بیچ واقع تھیں۔ 1494ء میں شہر احمد نگر کی بنیاد رکھا اپنا دارالسلطنت بنایا۔ ملک احمد نظام شاہ نے کئی کوششوں کے بعد دولت آباد کے عظیم اور مضبوط قصر پر قبضہ کیا۔ جنگ وجدل کے علاوہ اس کے عہد میں علم وفن کو ترویج دی گئی یہاں تک کہ بیجاپور کے کئی مشاہر، علماء اور اصحاب علم اولاً احمد نگر میں ہی آئے تھے۔

10.5.2 برہان نظام شاہ (1511-1553) اور حسین نظام شاہ (1553-1565)

احمد نظام شاہ کے بعد اس کا فرزند برہان نظام شاہ تخت نشین ہوا، یہ احمد نگر کا پہلا حکمران تھا جس نے نظام شاہ کا لقب اختیار کیا۔ برہان نظام شاہ چونکہ شیر خوار تھا اس لئے اس کا نائب و وزیر مکمل خان دکنی تھا جس نے اپنی قابلیت سے امن و امان کو بحال رکھا۔ 1553ء میں برہان کا انتقال ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا حسین نظام شاہ حکمران ہوا۔ اس کے عہد کو نظام شاہی عہد کا عہد زرین کہا جاتا ہے اس کے عہد میں 1562ء بیجا پور کے عادل شاہ، گولکنڈہ کے ابراہیم قطب شاہ اور وجے نگر کے رام رائے تینوں افواج نے مل کر احمد نگر پر حملہ کیا اور خوب جم کر لوٹا اور تباہ و برباد کیا۔ ان تینوں افواج کا سرغنہ وجے نگر کا راجہ رام رائے تھا۔ اپنی ہار کا بدلہ لینے کے لئے حسین نظام شاہ نے دکن کی مسلم سلطنتوں کی ایک مشترکہ فوج بنائی اور 1565ء میں تالی کوٹ کی جنگ میں وجے نگر کو بری طرح شکست دی۔

10.5.3 مرتضیٰ نظام شاہ (1565-1588)، میراں حسین (1588-89) واسماعیل (1589-1591)

حسین نظام شاہ کے بعد اس کا بیٹا مرتضیٰ نظام شاہ تخت نشین ہوا۔ مرتضیٰ نظام شاہ بہت ظالم تھا۔ اس کے خوف سے اس کے بھائی برہان نظام شاہ نے مغل حکمران اکبر کے پاس جا کر شمالی ہند میں پناہ لی تھی۔ اس کے عہد میں مغلوں نے پہلی بار احمد نگر پر حملہ کیا۔ مرتضیٰ نظام شاہ دماغی فتور کے باعث اپنے فرزند میران حسین کو قتل کرنا چاہتا تھا لیکن وہ خود ہی میران حسین کا شکار ہوا۔ اس کے بعد میران حسین تخت نشین ہوا وہ بھی بہت ظالم بادشاہ تھا اس وجہ سے رعایا و امراء مخالف ہو گئے اور وہ زیادہ دنوں تک حکومت نہیں کر سکا اور اس کی جگہ مرتضیٰ نظام شاہ کے بھائی برہان نظام شاہ کے فرزند اسمٰعیل جو نظر بند تھا کو مسند حکومت پر متمکن کیا۔ اسمٰعیل کے دو سالہ میں دور شیعہ اور مہدوی طبقوں کے بیچ آپس میں جھگڑے ہوتے رہے۔

10.5.4 برہان نظام شاہ (1591-1595)

جب برہان نظام شاہ کو اطلاع ہوئی کہ اس کا بیٹا اسمٰعیل کو حکمران بنا دیا گیا ہے تو شمالی ہند سے واپس آکر بیٹے کی جگہ تخت نشین ہوا۔ اس کی حکومت بھی صرف چار سال رہی۔ لیکن ان چار سالوں میں جو مذہبی فرقہ وارانہ جھگڑے چل رہے تھے اس کو ختم کیا اور حکومت میں اس طرح

امن وامان قائم کیا کہ نظام شاہوں کی کھوئی ہوئی عظمت وشوکت دوبارہ حاصل ہوگئی ۔1595ء میں اس کا انتقال ہوا۔

10.5.5 ابراہیم نظام شاہ وچاند بی بی

برہان کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا ابراہیم تخت نشین ہوا۔مگر چند ماہ بعد ہی ایک تیر لگنے سے فوت ہوا۔اس کے انتقال پر احمد نگر میں افراتفری پھیل گئی قریب قریب یہی وقت تھا جب چاند بی بی احمد نگر آئیں۔تخت کے متعدد دعویدار تھے۔سب سے اہم شخصیت بہادر کی تھی جو ابراہیم نظام شاہ کا کم سن بیٹا تھا۔دوسرا شخص تھا احمد،یعنی حسین نظام شاہ کے ایک بھائی کا مبینہ پوتا۔چاند بی بی نے پوری قوت کے ساتھ بہادر کی حمایت کی لیکن میاں مانجو نے جو احمد کو تخت پر بٹھانا چاہتا تھا۔اپنے کو کمزور پایا تو اس نے مغل حکمران اکبر کے بیٹے شہزادہ مراد کو، جو اس وقت گجرات کا حاکم تھا اپنی مدد کے لئے بلایا۔مراد چونکہ پہلے سے اس انتظار میں تھا اس لئے فوراً دارالحکومت پر چڑھائی کردی۔ادھر چاند بی بی نے بہادر کے تخت نشینی کا اعلان کر کے گولکنڈہ اور بیجاپور سے مدد طلب کی اس طرح چاند بی بی نے دو مرتبہ مغلوں کے محاصرہ کو ناکام کیا۔مراد نے بارود کی سرنگیں بچھادی تھی چاند بی بی نے اسے بھی کھدوا کر مٹی بھروادی۔اس کے علاوہ جب قلعہ کی فصیل میں شگاف پڑا تو چاند بی بی بہ نفس نفیس اس شگاف پر پہنچ گئی اور راتوں رات شگاف کو بھر دیا اس کے بعد چاند بی بی کی بہادری کو قبول کرتے ہوئے اسے سلطانہ تسلیم کیا گیا۔

دائرۃ المعارف میں لکھا ہے کہ دکن کی یہی ایک ملکہ تھی جس نے سلطان کا مردانہ لقب اختیار کیا جسے دکن کی پانچ سلطنتوں اور مغلوں نے تسلیم کیا تھا۔اس کے بعد مغلوں سے معاہدہ ہوا،جس کے مطابق برار کا علاقہ مغلوں کی طرف منتقل ہوگیا اور اس کے بدلے میں احمد نگر کی مکمل آزادی وخودمختاری تسلیم کرلی گئی۔

اس بحران کے ختم ہوجانے کے بعد کچھ عرصہ کے لئے حالات سدھر گئے۔لیکن داخلی امن زیادہ دن برقرار نہ رہ سکا۔پھر لوگ چاند بی بی کے مخالف ہوگئے انہوں نے اب مغل شہزادہ دانیال کو مدد کے لئے بلایا۔چاند بی بی سلطان نے بھی دوبارہ گولکنڈہ اور بیجاپور سے مدد طلب کی۔لیکن اس دفعہ اتحاد کامیاب نہ ہوسکا اور 1592ء میں گوداوری کے کنارے سون پت کے میدان میں سخت جنگ ہوئی جس میں چاند بی بی کے اتحادیوں نے شکست کھائی۔مغلوں نے احمد نگر پر چڑھائی کر کے دوبارہ اس کا محاصرہ کرلیا۔جس کا فائدہ ملک کے اندر مخالف گروہ نے اٹھایا جس کا سردار حمید خان تھا،شہر کے اوباشوں کو ساتھ لے کر محل میں گھس گیا اور چاند بی بی کو قتل کردیا اور دانیال کا 1600ء میں احمد نگر پر قبضہ ہوگیا۔

10.5.6 ملک عنبر

ملک عنبر ایک حبشی سردار تھا جو ابتداً ایک غلام تھا،بعد میں وہ وزارت کے عہدے تک ترقی کر کے پہنچا تھا اور نظام شاہی حکومت کی گرتی ہوئی طاقت کو سنبھالنے کی کوشش کی تھا۔جب 1600ء میں شہزادہ دانیال نے احمد نگر کو فتح کرلیا، ملک عنبر اور ایک دکنی راجہ منّان نے باقی علاقے کو آپس میں تقسیم کرلیا۔ان کو قبضہ کرنے میں کامیابی ملی کیونکہ اس زمانہ میں سلیم کی بغاوت،اکبر کی وفات اور سلطان خسرو کی سرکشی کی وجہ سے عنبر کو اتنی مہلت مل گئی کہ اس نے اپنے ملک کا باقاعدہ انتظام درست کیا اور بہت سی افواج تیار کرلی۔اس کی تیار کردہ فوج نے نہ صرف اپنے صوبہ کا انتظام درست کیا بلکہ کئی دفعہ مغلوں سے بھی جنگ کی جسارت بھی کی اس نے دکن میں ایک نیا مالی دستور جاری کیا۔مگر جب شہنشاہ جہانگیر کا اقتدار جم گیا تو اس نے دکن پر کئی مہمات بھیجیں ملک عنبر مطیع نہ ہوسکا لیکن آخر کار اس نے وہ مقامات جو مغلوں سے لیئے تھے 1620ء میں شاہ جہاں کو

واپس کردیئے۔لیکن 1625ء میں ملک عنبر کا انتقال ہوا اور اس کے بعد شاہ جہاں کی فوج نے 1644ء میں احمد نگر پر قبضہ کر کے اپنی سلطنت میں ملالیا اور اس طرح نظام شاہی حکومت کا خاتمہ ہوا۔

معلومات کی جانچ

(1) نظام شاہی سلطنت کا بانی کون ہے اس نے یہ نام کیوں رکھا؟

(2) ملک عنبر کے متعلق چند جملے لکھئے۔

(3) چاند بی بی کے کارناموں کو اجاگر کریں۔

(4) نظام شاہی حکومت پر مختصر اً روشنی ڈالئے۔

(5) چاند بی بی کو سلطان کا لقب کس نے دیا تھا؟

10.6 عماد شاہی حکومت (1490-1574)

برار کے عماد شاہی خاندان کا بانی فتح اللہ عماد الملک تھا۔یہ بیجاپور کے کسی غیر مسلم کا بیٹا تھا۔وہ بچپن ہی میں مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر ملک برار کے سپہ سالار خان جہاں کے غلاموں کی جماعت میں داخل ہو گیا۔وہ نہایت ہی ذہین اور بلا کا محنتی تھا اسی وجہ سے اس کا شمار خان جہاں کے مقربین میں ہونے لگا۔خان جہاں کے انتقال کے بعد فتح اللہ عماد الملک بہمنی سلاطین کے غلاموں کی جماعت میں شامل ہو گیا۔سلطان محمد شاہ کے عہد حکومت میں اس نے بڑی ترقی کی اور محمود گاوان کی عنایت سے عماد الملک کا خطاب حاصل کیا اور ملک برار کا سپہ سالار مقرر ہوا 1490ء میں عماد الملک نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر کے برار میں اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا۔دائرۃ المعارف میں لکھا ہے کہ اس کی وجہ محمد شاہ بہمنی سے بے وفائی نہیں تھی بلکہ یہ کہ وہ اس کے وزیر قاسم برید کی خدمت کرنا نہیں چاہتا تھا جو بادشاہ کو نظر بند کر کے ملک کا اصل حکمران بن بیٹھا تھا۔فتح اللہ نے محمود شاہ بہمنی کو اس کے پنجے سے نکالنے کی ایک ناکام کوشش بھی کی تھی۔1504ء میں اس کا انتقال ہوا۔

10.6.1 علاءالدین اور دریا عماد شاہ

اس کے بعد اس کا بیٹا علاءالدین تخت نشین ہوا۔اس نے شاہ کا لقب اختیار کیا اور برار کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔لیکن وہ قابلیت میں اپنے باپ فتح اللہ عماد الملک سے کافی کم تر تھا۔چنانچہ وہ جلد ہی گجرات کے محمود شاہ بیگڑا اور گولکنڈہ کے سلطان قلی قطب شاہ کے ساتھ ایسے جھگڑوں میں الجھ گیا جن سے اس کا براہ راست کوئی تعلق نہیں تھا۔ان سے اس کی مملکت کو سخت نقصان ہوا۔یہ تنازع گوداوری ندی کے کنارے ایک مقام پاتھری کو لے کر تھا۔1529ء اس کی وفات ہوئی۔

اس کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا دریا عماد شاہ تخت نشین ہوا وہ ایک کمزور حکمران تھا۔اس نے اپنے ہمسایہ دکنی حکومتوں کے ساتھ جنگ وجدال ختم کرنے کے لئے اپنی دختر کی شادی حسین نظام شاہ سے کر دی اس وجہ سے کچھ عرصہ تک برار میں امن وامان رہا لیکن اس کے اس طرز عمل سے اس کے طویل عہد حکومت میں برار کا اثر سیاست دکن میں گھٹتا چلا گیا۔دوسرے مسلمان سلطانوں کی باہمی آویزش میں اس کی حیثیت

ثانوی رہ گئی ۔احمد نگر کے حسین نظام شاہ اول کے خلاف سلطان بیجاپور اور راجہ وجے نگر کے غیر قدرتی اتحاد میں شامل ہو کر خفیہ طور پر حسین نظام شاہ کی مدد کی ،اس طرح اس نے جنوبی ہند میں ہندوؤں کا اقتدار قائم ہونے کا سدباب کر دیا۔1560ء میں اس کا انتقال ہوا۔

10.6.2 عماد شاہی حکومت کا خاتمہ

دریا عماد شاہ اپنے آخری زمانہ میں اپنے وزیر تقال خان کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن چکا تھا۔اس لئے اس کے انتقال کے بعد تقال خان نے اس کے کم سن بیٹے برہان عماد شاہ کو تخت نشین کر کے اسے قید کر لیا اور اطاعت کا اظہار کئے بغیر برار پر حکومت کرنے لگا ،چونکہ تقال خان نے بیجاپور اور احمد نگر کے سلطانوں کے ساتھ اس وفاق میں شامل ہونے سے انکار کر دیا تھا جو وجے نگر کے خلاف بنائی گئی تھی۔1565ء میں بیجاپور اور احمد نگر کی افواج نے تالی کوٹ کی جنگ میں وجے نگر کو شکست دی۔اس کے بعد بیجاپور اور احمد نگر دونوں نے تقال خان پر حملہ کر دیا اور شکست دی۔ اگر چہ اسے شکست ہوئی اور بے انتہا مصائب کا سامنا کرنا پڑا لیکن اس کی سیاسی چالوں نے احمد نگر اور بیجاپور کو ایک دوسرے کے خلاف کر دیا۔لیکن 1572ء میں احمد نگر کے بادشاہ مرتضٰی نظام شاہ نے اس پر ایک بار پھر حملہ کیا اور یہ جواز پیش کیا کہ وہ برہان عماد شاہ کو اس کی زبوں حالی سے نجات دلانا چاہتا ہے۔مرتضٰی نظام شاہ نے نرالہ فتح کر کے برار اپنی سلطنت میں شامل کر لیا اور برہان عماد شاہ،تقال خان،اس کے بیٹے اور عماد شاہی خاندان کے سارے افراد کو ریاست احمد نگر کے ایک قلعہ میں لے گیا جہاں وہ سب کے سب ایک ہی رات میں جاں بحق ہو گئے۔

معلومات کی جانچ

(1) فتح اللہ عماد پر نوٹ لکھئے۔

(2) عماد شاہی حکومت پر روشنی ڈالئے۔

(3) عماد شاہی حکومت کا زوال کیسے ہوا۔

(4) عماد شاہی حکمرانوں میں شاہ کا لقب کس نے اختیار کیا؟

10.7 برید شاہی حکومت (1489-1619)

دکن میں حکمرانوں کا ایک خاندان،جس کی بنیاد قاسم برید نے رکھی تھی۔قاسم برید ایک ترکی غلام تھا جسے محمد شاہ ثالث بہمنی نے خریدا تھا۔قاسم برید غیر معمولی شخصیت کا مالک تھا اور اعلیٰ درجہ کا خطاط اور مغنی ہونے کے علاوہ ایک بہادر سپاہی بھی تھا۔محمود شاہ بہمنی کے عہد حکومت میں کتوال کے منصب تک پہنچ گیا اور ملک حسن نظام الملک کی وفات کے بعد بہمنی سلطنت کی وزارت عظمٰی کے منصب پر قابض ہو گیا۔اس کا زیادہ تر وقت ان جاگیرداروں سے لڑنے میں گزرا جو طاقت میں اس سے زیادہ اور بیجاپور،احمد نگر اور گولکنڈہ میں عملاً خود مختار ہو چکے تھے۔ 1504ء میں قاسم برید کا انتقال ہوا۔

10.7.1 امیر برید وعلی برید

قاسم برید کی وفات کے بعد اس کا فرزند امیر برید تخت نشین ہوا۔ قاسم برید نے بہمنی سلاطین کے اقتدار کا تو خاتمہ کر ہی دیا تھا۔ ان کا رہا سہا اقتدار امیر برید نے فتح کرلیا یہاں تک کہ بہمنی سلطنت کے نام نہاد آخری حکمران کلیم اللہ کے بھاگ جانے پر بیدر پر اس کا اقتدار مسلم ہوگیا۔ اب اس کا مقابلہ بیجاپور کے فرمانروا علی عادل شاہ سے ہوا جس میں امیر برید کو شکست ہوئی۔ اس کے بعد اس نے چھوٹے چھوٹے جاگیرداروں کو مرکزی حکومت کے زیر اقتدار لانے کی کوشش کی مگر اسے خاطر خواہ کامیابی نہیں ملی اس کا انتقال 1543ء میں ہوگیا۔

امیر برید کے بعد اس کا بیٹا علی برید تخت نشین ہوا۔ اسے طویل مدت تک حکومت کرنے کا موقع ملا۔ بریدی حکمرانوں میں وہ پہلا حکمران ہے جس نے شاہ کا لقب اختیار کیا۔ اگرچہ اس نے محض ملک الممالک کے لقب پر قناعت کی۔ وہ چار حلیف فرماں رواؤں میں سے ایک تھا جس نے بالآخر 1565ء میں وجے نگر کے حاکم رامارائے کی حکومت کو ختم کیا۔ ابراہیم قطب شاہ کے ساتھ حلیفوں کے میسرہ کی کمان علی برید کے سپرد تھی۔ علی برید کو ادب، مصوری اور فن تعمیر سے بڑی دلچسپی تھی اور بیدر کا رنگین محل اور اس کا نہایت ہی موزوں و متناسب مقبرہ اس کے حسن ذوق کی دو شاندار یادگاریں ہیں۔ 1579ء میں اس کا انتقال ہوا۔

10.7.2 بریدی حکومت کا خاتمہ

علی برید کی وفات کے بعد اس خاندان کا اقتدار بھی جلد ہی ختم ہوگیا اس کے بعد ابراہیم اور پھر قاسم ثانی تخت پر بیٹھے۔ قاسم کے بعد اس کا شیر خوار بیٹا جو مرزا علی برید شاہ کے نام سے معروف ہے تخت کا وارث ہوا۔ لیکن اس کے ایک رشتہ دار امیر برید شاہ ثانی نے اسے تخت سے اتار کر خود تخت پر قبضہ کرلیا۔ اس کا جانشین مرزا ولی امیر برید شاہ ہے۔ جس کے عہد حکومت میں بریدی خاندان کا خاتمہ ہوا اور بیدر 1619ء میں بیجاپور میں شامل ہوگیا۔

10.7.3 بریدی سکے

دائرۃ المعارف کے مطابق بریدی حکومت کے چند ہی سکے دستیاب ہوئے ہیں۔ بقول مصنف تاریخ فرشتہ قاسم برید نے بھی اپنے نام کے سکے ضرب کرائے تھے لیکن اس وقت تک جن سکوں کا پتا چلا ہے وہ یا تو تانبے کے ہیں جن پر ''امیر شاہ'' کے ٹھپے کا نشان ہے جو امیر برید ثانی کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں یا پھر تانبے کے قلس اور نیم قلس جن پر ''امیر برید السلطان'' کندہ ہے۔

10.7.4. تعمیرات

بریدی خاندان کی تمام تعمیرات شہر بیدر ہی میں ہیں۔ چونکہ یہ لوگ بہمنی خاندان کی مستحکم سلطنت کے جانشین تھے اس لئے انہیں بہت سی اعلیٰ درجہ کی عمارتیں ورثے میں ملیں تھی اس لئے ان کی تعمیری سرگرمیاں کوئی اہم عمارت تعمیر کرنے کے بجائے زیادہ تر پرانی عمارتوں کو از سر نو تعمیر کرنے یا ان میں ردوبدل کرنے تک محدود رہیں۔

بریدی طرز تعمیر کی ترقی کے بڑے رقبے کے نمونے ان کے بنوائے ہوئے مزار ہیں جو شہر سے تقریباً چھ کلومیٹر کے فاصلے پر شاہی

قبرستان کی شکل میں موجود ہیں۔یہ قبرستان بڑے وسیع وعریض رقبے پر پھیلا ہوا ہے۔اس لئے کہ ہر مقبرے یا مزار کے ساتھ باغ کا وسیع احاطہ شامل ہے۔قاسم اول کا مقبرہ معمولی قسم کا ہے جس میں ایک سادہ ساخروطی شکل کا گنبد ہے۔اس کے جانشین امیر برید اول کے مقبرے پر کوئی گنبد نہیں ہے۔سامنے کے رُخ پر محرابوں کی دو منزلیں ہیں اور ان محرابوں کے درمیان ایک بڑی محراب ہے۔علی برید کے زمانہ حکومت میں خاصی تعمیری سرگرمیاں رہیں۔قلعہ اور شہر کی فصیل میں بڑے پیمانے پر ترمیم اور تبدیلیاں کی گئیں اور فصیلوں پر خاصی تعداد میں توپوں کا اضافہ کیا گیا۔رنگین محل کی از سرِ نو تعمیر ہوئی اور اس میں نہایت نفیس سیپی کی پچکاری اور بڑا نازک لکڑی کی کھدائی کا کام کروایا گیا ہے۔جس میں ہندو طرز اور اسلامی طرز کی آمیزش کی گئی ہے،قبر کے محل میں بھی خاص ترمیم ہوئی بالخصوص بالائی منزل میں جس میں زنجیریں اور آویزے کا کام، جو اس وقت سے بریدی طرز کی خصوصیت سمجھا جانے لگا زیادہ نمایاں ہے۔علی برید کے مقبرہ کا بیرونی پھاٹک بڑا شاندار ہے اور وسیع محرابوں اور نیچے ستونوں پر قائم ہے اور جس کے بالائی کمروں میں کثرت سے ہلالی شکل کے جھروکے بنے ہوئے ہیں اس کا اندرونی حصہ نہایت روشن اور ہوادار ہے اسے رنگین ٹائلوں سے مزین کیا گیا ہے۔اس قبر سے ملحق میناروں اور گنبد دار چھت والی ایک چھوٹی سی مسجد بنی ہوئی ہے۔علی برید کے زمانے سے عمارتوں کی آرائش میں زیادہ نمائش اور تکلف پیدا ہو گیا ہے اور ہندو طرز تعمیر کا اثر زیادہ نمایاں نظر آنے لگا۔

معلومات کی جانچ:

(1) بریدی حکومت کہاں قائم کی گئی تھی؟

(2) قاسم برید کون تھا؟

(3) علی برید پر نوٹ لکھئے۔

(4) بریدی حکومت کا خاتمہ کیسے ہوا؟

(5) بریدی تعمیرات پر نوٹ لکھئے۔

10.8 خلاصہ

پندرہویں صدی کی آخری دہائی میں بہمنی سلطنت میں دکنیوں اور غیر دکنیوں کی کشیدگی کے سبب حکومت کا شیرازہ بکھرتا گیا اور ان کے پانچ علاقوں کے والیوں نے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا وہ عادل شاہی، نظام شاہی، قطب شاہی، عماد شاہی اور برید شاہی ہیں۔

بیجاپور میں عادل شاہی حکومت کی بنا یوسف عادل خان نے رکھی۔خود مختار بیجاپور کی تاریخ 1489ء سے لے کر 1686ء تک ہے اس کے بعد ہندوستان کی مغلیہ سلطنت نے اس ریاست کو فتح کر کے اپنے حدود میں ملا لیا۔اس عہد حکومت میں شیعہ عقائد کی ترویج ہوئی یوسف عادل خان کو ہندوستان کا پہلا حکمران جانا جاتا ہے جس نے ایسا کیا۔اسی کے عہد میں پرتگیز نے ہندوستان میں گوا کی بندرگاہ پر قبضہ جما لیا۔بیجاپور کی حکومت دکن کی سیاسی تاریخ میں مختلف ریاستوں بیدر، احمد آباد، گول کنڈہ اور وجے نگر کے ساتھ جنگ وجدال کے واقعات سے لبریز ہے۔بیجاپور کی طاقت وخوشحالی ابراہیم ثانی کے عہد میں اپنے عروج کی انتہا پر پہنچ گئی تھی۔بیجاپور کی مملکت شاہ جہاں کے تخت نشین ہونے تک دہلی کے

مغل شہنشاہوں کے براہ راست حملوں سے بچی رہی لیکن جب مغلوں کے حملے سے احمد نگر کی ریاست کمزور ہو رہی تھی تو بیجاپور نے اس مملکت کے بعض علاقوں پر قبضہ کرنے کو خود لے لینے کی کوشش کی۔ پھر مغلوں اور بیجاپور میں ٹکر ہوئی اور 1636ء میں مغلوں نے بیجاپور پر چڑھائی کی اور اسے صلح پر مجبور کیا جس کی رو سے بیجاپور نے مغلوں کی شہنشاہی کا اعتراف کرلیا اس کے بعد بیس سال تک اس مملکت میں امن و امان رہا۔ 1656ء میں جب علی عادل شاہ حکمران ہوا تو شاہ جہاں نے اپنے شہنشاہی دعوے پر اعتراض کی وجہ سے اورنگ زیب کو حملہ کرنے کا حکم دیا لیکن شاہ جہاں کی علالت کی وجہ سے جنگی اقدامات روک دیئے گئے۔ مغلوں کے علاوہ بیجاپور کو مرہٹہ سردار شیواجی کی طرف سے بھی خطرے کا سامنا کرنا پڑا جس نے 1656ء میں کمین لگا کر بیجاپور کی ایک فوج اور اس کے سالار افضل خان کا خاتمہ کردیا اس کے بعد بیجاپور کی مملکت کو مرہٹوں کی لوٹ مار سے بمشکل کبھی نجات ملی۔ بیجاپور سکندر عادل شاہ کے عہد میں مغلوں اور مرہٹوں کے ہاتھوں رفتہ رفتہ اپنے صوبوں سے محروم ہونے لگا یہاں تک کہ 1656ء میں اورنگ زیب نے ایک سال سے زائد محاصرے کے بعد خود بیجاپور کو سر کرلیا اور مملکت کے باقی ماندہ حصے مغلیہ سلطنت میں شامل ہو گئے۔ عادل شاہی حکمرانوں نے بڑی عمارتیں تعمیر کیں۔ انہوں نے اپنے دارالسلطنت بیجاپور کو ہندوستان میں مسلمانوں کے تعمیری کمالات کی ایک نہایت شاندار یادگار بنادیا وہ علم و ادب کے بھی بڑے سرپرست تھے۔ مشہور مورخ فرشتہ نے اپنی تاریخ ابراہیم عادل شاہ ثانی ہی کی سرپرستی میں لکھی تھی۔

احمد نگر میں ملک احمد نے نظام شاہی مملکت کی بنیاد رکھی اور اس کی اولاد تقریباً دو سو سال تک حکومت کرتی رہی، اس خاندان کے چودہ بادشاہ 1490ء سے 1635ء تک حکومت کرتے رہے۔ احمد نگر کی نظام شاہی سلطنت بھی دکن کی دوسری سلطنتوں کی طرح علوم و فنون کو ترویج و ترقی دیتی رہیں۔ بیجاپور کے کئی مشاہر، علماء اور اصحاب علم اولاً احمد نگر ہی میں آئے تھے۔ نظام شاہی سلطنت سے نہ صرف اپنے ہمسایہ حکومتوں کی لڑائی ہوتی رہی بلکہ شمال کی مغلیہ حکومت نے بھی دکن میں اس سلطنت پر حملہ کیا۔ اکبر کے دو فرزند یکے بعد دیگرے احمد نگر پر حملہ آور ہوئے۔ گجرات کے بادشاہوں سے بھی نظام شاہوں کو معرکے کرنے پڑے۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ تو بہادر شاہ والی گجرات نے احمد نگر پر اپنا قبضہ بھی کرلیا تھا۔ نظام شاہی حکومت میں برہان نظام شاہ اور حسین نظام شاہ خاص کر سے قابل ذکر ہیں۔ ان کے دور حکومت میں ایک طرف تو جنگ و جدال کے معرکے ہوتے رہے اور دوسری طرف علم و فن کی بھی قدر دانی ہوتی رہی۔ دکن کی دوسری مملکتوں کی طرح یہ بھی آپس کی رقابت اور امراء کی سازشوں سے کمزور ہوتی گئی اور حکومت نظام شاہی کا خاتمہ ہوگیا۔

دکن کے ان پانچ خودمختار حکمران خاندانوں میں سے ایک قطب شاہی خاندان ہے جو بہمنی سلطنت کے خاتمے پر ظہور میں آیا، اور قطب شاہی لقب سے موسوم ہوا جو بہمنی بادشاہوں کے ماتحت اس کے بانی سلطان قلی کو حاصل تھا جب احمد نگر، بیجاپور اور برار کے صوبائی گورنروں نے اپنی خودمختاری کا اعلان کیا اس وقت تک سلطان قلی بہمنی حکمران محمود کے دربار ہی میں تھا 1493ء میں سلطان قلی کو قطب الملک کا لقب ملا اور اس نے باغیوں کو پسپا کیا تو 1495ء میں اسے بطور انعام تلنگانہ کی حکومت دے دی گئی۔ اس نے 1512ء تک ظاہری طور پر بہمنیوں سے وفاداری قائم رکھی اس کے بعد اس نے اپنی آزادی کا اعلان کردیا۔ قطب شاہی خاندان کے ہر ایک حکمران نے قطب شاہ کا امتیازی لقب اختیار کیا اگرچہ مغل شہنشاہوں نے انہیں کبھی یہ لقب نہیں دیا بلکہ وہ انہیں ہمیشہ قطب الملک ہی بلاتے رہے۔ اورنگ زیب نے 1687ء میں گول کنڈہ فتح کر قطب شاہی حکومت کا خاتمہ کیا۔ گول کنڈہ دکن کی پانچوں آزاد ریاستوں میں اہمیت کے لحاظ سے تیسرے نمبر پر تھا۔ حیدرآباد کے گول کنڈہ کی سلطنت نے جو کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں وہ ناقابل فراموش ہیں۔ دراصل دکنی کلچر کا آغاز اور مسلمانوں کے تمدن اور تہذیب میں تلنگانہ

کے کلچر کو داخل کرنے کا بڑا سہرہ قطب شاہی سلطنت کے سر ہے خصوصیت سے ابراہیم سے لے کر محمد قلی قطب شاہ تک اس کے ہیرو قرار دئے جا سکتے ہیں۔

برار کی عماد شاہی حکومت کے بانی فتح اللہ عماد الملک نے بہمنی حکومت کے دوسرے صوبہ داروں کی طرح 1490ء میں اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔لیکن بعض مورخ اس امر کی صراحت کرتے ہیں کہ اس نے بادشاہی کا اعلان نہیں کیا تھا بلکہ اس کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے علاء الدین نے تخت نشینی کے بعد اپنی بادشاہی کا اعلان کیا۔اس کے عہد میں گجرات کے حکمران بہادر شاہ نے برار پر فوج کشی کی اور علاء الدین نے اس کی اطاعت قبول کرلی۔علاء الدین کے فرزند دریا عماد شاہ نے اس جنگ وجدال کو ختم کرنے کے لئے اپنی بیٹی کی شادی نظام شاہی حکمران حسین نظام شاہ سے کردی جس کی وجہ سے کچھ عرصہ تک برار میں امن وامان رہا۔دریا عماد شاہ کے بعد چونکہ اس کا بیٹا برہان عماد شاہ کم سن تھا اس کا فائدہ اُٹھا کر اس کے ایک امیر تفال خان نے اسے نظر بند کر کے خود بادشاہ بن بیٹھا۔چونکہ نظام شاہی حکمران سے عماد شاہی حکومت کی رشتہ داری قائم ہوچکی تھی اس لئے مرتضٰی نظام شاہ نے تفال خان کے خلاف برار پر فوج کشی کی اور 1572ء میں پورا علاقہ برار کا اپنی حکمرانی میں شامل کر لیا۔

بیدر کی برید شاہی حکومت کا بانی قاسم برید ہے اس نے بھی دوسرے بہمنی گورنروں کی طرح بیدر میں علیحدہ حکومت قائم کی۔اس خاندان میں پانچ اشخاص یکے بعد دیگرے بیدر میں حکومت کرتے رہے۔ہمسایہ حکومتوں میں سے عادل شاہوں کے ان سے معرکے ہوتے رہے کبھی ان کو اور کبھی عادل شاہوں کو غلبہ حاصل ہوتا۔محمد عادل شاہ کے زمانہ میں بیدر عادل شاہی حکومت میں شامل ہوا اس طرح برید شاہی حکومت ختم ہوگئی۔برید شاہی حکومت بہت مختصر عرصہ کے لئے ہی قائم ہوئی تھی مگر اس خاندان نے علم وفن کی خدمت کی اور دکن کلچر کو فروغ دیا۔

10.9 نمونے کے امتحانی سوالات

درج ذیل سوالات کے جوابات تیس سطروں میں لکھئے:

(1) بہمنی سلطنت کے خاتمے پر کون کون سی حکومتیں قائم ہوئیں؟ان کا قیام کہاں ہوا اور کب سے کب تک رہا؟

(2) عادل شاہی حکومت کے عروج وزوال پر نوٹ لکھئے۔

(3) نظام شاہی حکومت کے کارناموں پر روشنی ڈالئے۔

(4) قطب شاہی حکومت پر نوٹ لکھئے۔

(5) برید ی حکومت یا برار حکومت میں سے کسی ایک پر روشنی ڈالئے۔

درج ذیل سوالات کے جوابات پندرہ سطروں میں لکھئے۔

(1) عادل شاہی حکمرانوں کی علمی سرپرستی پر نوٹ لکھئے۔

(2) عادل شاہی حکومت کی معاشرتی زندگی مختصراً بیان کیجئے۔

(3) محمد قلی قطب شاہ کے عہد پر نوٹ لکھئے۔

(4) چاند بی بی کون تھیں؟ ان کے انتظامی اقدامات پر روشنی ڈالئے۔

(5) عماد شاہی حکومت کا خاتمہ کیسے ہوا؟

(6) بریدی حکومت کی تعمیرات پر نوٹ لکھئے۔

10.10 مطالعہ کے لیے معاون کتابیں

(1) محمد قاسم فرشتہ: تاریخ فرشتہ (مترجم عبدالحی خواجہ) لاہور پاکستان

(2) دائرۃ المعارف: شعبہ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

(3) Masudul Hasan History of Islam

(4) S.K.Panday Medieval India

(5) محمد نصیر الدین ہاشمی: دکنی کلچر

اکائی۔ 11: جون پور کی شرقی حکومت، سوری خاندان کی حکومت

اکائی کے اجزاء

11.1 مقصد

11.2 تمہید

11.3 شرقی حکومت کا قیام:

11.3.1 ملک سرور

11.3.2 مبارک شاہ شرقی

11.3.3 ابراہیم شاہ شرقی

11.3.4 محمود شاہ و حسین شاہ

11.3.5 شرقی فن تعمیر

11.4 سوری خاندان کی حکومت کا قیام: پس منظر

11.4.1 ہمایوں کا تصادم

11.4.2 شیر شاہ سوری بحیثیت ہندوستان کا حکمران

11.4.3 شیر شاہ کا نظم و نسق

11.4.3 شیر شاہ کے جانشین

11.5 خلاصہ

11.6 نمونے کے امتحانی سوالات

11.7 فرہنگ اصطلاحات

11.8 مطالعہ کے لیے معاون کتابیں

11.1 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلباء شرقی حکومت اور سور حکومت کے مشہور سلاطین، ان کے اوصاف و سیرت، طرز حکومت نیز ان کے

اہم کارناموں، جنگوں اور اصلاحات سے واقفیت حاصل کرسکیں گے۔

11.2 تمہید

اس اکائی میں شرقی وسور حکومتوں کا اجمالی تعارف کرایا جائے گا۔ان کے قیام و زوال کے ساتھ ساتھ مشہور حکمران اور ان کے کارناموں پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے گی ان کےعلاوہ ان کے عہد کے نظم ونسق: مرکزی وصوبائی نظام، محکمہ قضا، محکمہ محصول، تعمیرات، علم وعلماء کی سرپرستی پر بھی اظہار خیال کیا جائے گا۔

11.3 شرقی حکومت کا قیام

جونپور کی بنیاد فیروز شاہ تغلق نے اپنے چچیرے بھائی جونا خان یعنی محمد بن تغلق کی یاد میں 1359ء میں اپنے بنگال پر حملہ کے دوران رکھی تھی۔یہ دہلی سلطنت کے مشرقی صوبوں کا دارالسلطنت تھا۔جونپور میں آزاد حکومت کی بنیاد ملک سرور نام کے ایک خواجہ سرا جس کا لقب ملک الشرق رکھی تھی یہ حکومت شرقی حکومت کہی جاتی ہے۔

11.3.1 ملک سرور(1394-1399):

ملک سرور سلطان محمد بن تغلق کا ایک غلام تھا۔فیروز شاہ تغلق کے انتقال کے بعد جانشینی کی خانہ جنگی میں اہم کردار نبھایا اس لئے اسے حکومت میں اہم مقام حاصل ہوگیا۔سلطان ابوبکر شاہ(1389-1390) کے وقت اہم منصب حاصل کیا۔اس کے بعد اس خانہ جنگی میں ناصر الدین محمد شاہ(1390-1394) کا ساتھ دیا۔تخت پر بیٹھنے کے بعد اس نے ملک سرور کو خواجہ جہاں کا لقب عطا کیا اور اپنا وزیر اعظم منتخب کیا۔بعد میں ملک الشرق کا لقب عطا کرا سے مشرقی علاقوں کا منتظم بنایا۔ناصر الدین محمد کے انتقال کے بعد ملک سرور کی مدد سے ہی ناصر الدین محمود(1394-1413) تخت نشین ہوا۔ناصر الدین محمود نے اسے اپنا وزیر منتخب کیا اور جون پور کا والی مقرر کیا جس کے ماتحت بہار میں ترہٹ تک کا علاقہ تھا۔ملک سرور نے اس علاقے کا اچھا انتظام کیا اور اپنی خوش اسلوبی سے گردونواح کے راجاؤں کو اپنا مطیع بنایا۔وہ قلعے جو غیر مسلمانوں کے قبضے میں تھے ان کو اپنے قبضہ میں کر کے تجربہ کار سپاہیوں کے سپرد کیا۔رفتہ رفتہ اس کی قوت میں اضافہ ہوتا گیا۔اسی زمانہ میں تیموروں نے بھی ہندوستان پر حملہ بولا جس سے حکومت درہم برہم ہونے لگی اور ناصر الدین محمود کا اثر کم ہونے لگا جس کا فائدہ ملک سرور نے اٹھایا اور سلطان الشرق کا لقب اختیار کیا اور علی گڑھ سے لے کر بہار کے ترہٹ تک کے علاقے پر قابض ہوا اور تمام باغیوں اور سرکشوں کو مغلوب کیا اور بڑی شان وشوکت سے حکومت کرنے لگا۔تاریخ فرشتہ کے مطابق اس نے اپنی دھاک ایسی بٹھائی کہ سلاطین بنگال اور لکھنو بھی اس سے بڑی اچھی طرح پیش آتے تھے اور اس کی خدمت میں تحفے ارسال کرتے رہتے تھے۔ملک سرور نے چھ سال حکومت کی اور 1399ء میں اس کا انتقال ہوا۔

معلومات کی جانچ:

(1) شرقی حکومت کی بنیاد کہاں اور کس نے رکھی تھی؟

(2) ملک سرور کون تھا؟ پانچ سطر لکھیے۔

11:3:2 مبارک شاہ شرقی (1399-1401)

ملک سرور کے انتقال کے بعد اس کے متبنی بیٹے ملک قرنفل نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور نظام حکومت کو درست کر کے اپنی قوت میں خاطر خواہ اضافہ کرلیا۔ان دنوں سلطنت دہلی زوال پذیر تھی۔ملک قرنفل نے موقعے سے فائدہ اٹھایا اور مبارک شاہ کا لقب اختیار کیا اور اپنے کو سلطان کہا، سکہ جاری کیا اور اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔تغلق حکمران سلطان ناصرالدین محمود کے وکیل مطلق اقبال خان کو جب اس کی اطلاع ملی تو وہ سخت غصے میں آیا اور جون پور حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوا۔اقبال خان جب قنوج پہونچا تو مبارک شاہ بھی اپنی جرار فوج لے کر مقابلہ کو گیا۔دونوں فوجوں کے بیچ گنگا حائل ہوئی۔ایک کنارے پر اقبال خان نے قیام کیا اور دوسرے کنارے پر مبارک شاہ اپنے لشکر کے ساتھ مقیم ہوا۔دونوں فریقین میں سے کسی نے بھی دریا پار کر کے حریف تک پہونچنے کی کوشش نہ کی۔دو ماہ اسی عالم میں گزر گئے آخر بغیر جنگ کے ہی دونوں فریق اپنے اپنے علاقے لوٹ آئے۔مبارک شاہ جب جون پور پہونچا تو اسے معلوم ہوا کہ سلطان ناصرالدین محمود جو مالوہ میں تھا واپس لوٹ آیا ہے اور اقبال خان کو ساتھ لیکر جون پور کو فتح کرنے کے ارادے سے سفر اختیار کیا ہے۔مبارک شاہ نے بھی جنگ کی تیاری شروع کردی لیکن جنگ سے قبل ہی اسکا 1401ء میں انتقال ہوا۔

11:3:3 ابراہیم شاہ شرقی (1401-1440)

مبارک شاہ کے انتقال کے بعد اسکا چھوٹا بھائی ابراہیم شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔چونکہ مبارک شاہ کے عہد میں سلطان ناصرالدین اور اقبال خان جونپور کو فتح کرنے کے لئے روانہ ہوئے تھے، ابراہیم شاہ نے بھی حکومت سنبھالتے ہی ایک زبردست لشکر جمع کیا اور حریف سے معرکہ آرا ہونے کے لئے دریائے گنگا کے کنارے مقیم ہوا۔فریقین ایک مدت تک ایک دوسرے کے سامنے ڈٹے رہے لیکن جنگ کی نوبت نہ ہوئی۔اسی دوران اقبال خان اور سلطان ناصرالدین محمود میں نا اتفاقی ہوگئی۔سلطان ناصرالدین محمود ابراہیم شاہ شرقی سے آملا۔

اس واقعہ کے بعد اقبال خان دہلی اور ابراہیم شرقی جونپور بنا کسی جنگ کے لوٹ آئے۔1406ء میں اقبال خان کا انتقال ہوا اور سلطان ناصرالدین محمود دہلی کی طرف روانہ ہوا، ابراہیم شرقی نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور 1407ء میں قنوج پر حملہ بول دیا۔اگلے سال 1408ء ابراہیم شرقی نے دہلی فتح کرنے کا ارادہ کیا لیکن اسی بیچ اسے خبر ملی کہ سلطان مظفر گجراتی سلطان ناصرالدین محمود کی مدد کے لئے آرہا ہے اور اسکا ارادہ جونپور پر قبضہ کرنے کا بھی ہے۔ابراہیم شرقی نے اس اطلاع کے بعد دہلی پر حملہ کرنے کا ارادہ ترک کردیا۔اس کے بعد اس کے عہد میں کوئی بڑا معرکہ نہیں ہوا۔1440ء میں ابراہیم شاہ شرقی بیمار پڑا اور اسی بیماری میں اسکا انتقال ہوا۔

ابراہیم شاہ شرقی عقل وفہم اور علم وفضل کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھا اس کے عہد حکومت میں ہندوستان کے علماء وفضلاء کے علاوہ ایران کے علماء بھی جونپور آئے۔ابراہیم شرقی نے ہر طرح سے ان کی دل جوئی کی۔انہیں امن واطمینان سے زندگی گزارنے کا سامان بہم پہونچایا۔اس کے دربار میں علماء کی ایک ایسی جماعت جمع ہوگئی کہ جون پور ایک اہم علمی مرکز بن گیا۔اس عہد حکومت کے علماء وفضلاء میں قاضی شہاب الدین جون پوری بڑی اہمیت رکھتے ہیں ابراہیم شاہ شرقی ان کے علم کا بڑا قدردان تھا۔مصنف تاریخ فرشتہ لکھتے ہیں کہ قاضی صاحب کی توقیر

وتعظیم کا یہ عالم تھا کہ مقدس دنوں میں قاضی صاحب شاہی مجلسوں میں چاندی کی کرسی میں بیٹھتے تھے ۔کہا جاتا ہے کہ ایک بار قاضی صاحب بیمار پڑے، ابراھیم شرقی ان کی مزاج پرسی کے لئے گیا ادھر ادھر کی باتوں کے بعد ابراہیم شرقی نے ایک پیالہ پانی کا طلب کیا اور پیالے کو اس نے قاضی صاحب کے سر پر تصدیق کر کے خود پی لیا اور کہا۔"اے خُدا جو مصیبت قاضی صاحب کے سر پر پڑی ہوئی ہے اس سے انہیں نجات دے اور مجھ کو اس مصیبت میں ڈال دے تا کہ قاضی صاحب صحت یاب ہو جائیں"۔اس واقعہ سے ابراہیم شرقی کے کردار کا اندازہ ہوتا ہے کہ اسے علمائے دین سے کس قدر عقیدت تھی۔

ابراہیم شاہ شرقی کے عہد ہی میں شرقی اسلوب نے جنم لیا۔فارسی زبان میں کئی اہم کتابیں لکھی گئیں۔جس میں حاشیہ ہندی، مصابح متن، بدایع البیان، فتاویٰ ابراہیم شاہی تفسیر فارسی المعروف بہ لج مواج، رسالہ مناقب سادات اور رسالہ شہابیہ وغیرہ۔ابراہیم شاہ شرقی نے تعمیر کے میدان میں اٹالہ مسجد اور جھانجھری مسجد تعمیر کروائی۔جونپور کو اپنی خوبصورتی کی وجہ سے مغل بادشاہ نے اس کی تعبیر شیراز سے کی تھی۔اس لئے جونپور کو شیراز ہند بھی کہا جاتا ہے۔

معلومات کی جانچ

(1) ابراہیم شاہ شرقی کے کارناموں پر مختصر نوٹ لکھیے۔

(2) قاضی شہاب الدین جونپوری اور ابراہیم شاہ شرقی کے تعلقات کو اُجاگر کریں۔

(3) ابراہیم شاہ شرقی کے عہد کے علمی کارناموں پر روشنی ڈالیے۔

11.3.4 محمود شاہ(1440-1457)

ابراہیم شاہ شرقی کے انتقال کے بعد اس کا بڑا بیٹا محمود خان سلطان محمود شاہ کے نام سے تخت نشین ہوا اور بڑی کامیابی سے سلطنت کے کاموں کو سرانجام دینے لگا۔اس نے ابراہیم شرقی کی تقلید کر کے رعایا کو ہر ممکن طریقے سے خوش وخرم رکھنے کی کوشش کی اسی وجہ سے ملک کے سارے باشندے اس سے بھی بے پناہ محبت کرنے لگے۔محمود شاہ کی بڑی کامیابی چنار پر قبضہ ہے۔اس نے کالپی اور دہلی پر قبضہ کرنے کی کوشش کی مگر خاطر خواہ کامیابی نہیں ملی۔1457ء میں اسکا انتقال ہوا۔اپنی وفات سے دو سال قبل محمود شاہ نے اپنے بیٹے بھیکن کے نام سے سکہ بھی جاری کیا تھا۔

محمد شاہ (1457-58)

محمد شاہ کے بعد اس کا بیٹا بھیکن محمد شاہ کا لقب اختیار کر کے تخت نشین ہوا۔وہ مزاجاً بہت سخت اور ظالم تھا۔ایک ہی سال کے بعد بھائی حسین شاہ نے تخت پر قبضہ کرلیا۔

حسین شاہ (1458-1479)

حسین شاہ شرقی حکومت کا آخری حکمراں تھا۔اس کے عہد میں دہلی اور جون پور کے بیچ کشیدگی بڑھتی گئی۔جب حسین شاہ نے حکومت

کی باگ ڈور سنبھالی تو بہلول لودھی دہلی کا حکمران تھا۔ حسین شاہ نے بہلول لودھی سے صلح کی، جو چار سالوں تک چلی۔ اس دوران حسین شاہ نے ترہٹ کے زمینداروں کی بغاوت کو کچلا اور اڑیسہ کے حاکم کو خراج دینے پر مجبور کیا۔ 67-1466ء میں گوالیار کے راجا مان سنگھ کو اپنا باجگزار بنایا۔ ان سب کامیابیوں سے اس کی طاقت میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ اس کے بعد حسین شاہ نے دہلی پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا جس کے نتیجے میں دہلی اور جونپور کے بیچ کشیدگی بڑھی۔ دہلی پر قبضہ کرنے کے لئے اس نے کئی بار کوشش کی مگر کامیابی نہیں ملی۔ بہلول لودی نے اسے شکست دے کر بہار میں پناہ لینے پر مجبور کیا۔ آخر میں سکندر لودی نے اسے بُری طرح شکست دی اور جونپور کو دہلی سلطنت میں ملا لیا اور اس کے ساتھ شرقی حکومت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

معلومات کی جانچ

(1) محمود شاہ کس کا جانشین تھا؟

(2) حسین شاہ کے متعلق چند سطریں لکھیے۔

113.5 تعمیرات

شرقی حکمرانوں نے علم اور علماء کی سرپرستی کی اور فن تعمیر میں دلچسپی لی۔ عہد شرقی کی اہم تعمیرات میں اٹالہ مسجد، لال دروازہ، جامع مسجد اور جانجھری مسجد ہیں۔ اٹالہ مسجد کی بنیاد 1367ء میں فیروز شاہ تغلق نے رکھی تھی مگر تعمیر 1408ء کا کام مکمل ہوئی۔ ابراھیم شاہ شرقی کے ہی عہد حکومت میں جانجھری مسجد کی تعمیر کا کام 1430ء میں پورا ہوا۔ لال دروازہ 1450ء میں محمود شاہ کے زمانے میں تعمیر کیا گیا اور جونپور کی جامع مسجد آخری شرقی حکمراں حسین شاہ کی یادگار ہے۔

معلومات کی جانچ

(1) عہد شرقی کی چند مشہور عمارتوں کے نام لکھیے؟

(2) اٹالا مسجد کی بنیاد کس نے رکھی اور کس کے عہد میں تعمیر کا کام مکمل ہوا؟

11.4 سور خاندان کی حکومت: پس منظر

سور افغان کا ایک قبیلہ ہے۔ شیر شاہ جس نے مغل بادشاہ ہمایوں کو شکست دے کر دہلی اور آگرہ کے علاقے میں سور خاندان کی بنیاد رکھی، وہ اسی قبیلے سے تھا۔ دائرۃ المعارف کے مطابق سور لودھیوں کے ایک قبیلہ کی شاخ ہے جب بہلول لودھی دہلی کے تخت پر بیٹھا تو اس کی کوشش سے بہت سے افغان ہندوستان آئے، ان میں سے سور کی ایک جماعت بھی ابراھیم خان سور کی قیادت میں یہاں آئی۔ ابراھیم خان کے چار بیٹے تھے: حسین، احمد، محمود اور غازی۔ حسین اور محمود جونپور میں آکر بس گئے۔ حسین کو بعد میں صوبہ بہار میں سہسرام اور خواص پور ٹانڈہ کی جاگیر ملی۔ اس کے چار بیٹے تھے: فرید، نظام، سلیمان اور احمد۔ فرید آخر کار شیر شاہ کے لقب سے ہندوستان کا بادشاہ بن گیا۔

فرید کی تعلیم جونپور میں ہوئی ۔تعلیم کے مکمل کرنے کے بعد وہ اپنے والد حسین کی جاگیروں کا داروغہ بنا ۔اس نے نظام و انصرام کو درست کیا ،سرکشوں کو قتل کیا ۔اس طرح تمام شر پسند اس کے مطیع اور فرمانبردار بن گئے اور مالگواری وقت پر ادا کرنے لگے ۔اس طرح فرید اپنی شجاعت اور سیاست کے لئے مشہور ہو گیا ۔لیکن کچھ عرصہ کے بعد اس کے والد حسین نے جاگیر واپس لے لی اور اپنے دو بیٹوں سلیمان اور احمد میں منقسم کر دی ۔

اس کے بعد فرید آزردہ ہو کر آگرہ آ گیا اور ابراھیم لودھی کے مشہور امیر دولت خان لودھی کے یہاں ملازمت کر لی ۔فرید نے اپنی قابلیت سے اس کو متاثر کیا ۔جب فرید کے والد حسین کا انتقال ہو گیا تو دولت خان لودھی نے فرید کو حسین کے پرگنوں کا نگراں مقرر کر دیا جس کے وجہ سے فرید اور اس کے بھائی سلیمان میں کشیدگی ہو گئی ۔اسی درمیان مغل سلطنت کا بانی بابر ہندوستان پر حملہ آور ہوا اور ابراہیم لودھی کو شکست دی ۔سور خاندان کے ایک شخص بہادر خان نے بہار پر قبضہ کر لیا تھا اور سلطان محمد کا لقب اختیار کر کے بہار کا بادشاہ بن بیٹھا تھا ۔فرید نے اس کی ملازمت اختیار کر لی ۔ایک دن سلطان محمد شکار کھیلنے شہر سے باہر گیا کہ اچانک ایک شیر نے حملہ بول دیا فرید نے شیر کا مقابلہ کیا اور اسے تلوار سے مار گرایا ۔اس واقعہ کے بعد سلطان محمد نے فرید کو شیر خان کے لقب سے نوازا ۔دوسری طرف فرید کے بھائی سلیمان نے حاکم جون پور محمد خان سور کے یہاں پناہ لی ۔محمد خان نے سلطان محمد کے ذریعے باپ کی جاگیر کا بھائیوں میں تقسیم کروایا ۔فرید اس تقسیم پر راضی نہ ہوا ۔دونوں میں کشیدگی ہوئی ۔فرید چونکہ سلطان محمد اور محمد خان سے مقابلہ نہیں کر سکتا تھا اس لئے جنید برلاس جو بابر کی طرف سے حاکم تھا کی خدمت میں حاضر ہوا اور فوجی امداد طلب کی ۔محمد خان اب فرید کا مقابلہ نہ کر سکا اور رہتاس کے پہاڑوں میں چھپ گیا ۔فرید اپنے پرگنوں کے علاوہ جون پور اور اس کے گرد و نواح پر بھی قابض ہو گیا ۔اس کامیابی کے بعد فرید نے جنید برلاس کے سپاہیوں کی خوب خاطر کی اور جنید برلاس کو بھی تحفے بھیجے ۔فرید نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو بھی جمع کیا اور اپنی جماعت بنائی ۔حاکم جون پور محمد خان کو بھی رہتاس کی پہاڑی سے بُلا کر جون پور کی جاگیر لوٹا دی اور اپنی جاگیر اپنے بھائی کو دی ،اور خود جنید برلاس حاکم کڑہ کی خدمت میں چلا گیا ۔اتفاق سے حاکم بابر سے ملنے جا رہا تھا وہ فرید یعنی شیر خان کو بھی اپنے ساتھ آگرہ لے گیا ۔اس طرح شیر خان بابر کے خیر خواہانِ سلطنت میں شامل ہو گیا ۔اور اس طرح شیر خان کو مغلوں کے طور طریقوں اور عادات سے واقفیت ہوئی ۔ایک دن بابر کے دسترخوان پر ایک طباق ماہیچہ کا شیر خان کے سامنے بھی رکھا گیا ۔اس نے دیکھا اس طرح اس کو نہیں کھا سکتا لہذا اس نے ماہیچہ کو چھری سے کاٹ کر کھانا شروع کر دیا ۔بابر یہ ماجرا دیکھ رہا تھا ۔بابر نے کہا کہ اس پٹھان نے ایک عجیب کام کیا ۔شیر شاہ بابر کے اس جملہ کا اشارہ سمجھ گیا اور اسی رات شاہی لشکر سے بھاگ کر اپنی جاگیر میں پہونچ گیا اور دوبارہ سلطان محمد کی خدمت میں حاضر ہوا ۔سلطان محمد نے شیر خان کو اپنے بیٹے جلال کا اتالیق مقرر کر دیا ۔اس کے کچھ عرصہ کے بعد سلطان محمد کا انتقال ہوا اور اس کا کم عمر بیٹا جلال جانشین ہوا ۔

شیر خان جلال کا نائب

جلال خان کی ماں دودو بی بی شیر خان کی مدد سے ملکی معاملات انجام دینے لگی ۔لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد دودو بی بی کا انتقال ہوا اور بہار کی حکومت پوری طرح سے شیر خان کے قبضہ میں آ گئی ۔اس کو اپنی طاقت کو پھیلانے اور نظام حکومت درست کرنے کا موقع ملا ۔حکومت پر اپنی پکڑ مظبوط کرنے کے لئے اپنے پر اعتماد لوگوں کو اہم عہدوں پر مقرر کیا اسی درمیان ابراہیم لودی کا بھائی محمود لودی بہار پہونچا ۔بہار کے افغان امیروں نے اسے اپنا حاکم مان کر بابر کے خلاف جنگ کرنے کو کہا ۔مگر شیر خان اس پر راضی نہ ہوا اس نے کہا ابھی مغلوں پر حملہ کرنے کا صحیح وقت

نہیں ہے لیکن افغان امیروں کے دباؤ میں نیم رضامندی کا اظہار کیا۔ 1529ء میں بابر کے خلاف جنگ ہوئی۔ بابر نے گھاگھرا کے میدان میں افغانوں کو بری طرح شکست دی محمود لودی میدان جنگ سے فرار ہوا۔ شیر خان نے بابر کی بالادستی کو قبول کیا۔ بابر نے جلال خان کو بہار کا حاکم اور شیر خان کو اس کا نائب قبول کیا۔

شیر خان کی اس بڑھتی ہوئی طاقت سے کچھ امیروں میں حسد پیدا ہوئی اور اس کے خلاف بنگال کے حکمران نصرت شاہ سے مدد طلب کی 1529ء میں نصرت شاہ حملہ آور ہوا مگر اسے شکست ہوئی۔ اس کے بعد شیر خان کی طاقت میں اور اضافہ ہوا اور اس نے حضرت اعلیٰ کا لقب اختیار کیا۔ 1530ء میں شیر خان نے اپنی سرحد کو بڑھاتے ہوئے چنار کے قلعہ پر قبضہ کرلیا اور قلعہ کے حولدار تاج خان کی بیوہ لاڈو ملکہ سے نکاح کر اس کی جائیداد کا مالک بن گیا۔

11.4.1 ہمایوں سے تصادم

ہمایوں شیر خان کی بڑھتی ہوئی طاقت پر قدغن لگانا چاہتا تھا اس لئے اس نے 1532ء میں چنار کے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ لیکن چار ماہ کے محاصرہ کے بعد بھی اسے کامیابی نہیں ملی۔ اسی وقت گجرات کے حکمران بہادر شاہ نے راجستھان پر حملہ کیا۔ ہمایوں نے بہادر شاہ کے حملہ کو روکنے کے لئے شیر خان سے معاہدہ کیا جس کے تحت شیر خان نے اپنے بیٹے قطب خان کی قیادت میں ایک فوجی ٹکڑی ہمایوں کی مدد کو آگرہ بھیجی۔ یہ معاہدہ شیر خان کے لئے بھی موقع غنیمت تھا۔ 1536ء میں شیر خان نے بنگال پر حملہ کیا اور اس کی دارالسلطنت گوڑھ کی گھیرابندی کی آخر میں بنگال کے حکمران محمود شاہ نے تیرہ لاکھ دینار دے کر معاہدہ کیا۔ قطب خان بھی آگرہ سے اپنی فوج لے کر اپنے والد شیر خان کے پاس لوٹ آیا۔

ہمایوں 1537ء میں شیر خان کے خلاف چنار پہونچا اور چنار کے قلعہ کا دوبارہ محاصرہ کیا اور چھ مہینے کے محاصرہ کے بعد قلعہ پر ہمایوں کا قبضہ ہوگیا۔ چنار کے بعد ہمایوں بنگال کی طرف بڑھا اور بنارس پہونچ کر معاہدہ کی بات کی اور باجگزاری قبول کرنے کو کہا۔ شیر خان اس پر راضی نہیں ہوا۔ ہمایوں اپنی فوج لیکر بنگال پہونچا اور گوڑھ کے قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ لیکن شیر خان نے دوسری طرف سے اپنی فوج لیکر شمالی ہندوستان یعنی بنارس قنوج اور سنبھل کا علاقہ قبضہ کیا اور ہمایوں کے بنگال سے دلّی آنے کے سارے راستوں پر قابض ہوا۔

جنگ چوسا

1539ء میں جب ہمایوں بنگال سے آگرہ کی طرف بڑھا تو شیر خان نے چوسا کے قریب اس کا راستہ روکا۔ ہمایوں کی فوج کرم ناشا اور گنگا ندی کے دوآب میں رکی۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے تقریباً تین مہینے تک رہیں۔ موسم چونکہ بارش کا تھا اس لئے دونوں ندیوں کا پانی بڑھنے لگا جس سے مغلوں کی فوج میں کھلبلی مچ گئی ان کا توپ خانہ بیکار ہوگیا اس کا فائدہ اُٹھا کر شیر خان نے 26 جون 1539ء کو مغلوں پر حملہ کیا۔ فوج اپنی جان بچانے کے لئے گنگا میں کود گئی۔ ہمایوں نے جم کر مقابلہ کیا مگر وہ بھی تیر سے زخمی ہوا اور گھوڑے سمیت گنگا میں کود پڑا، ہمایوں کی جان ایک بھشتی نے جس کا نام نظام تھا بچائی۔ اس جنگ میں ہزاروں مغل فوجی مارے گئے۔ اس کامیابی کے بعد شیر خان نے اپنے کو سلطان کہا اور شیر شاہ کا لقب اختیار کیا۔ اس نے اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا اور سکہ بھی جاری کیا۔ شیر شاہ اس کے بعد اپنی فوج بھیج کر بنگال پر قابض ہوا۔

جنگ قنوج

جنگ چوسا میں شکست کے بعد ہمایوں بھشتی نظام کی مدد سے جان بچا کر آگرہ پہونچا۔شیر شاہ نے اپنی ایک فوجی ٹکڑی اپنے بیٹے قطب خان کی قیادت میں ہمایوں کے خلاف بھیجی لیکن قطب خان کالپی کے نزدیک جنگ میں مارا گیا۔شیر خان اس کا بدلہ لینے کے لئے قنوج پہونچا اور گنگا ندی کے کنارے خیمہ زن ہوا۔دوسری طرف ہمایوں کی فوج تھی ہمایوں ابھی جنگ کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ زبردست بارش ہوئی اور اس کے خیموں میں پانی بھر گیا۔ہمایوں نے خیموں کو دوسری اونچی جگہ پر منتقل کرنے کا حکم دیا۔اسی بیچ 17 مئی 1540ء کو شیر خان نے اچانک مغلوں پر حملہ کیا اور ان کو زبردست شکست دی۔ہمایوں وہاں سے اپنی جان بچا کر آگرہ بھاگا۔شیر خان بھی پیچھا کرتے ہوئے آگرہ پہونچا۔اس لئے ہمایوں آگرہ سے لاہور اور لاہور سے ایران پہونچا اور وہاں کے حکمران شاہ طہماسپ کے دربار میں پناہ گزیں ہوا۔

معلومات کی جانچ

(1) فرید کون تھا؟

(2) جنگ چوسا پر نوٹ لکھیے۔

(3) جنگ قنوج کس کے بیچ لڑی گئی؟

11.4.2 شیر شاہ بحیثیت ہندوستان کا حکمراں

قنوج میں ہمایوں کو شکست دینے کے بعد شیر شاہ نے دلی اور آگرہ پر قبضہ کیا۔اس نے 10 جون 1540ء کو آگرہ میں تاج پوشی کروائی اور اپنی سلطنت قائم کی۔سلطان بننے کے بعد شیر شاہ کے سامنے کئی مشکلات تھیں۔سب سے پہلا کام تھا مغلوں کو دوبارہ حکومت قائم کرنے سے روکنا اور ان سبھی علاقوں پر قابض ہونا جو مغلوں کے زیرِ نگیں تھے۔

پنجاب پر حملہ

شیر شاہ نے سب سے پہلے پنجاب کی طرف رُخ کیا اور وہاں کے حاکم کامران کو شکست دی۔مغلوں کے پلٹ وار سے محفوظ رکھنے کے لئے شیر شاہ نے بولن درّے اور پشاور سے آنے والے سبھی راستوں پر حفاظتی دستے بٹھائے اور اہم بلوچی سرداروں: اسلام خان، فتح خان اور غازی خان کو اپنے طرف ملا لیا۔

مالوہ پر حملہ

اس وقت مالوہ ملو خان کے قبضہ میں تھا جو گجرات کے حاکم بہادر شاہ کی طرف سے صوبہ دار تھا مگر ملو خان نے بہادر شاہ کے انتقال کے بعد قادر خان کا لقب اختیار کر اپنی آزادی کا اعلان کر دیا تھا اور مانڈو، سارنگ پور، اُجین اور رنتھمبور پر قبضہ جما لیا تھا۔ 1542ء میں شیر شاہ مالوہ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوا۔راستہ میں گوالیار کے قلعہ پر حملہ آور ہوا۔گوالیار کا حکم پورن مل تھا جس نے شیر شاہ کی باجگزاری قبول کی۔وہاں سے

شیر شاہ سارنگ پور کی طرف روانہ ہوا وہاں کے حاکم قادر شاہ نے شیر شاہ کی اطاعت قبول کی۔اس کے بعد شیر شاہ نے مانڈو اور اُجین پر قبضہ کیا اور شجاعت خان کو وہاں کا نگراں مقرر کیا۔آگرہ واپسی پر شیر شاہ نے رنتھمبور کے قلعہ پر بھی قبضہ کرلیا۔

رائے سین پر حملہ

رائے سین ایک مضبوط صوبہ تھا یہاں کا حاکم پورن مل بہت طاقتور تھا اس نے کئی پرگنوں پر قبضہ کر دو ہزار مسلمان عورتیں اپنے حرم میں داخل کر رکھی تھیں، یہ مسلمان عورتیں رقاصاؤں اور گانے بجانے کا کام انجام دیتی تھیں۔شیر شاہ نے جب یہ واقعہ سنا تو صوبہ رائے سین پر حملہ آور ہوا اور قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔محاصرے کی طوالت کی وجہ سے شیر شاہ نے صلح کی بات چیت شروع کی، اس نے پورن مل سے وعدہ کیا کہ اس کی جان کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا اور قلعہ کی جانچ کے بعد قلعہ اسے لوٹا دیا جائے گا۔پورن مل اپنے بال بچوں اور چار ہزار راجپوتوں کے ساتھ قلعہ کے باہر ایک جگہ پر قیام پذیر ہوا۔جانچ کے دوران مسلم عورتوں نے پورن مل کے ظلم وستم کی شکایت اور اسے سزا دینے کی گزارش کی۔شیر شاہ کو اچھا بہانہ ملا اور اس نے قلعہ پر حملہ کر کے اسے اپنے قبضے میں لیا۔

ملتان کی فتح

جب شیر شاہ پنجاب میں مصروف جنگ تھا تو اسے بنگال میں بغاوت کی خبر ملی۔اس نے فوج کے انتظام کو درست کیا اور ہیبت خان کو ذمہ دار بنا کر خود بنگال کی بغاوت کو کچلنے کے لئے روانہ ہوا۔ادھر ہیبت خان نے ملتان کے حاکم فتح خان بلوچ کو ہرا کر 1543ء میں پورے ملتان کو قبضہ میں لے لیا۔اس کامیابی کے بعد قندھار سے ہندوستان کو آنے والے سارے راستے شیر شاہ کے اختیار میں آ گئے۔

مارواڑ پر حملہ

شیر شاہ کے سامنے سب سے بڑی مشکلات راجپوتانہ کے صوبے تھے جہاں کئی ایک آزاد اور طاقتور حکومتیں قائم تھیں۔سب سے پہلے شیر شاہ نے مارواڑ کی طرف رخ کیا۔وہاں کا حکمران مال دیو تھا وہ بہت بہادر اور قابل حاکم تھا اسکی سرحدیں سیوانا، جالور، ٹونک، اجمیر اور جھاجھر تک پھیلی ہوئی تھیں۔جھاجھر دلی سے صرف تیس میل دور تھا اس لئے مال دیو شیر شاہ کے لئے کبھی بھی مشکلات کھڑا کر سکتا تھا۔اس لئے شیر شاہ مالدیو کی بڑھتی ہوئی طاقت اور اپنی سرحد کی حفاظت کے لئے مال دیو کے خلاف مارواڑ کی جانب روانہ ہوا اور جودھ پور کا محاصرہ کیا۔یہ محاصرہ ایک مہینہ تک چلتا رہا، جب کچھ خیر خواہ نتیجہ نہیں نکلا تو شیر شاہ نے جعلی خطوط کے ذریعہ سرداروں اور افسروں میں پھوٹ ڈال دی۔ان حالات کو دیکھ کر مال دیو سیوان کی طرف بھاگ گیا۔آخر میں راجپوت سرداروں نے بہت بہادری سے شیر شاہ کی فوج کا سامنا کیا مگر شکست ہوئی۔اس جنگ میں راجپوتوں کے حملوں سے شروع میں شیر شاہ کی فوج درہم برہم ہوگئی اور شیر شاہ کے قدم ڈگمگانے لگے لیکن اچانک ایک افغان امیر جلال خان جو اپنی شجاعت کے لئے مشہور تھا ایک فوجی ٹکڑی کے ساتھ حملہ آور ہوا جس کی وجہ سے شیر شاہ کو فتح نصیب ہوئی۔اس حملہ میں راجپوتوں کی بہادری کو دیکھ کر شیر شاہ نے کہا تھا کہ ''خیر گذری ورنہ ایک مٹھی بھر باجرے کے لئے ہندوستان کی سلطنت کھو بیٹھا تھا''۔

چتوڑ پر حملہ:

مارواڑ کی کامیابی کے بعد شیر شاہ نے چتوڑ کا رُخ کیا۔اس وقت وہاں کا راجا راڑا دے سنگھ تھا، جو کم عمر تھا۔اس نے بنا جنگ کے ہی

شیر شاہ کی اطاعت قبول کر لی۔

کالنجر پر حملہ

چتوڑ کی کامیابی کے بعد شیر شاہ کالنجر کی طرف بڑھا۔ کالنجر کا حکمران کیرت سنگھ تھا۔ کالنجر کا قلعہ بہت مشہور اور مضبوط حصار کا قلعہ تھا۔ 1544ء میں شیر شاہ ایک بہت بڑی فوج لیکر کالنجر پہونچا اور قلعہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ مہینوں کے بعد بھی جب کامیابی نہیں ملی تو شیر شاہ نے قلعہ کی دیوار کو بارود سے اُڑانے کا حکم دیا۔ شیر شاہ جہاں خود کھڑا تھا اسی جگہ بارود کے بھرے ہوئے ڈبے رکھے ہوئے تھے ان کو سپاہی آگ لگا کر قلعہ کے اندر پھینک رہے تھے۔ اتفاق سے ایک گولہ قلعے کی دیوار سے ٹکرا کر بارود کے دوسرے ڈبوں کے درمیان آگرا۔ اس کے گرتے ہی سارے ڈبوں میں آگ لگ گئی۔ شیر شاہ بُری طرح جل گیا، اس حالت میں بھی اس نے قلعہ کو فتح کرنے کا حکم دیا۔ شام ہوتے ہوتے کامیابی ملی اور قلعہ پر قبضہ کر لیا گیا۔ اس کامیابی کے بعد شدید جلنے کی وجہ سے شیر شاہ کا انتقال 22 مئی 1544ء کو ہوا۔ کالنجر کی کامیابی شیر شاہ کی آخری کامیابی تھی۔

معلومات کی جانچ

(1) شیر شاہ سوری کے جنگی کارناموں پر روشنی ڈالیے؟

(2) شیر شاہ کے کالنجر کے حملہ پر ایک نوٹ لکھیے۔

11.4.3 شیر شاہ کا نظم ونسق

شیر شاہ ایک بہادر و عظیم سپہ سالار و حکمراں ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ انتظامی قابلیت رکھنے والا شخص بھی تھا۔ مشہور مورخ کین (Keen) کے مطابق ''اس پٹھان نے پانچ سالوں میں اتنا کچھ کر ڈالا جتنا کہ مغل یہاں تک کہ انگریز بھی نہیں کر پائے''۔ بقول سمتھ (Smith) اگر شیر شاہ کچھ سال تک اور زندہ رہتا تو ہندوستان کی تاریخ میں مغلوں کا نام ونشان نہ ہوتا۔

مرکزی نظام حکومت:

سور حکومت کا مرکز خود سلطان تھا، وہ ہر سیاہ وسفید کا مالک تھا۔ مرکزی نظام حکومت کو کامیابی سے چلانے کے لئے چار اہم محکمے تھے۔

(1) دیوانِ وزارت: یہ مرکزی نظام کا سب سے اہم محکمہ تھا۔ اس کا انچارج وزیر ہوتا تھا، اس کا اہم کام مال وزر کی نگرانی کرنا ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ دوسرے محکموں کے بھی انتظامات دیکھتا تھا۔

(2) دیوانِ عرض: یہ محکمہ حرب تھا۔ اس کا افسر عرض ممالک کہا جاتا تھا۔ فوج کا نظم وضبط، تنخواہ وضروریات وغیرہ سب کا ذمہ دار ہوتا تھا۔

(3) دیوان رسائل: اس محکمہ کو دیوان محتسب بھی کہا جاتا تھا۔ یہ وزیر خارجہ کی طرح کام کرتا تھا اس کا کام ملک کی سیاسی مصلحت اور اس کے طرز عمل پر نظر رکھنا ہوتا تھا۔

(4) دیوان انشاء: یہ شاہی دفتر معتمدین (Secretriat) تھا اس محکمہ کا اعلیٰ افسر دبیر ممالک کہلاتا تھا، اس کا اہم کام شاہی فرمانوں کو لکھنا اور متعلقین افسروں کے پاس بھیجنا ہوتا تھا۔

ان کے علاوہ کچھ اور محکمہ بھی تھے مثلاً:

(5) دیوان القضا: یہ محکمہ انصاف تھا۔

(6) دیوان برید: یہ محکمہ ڈاک تھا۔

صوبائی نظام حکومت

سور سلطنت کئی صوبوں میں منقسم تھی جن کا نظم وضبط صوبہ دار یا فوجدار کے ہاتھوں میں ہوتا تھا۔ شیر شاہ نے اپنے پورے مقبوضہ کو 66 سرکاروں میں تقسیم کیا تھا۔ ہر سرکار میں شہ دار شہ داران اور منصف منصفان نام کے دو اعلیٰ افسر ہوتے تھے۔ شہ دار شہ داران کے ذمہ ضلع کے نظم وضبط پر نظر رکھنا ہوتا تھا اور سماج میں امن کی بحالی تھی۔ منصف منصفان محکمہ انصاف سے متعلق تھا یہ پرگنوں کے منصفوں کے خلاف اپیل سنتا تھا۔

پرگنوں کا نظام

ہر سرکار کئی پرگنوں میں منقسم تھی۔ ہر پرگنہ میں ایک شقدر، ایک منصف اور ایک فوتہ دار (خزانچی) اور دو کارکن ہوتے تھے۔ شقدار کے ساتھ ایک فوجی دستہ ہوتا تھا جس کا کام پرگنہ میں امن کی بحالی تھا۔ منصف کا کام دیوانی مقدمہ کا فیصلہ کرنا تھا۔ اس کے علاوہ زمین کی پیمائش اور لگان کی دیکھ بھال کرنا تھا۔ کارکن کے ذمہ حساب وکتاب لکھنا ہوتا تھا۔ کھاتے فارسی اور مقامی زبان (ہندوی) دونوں میں لکھے جاتے تھے۔

موضع (گاؤں) کا نظام

شیر شاہ کے نظام حکومت میں موضع کا نظام سب سے چھوٹی اکائی تھی۔ ہر پرگنہ کئی موضع میں منقسم تھا۔ موضع کا اعلیٰ افسر مقدم یا مکھیا کہلاتا تھا اس کے ذمہ موضع میں امن کی بحالی تھی۔ حفاظت اور صفائی کی ذمہ داری پنچایت کو ہوتی تھی۔

فوجی نظام

شیر شاہ نے ایک بہت بڑی فوج قائم کی تھی۔ فوجی نظام میں وہ کچھ حد تک علاء الدین خلجی سے متاثر تھا۔ اس کی فوج گھڑ سوار، پیدل، ہاتھی اور توپ خانہ پر مشتمل تھی۔ اسکی دو سطحی فوج تھی: مرکزی اور صوبائی۔ صوبائی فوج سے ضرورت کے وقت مدد بھی لی جاتی تھی۔ اس کی مرکزی فوج میں ایک لاکھ پچاس ہزار گھڑ سوار، پچیس ہزار پیدل اور پانچ ہزار ہاتھی تھے۔ اس کے گھڑ سوار محکمہ میں زیادہ تر افغانی تھے۔

شیر شاہ نے فوجی نظام میں بھی بہت سے سدھار کئے تھے۔

(1) داغ کا نظام: اس نظام میں جنگی گھوڑوں کے پیٹھ پر ایک مہر لگائی جاتی تھی تا کہ وہ تمام گھوڑوں سے الگ نظر آئے۔ حکومت کی مخصوص چراگاہوں میں صرف مہر لگے گھوڑوں کو ہی جانے کی اجازت تھی۔

(2) چہرہ کا نظام: اس میں فوجیوں کی پوری تفصیل لکھی جاتی تھی مثلاً اس کا نام، فوجی اور علمی قابلیت، جسامت، پتہ وغیرہ۔

(3) تنخواہ: فوجیوں کو تنخواہ نقد دی جاتی تھی۔ جاگیریں دینے کا رواج نہیں تھا۔

(4) منتقلی: فوجی اعلیٰ افسروں اور متوسط افسروں کو ایک جگہ پر دو سال سے زیادہ وقت تک نہیں رکھا جاتا تھا، عہدیداروں میں تبادلہ کا طریقہ رائج تھا۔

محکمہ پولیس

شیر شاہ کے عہد میں پولیس کا کوئی الگ نظام نہیں تھا۔ افسر اپنے اپنے علاقوں میں امن و امان کی بحالی کے ذمہ دار ہوتے تھے۔ ہر صوبہ میں یہ کام شقدار شقداران کا ہوتا تھا۔ گاؤں میں یہ ذمہ داری چودھری کی ہوتی تھی۔ چوروں سے ہونے والی نقصان کی تلافی اس علاقے کے عہدہ داروں سے کرائی جاتی تھی اگر وہ چوری کا مال برآمد کرنے میں ناکام ہو۔

محکمہ جاسوس

شیر شاہ کا محکمہ جاسوس اعلیٰ درجہ کا تھا۔ ملک کے تمام اہم مقامات پر جاسوس متعین تھے، جن کا کام ملک کے اندر و باہر ہونے والی تمام سرگرمیوں پر گہری نظر رکھنا اور شیر شاہ کو اس سے باخبر رکھنا ہوتا تھا۔

دیوان القضاء

شیر شاہ کے نظام حکومت کی اہم خاصیت اس کی غیر متعصب عدلیہ کا نظام تھا۔ وہ خود قاضی القضاۃ تھا اور ہر بدھ کو وہ خود مقدمہ کی سنوائی کرتا تھا۔ اس کے علاوہ پرگنوں میں منصف اور سرکاروں میں منصفِ منصفان اس کام کو انجام دیتے تھے۔ فوجداری مقدمہ شقدار شقداران سُنا کرتے تھے۔ علاوہ بریں قاضی اور امیر عدل کے نام کے عہدے بھی تھے جن کا کام انصاف کو بحال رکھنا تھا۔

محکمہ محصول

شیر شاہ کی اصلاحوں میں محکمہ محصول کی اصلاح سب سے اہم ہے۔ حکومت کی آمدنی کا سب سے اہم ذریعہ محصول و لگان تھا، اس لئے کہ شیر شاہ کسانوں کی بھلائی میں حکومت کی بھلائی مانتا تھا۔ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ ٹیکس کی وصولی میں کسانوں کے ساتھ نرمی کی جائے۔ دوران جنگ فصلوں کو نقصان پہونچائے جانے کی مناہی تھی۔ شیر شاہ نے حسب ذیل اصلاحیں کیں تھی:

(1) محکمہ محصول خاص طور پر رعیت واڑی تھا جس میں کسانوں سے سیدھا تعلق ہوتا تھا مگر ملتان، مالوہ، راجستھان اور مغربی پنجاب میں بٹائی (غلہ بخشی) کا نظام تھا۔

(2) لگان طے کرنے کے لئے شیر شاہ نے زمینوں کی پیائش کرائی ۔ پیائش کے لئے گج سکندری کا استعمال کیا گیا اور بیگھا کو اکائی مانا گیا ۔ ایک بیگھا میں 3600 مربع گز تھا ۔

(3) پیداوار کی بنیاد پر زمینوں کو الگ الگ اقسام میں منقسم کیا گیا ۔

(4) محصول کے لئے فصل کی دروں کی ایک فہرست تیار کی گئی ۔

(5) لگان کی درکل پیداوار کا 1/3 حصہ طے کیا گیا جو فصل کے کٹنے کے فوراً بعد وصول کیا جاتا تھا ۔ اس طرح سال میں دو بار لگان وصول کیا جاتا تھا ۔

(6) لگان کی نقد و اناج دونوں شکل میں وصولی کی جاتی تھی لیکن نقدی لگان کو ترجیح دی جاتی تھی ۔

(7) شیر شاہ نے پٹے کا نظام بھی شروع کیا تھا جس میں محصول کی تفصیل لکھی ہوتی تھی مثلاً فصل کی پیداوار، محصول کی رقم، آبپاشی کا انتظام، محصول کی گئی رقم کا استعمال وغیرہ ۔

محکمہ مالیہ

شیر شاہ نے تین طرح کے سکے جاری کئے تھے : روپیہ، اشرف اور دام ۔ اس نے مخلوط سکوں کو بند کرایا اور خالص دھاتوں کے مثلاً سونے، چاندی اور تانبے کے سکے ڈھلوائے ۔ اسکے عہد میں تئیس ٹکسالیں تھیں ۔

دوسرے عوامی کام:

(1) تجارت کو ترقی دینے کے لئے Grand Trunk روڈ بنوائے ۔ پہلی سڑک بنگال میں سنارگاؤں سے آگرہ، دہلی اور لاہور ہوتی ہوئی پنجاب تک جاتی تھی ۔ یہ سب سے لمبی سڑک تھی اور سڑک اعظم کہی جاتی تھی ۔ اسے شیر شاہ سوری سڑک بھی کہا جاتا تھا ۔ دوسری سڑک آگرہ سے برہانپور جاتی تھی ۔ تیسری آگرہ سے جودھ پور اور چتوڑ جاتی تھی ۔ چوتھی لاہور سے ملتان جاتی تھی ۔ ان سڑکوں کے کنارے سایہ دار درخت لگائے گئے تھے ہر چار میل پر مسافروں کے لئے سرائے بنائی گئی تھی اور پانی کا انتظام کیا گیا تھا ۔ اس کے عہد میں سترہ سو سرائیں بنوائی گئی تھیں اور سرائے کا نگران شقدار ہوتا تھا ۔ ان سرائیوں سے ڈاک چوکیوں کا بھی کام لیا جاتا تھا ۔

(2) شیر شاہ نے علم و علماء کی سرپرستی کی ۔ مکتب و مدرسہ قائم کئے ۔ اس کے عہد کا مشہور شاعر ملک محمد جائس تھا ۔

(3) غریبوں اور محتاجوں کے لئے جگہ جگہ لنگر کا انتظام کیا گیا تھا ۔

معلومات کی جانچ

(1) عہد سوری کی مرکزی حکومت کا تجزیہ کیجئے ؟

(2) عہد سوری کے فوجی نظام پر چند سطریں لکھیے ۔

(3) عہد سوری کے محکمہ محصول پر روشنی ڈالیے۔

11.4.4: شیر شاہ کے جانشین

شیر شاہ کے دو بیٹے تھے: عادل خان اور جلال خان ۔ 1545ء میں شیر شاہ کے انتقال کے وقت عادل خان رنتھمبور میں تھا اور جلال خان ریواں میں تھا۔ انتقال کی خبر سنتے ہی دونوں کالنجر کی طرف روانہ ہوئے ۔جلال خان نزدیک ہونے کے سبب پانچ دن میں پہنچ گیا اور 25 مئی 1545ء کو امیروں نے جلال خان کو تخت پر بٹھایا اور سلطان مان لیا حالانکہ شیر شاہ نے بڑے بیٹے عادل خان کو اپنا جانشین منتخب کیا تھا۔

اسلام شاہ:1545-1553

جلال خان نے اسلام شاہ کا لقب اختیار کیا اور 25 مئی 1545ء کو سلطان بنا۔شیر شاہ کے انتقال کے غصہ میں اسلام شاہ نے کالنجر کے راجا کیرت سنگھ اور اس کے ساتھیوں کا قتل کرا دیا۔اس کے بعد وہ آگرہ پہونچا اور کچھ نئے فوجیوں کو اونچے عہدوں پر منتخب کیا جس سے پرانے افسر ناراض ہوئے اور عادل خان کو سلطان بنانے کی سوچنے لگے۔

اسلام شاہ کو سب سے زیادہ خطرہ اپنے بڑے بھائی عادل خان سے تھا۔اس نے ایک خط کے ذریعہ عادل خان کو آگرہ آنے کی دعوت دی۔اسلام شاہ کے ارادوں سے عادل شاہ خوب واقف تھا اس لئے اس نے کوئی دلچسپی نہیں دکھائی ۔لیکن شیر شاہ کے عہد کے اعلیٰ افسر مثلاً قطب خان، عیسیٰ خان، خواص خان وغیرہ کے اصرار پر عادل خان رنتھمبور سے آگرہ کے لئے روانہ ہوا۔آگرہ پہنچنے پر ان افسروں نے عرض کیا کہ عادل خان کو بیانہ اور اس کے گردونوح کے علاقے جاگیر میں دے دیے جائیں ۔اسلام شاہ نے اس کو منظور کیا اور بیانہ جانے کی اجازت دے دی۔دو تین مہینے کے بعد اسلام شاہ نے ایک امیر غازی محل کو حکم دیا کہ عادل خان کو قید کر کے پابہ زنجیر لے کر آئے عادل خان کو جب اس کی بھنک لگی تو وہ خواص خان کے پاس میوات چلا گیا اور اسلام شاہ کے ارادوں سے باخبر کیا۔خواص خان نے غازی محل کو بلوا کر وہی بیڑی اس کے پیروں میں ڈال دی اور اسلام شاہ کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا۔خواص خان نے دوسرے امیروں کو بھی خط لکھ کر اپنا ہم نوا بنالیا پھر ایک جرار لشکر لے کر عادل خان کے ہمراہ آگرہ روانہ ہوا۔قطب خان اور عیسیٰ خان نے بھی اسلام شاہ سے بددل ہو کر عادل خان کو لکھا اور ترغیب دی کہ رات کے آخری حصہ میں وہ آگرہ پہونچ جائے پھر ہم بھی آملیں گے۔لیکن ان کے آگرہ پہونچنے میں دیر ہوئی اور صبح کے وقت آگرہ پہونچے اس کی اطلاع اسلام شاہ کو بھی ہوگئی دونوں میں جنگ ہوئی اور اسلام شاہ کو کامیابی ملی۔خواص خان اور عیسیٰ خان میوات کے طرف بھاگے اور عادل خان کی خبر ہی نہیں ملی کہ وہ کہاں گیا اور اس کا انجام کیا ہوا۔اسلام شاہ نے اپنی فوج خواص خان اور عیسیٰ خان کے تعاقب میں بھیجی جن کا وہ مقابلہ نہ کر سکے اور کمایوں کی پہاڑیوں کی طرف بھاگ گئے ۔اس کے بعد اسلام شاہ نے دوسرے باغی امراء کو شکست دی اور قتل کروا دیا۔ان میں بلال خان اور اس کا بھائی خداد خان، قطب خان محمود خان، اعظم ہمایوں، شجاعت خان، خواص خان، مہدوی فرقہ کا مبلغ شیخ علائی وغیرہ اہم ہیں۔

اسلام شاہ کے آخری دنوں میں سب سے بڑا خطرہ مغلوں کی طرف سے تھا۔ہمایوں دوبارہ طاقت بڑھا کر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہا تھا لیکن اسلام شاہ کے آگے اس کی ہمت نہیں ہوئی ۔اسی دوران اسلام شاہ بیمار پڑا ۔اس کا فائدہ ہمایوں کو ملا اور وہ سندھوں ندی کے کنارے آپہونچا۔اسلام شاہ بیماری کی حالت میں ہی اپنی فوج لے کر مقابلہ کو پہونچا۔لیکن ہمایوں مقابلہ کے بجائے اپنی فوج لیکر قابل کی جانب چلا گیا۔

اسلام شاہ بھی کوالیار لوٹ آیا لیکن اس کی حالت بگڑتی گئی اور 1553ء میں اس کا انتقال ہوگیا۔

11.4.5 سورحکومت کا زوال

اسلام شاہ کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا فیروز خان تخت نشین ہوا۔اس وقت اس کی عمر بارہ سال کی تھی لیکن تخت نشینی کے تین دن بعد ہی اس کے ماموں مبارز خان نے اس کو قتل کر کے تخت پر قبضہ کرلیا۔اس نے محمد شاہ عادل کا لقب اختیار کیا۔اس میں حکومت کرنے کی صلاحیت نہیں تھی اور ساتھ ہی نااہل لوگوں کی دستگیری کی اور حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر مقرر کیا۔ان میں ایک ہندو ہیمو نام کا تھا محمد شاہ عادل نے ملک کی باگڈور ہیمو کے ہاتھ میں دے دی اور خود عیاشی اور شراب نوشی میں مصروف ہوگیا۔محمد شاہ عادل کو لوگ عدلی کہتے تھے اس کے بے تکے کاموں کی وجہ سے عدلی اندھلی میں بدل گیا جسکا مطلب اندھا ہے۔

اس کی ان حرکتوں سے افغان امراء ناراض ہوگئے، ملک میں جگہ جگہ فتنہ وفساد ہونے لگا۔کئی ایک امراء اس کی اطاعت اور فرمانبرداری سے منحرف ہوگئے نتیجتاً ملک کے چاروں سمت بغاوتیں ہونے لگیں۔اس کے چچا زاد بھائی ابراہیم خان نے بغاوت کر کے دلی اور آگرہ پر قبضہ کر لیا۔پنجاب میں شیر شاہ کے بھتیجے شہزادہ احمد خان نے بغاوت کر کے سکندر شاہ سوری کا لقب اختیار کیا اور بارہ سو گھڑ سواروں کے ساتھ آگرہ کی طرف روانہ ہوا اور ابراہیم خان کو شکست دیکر آگرہ اور دلی پر قابض ہوا۔ابراھیم خان سنبھل کی طرف بھاگ گیا۔

اس خانہ جنگی اور نااتفاقی کی وجہ سے سور سلطنت کئی حصوں میں منقسم ہوگئی۔پنجاب، دلی، آگرہ پر سکندر شاہ کا قبضہ تھا۔دوآبہ اور سنبھل کے علاقوں پر ابراہیم خان قابض تھا۔چنار سے بہار تک عادل خان کے قبضہ میں تھا۔بنگال میں محمد شاہ اور مالوہ میں باز بہادر نے اپنی اپنی حکومتیں قائم کیں۔اسی وقت مغل حکمران ہمایوں اپنی کھوئی ہوئی حکومت کو دوبارہ پانے کے لئے پنجاب کی جانب روانہ ہوا۔سکندر شاہ جو اس وقت دلی پر قابض تھا ایک بڑی فوج لے کر ہمایوں کے مقابلہ کو گیا۔سرہند کے قریب جنگ ہوئی سکندر شاہ کو شکست ہوئی اور میدان جنگ سے بھاگ کر شوالک کی پہاڑیوں میں چھپ گیا۔اس طرح دہلی اور آگرہ دونوں ہمایوں کے قبضہ میں آگئے اور سوری سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔

معلومات کی جانچ

(1) اسلام شاہ کے عہد پر مختصر نوٹ لکھیے۔

(2) سورحکومت کے زوال کے اسباب بتایئے۔

(3) سورحکومت کا آخری حکمران کون تھا؟

11.5 خلاصہ

اس اکائی میں دو حکومتوں کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ایک حکومت جون پور میں قائم تھی جسے شرقی حکومت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔دوسری حکومت سور کی ہے جو دہلی میں مغل حکمراں ہمایوں کی جنگ قنوج میں شکست کے بعد قائم ہوئی تھی۔

شرقی حکومت کا بانی ملک شاہ سرور ایک خواجہ سرا تھا، مگر اپنی سیاسی وحکومتی تدابیر کے سبب ملک الشرق اور بعد میں سلطان الشرق کا لقب اختیار کر کے جون پور میں حکومت قائم کی۔ شرقی حکمرانوں میں ابراہیم شاہ شرقی کا دور عہد زریں ہے اس نے فتوحات کے علاوہ علم وعلماء کی سرپرستی میں کافی دل چسپی لی۔ جون پور علم کا بہت بڑا مرکز بن گیا، دور دراز سے علماء وفضلاء یہاں آ کر مقیم ہونے لگے۔ شرقی حکمرانوں نے فنون لطیفہ میں دل چسپی لی اور خوبصورت عمارتیں تعمیر کرائیں جس کے سبب جون پور کو شیراز ہند کا خطاب دیا گیا۔

سور حکومت میں ایک ہی نام بہت اہم ہے اور وہ نام خود بانی حکومت کا ہے۔ جو بچپن سے ہی اپنی بہادری، شجاعت، تدبیری اقدامات کے لئے مشہور تھا۔ وہ فرید سے شیر خان ہوا اور شیر خان سے شیر شاہ سوری ہوا جس کی حکومت دلی، پنجاب، بہار، بنگال تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے مغل حکمران ہمایوں کو دو مرتبہ: جنگ چوسا اور جنگ قنوج میں بُری طرح شکست دی، اور ہمایوں کو ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کیا۔ شیر شاہ کی عہد حکومت صرف پانچ سال ہی ہے مگر اس نے حکومت کے نظم وضبط کو ایک سمت دی۔ فوج کا معاملہ ہو یا وصول ومحاصل کا، محکمہ عدل کا معاملہ ہو یا عوامی فلاح وبہبود کا ہو سب میں یگانہ اہمیت کا حامل ہے۔ شیر شاہ سوری کے ذریعہ کی گئی اصلاحات کا تجزیہ کریں تو ہم بآسانی یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان کے نظام حکومت کی بنیاد انہی اصولوں پر ہے جنہیں شیر شاہ سوری نے اپنے عہد میں رائج کیا تھا۔

11.6 نمونے کے امتحانی سوالات

درج ذیل سوالات کے جوابات تیس سطروں میں دیجئے۔

(1) ابراہیم شاہ شرقی کے کارناموں کا تجزیہ کیجئے۔

(2) شیر شاہ سوری کے نظام حکومت پر تفصیلی روشنی ڈالئے۔

(3) شرقی حکومت کے قیام پر نوٹ لکھئے۔

درج ذیل سوالات کے جواب پندرہ سطروں میں لکھئے۔

(1) جون پور کو شیراز ہند کیوں کہا جاتا ہے؟

(2) شیر شاہ سوری اور ہمایوں کے تصادم کا جائزہ لیجئے۔

(3) شیر شاہ کے محکمہ محصول کی اصلاحوں پر روشنی ڈالئے۔

(4) شرقی حکومت کے زوال پر نوٹ لکھئے۔

11.7 فرہنگ اصطلاحات

الفاظ	معانی

مطیع	اطاعت کرنے والا
باجگزاری	محصول
آزردہ	خواہش مند
طباق	بڑی رکابی
محاصرہ	قلعہ بندی، گھیرا ڈالنا
جرار	بہت بھاری، کثیر
خواجہ سرا	ہجڑا، مخنث، محل سرا کا ذمہ دار
ارسال	بھیجنا، روانگی
عنان	باگ ڈور، لگام
مطلق	آزاد، قطعی
حریف	ہم پیشہ، دشمن
توقیر	عزت، وقعت، تعظیم وتکریم
تصدق	صدقہ دینا
اتالیق	استاد، تربیت دینے والا
محاصل	لگان

11.8 مطالعہ کے لئے معاون کتابیں

(1) دائرۃ المعارف

(2) محمد قاسم فرشتہ: تاریخ فرشتہ (ترجمہ عبدالحی خواجہ)

(3) K.R.Qanungo - شیر شاہ

(4) Sher Shah and his Successors - A.L.Srivastava

اکائی۔12 گجرات، مالوہ اور خاندیش کی حکومتیں

اکائی کے اجزاء

12.1 مقصد

12.2 تمہید

12.3 گجرات کی حکومت

12.4 مالوہ کی حکومت

12.5 خاندیش کی حکومت

12.6 خلاصہ

12.7 نمونے کے امتحانی سوالات

12.8 مطالعہ کے لیے معاون کتابیں

12.1 مقصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ طالب علم گجرات، مالوہ اور خاندیش کی حکومتوں کے بارے جانکاری حاصل کرے، اس اکائی کے مطالعہ کے بعد طالب علم کو معلوم ہوگا کہ ان حکومتوں میں کون کون سے حکمراں گذرے ہیں، ان کے کارنامے اور خدمات کیا ہیں، ان کے دور میں انتظامی امور کس طور سے انجام دئے جاتے تھے، نیز ان حکومتوں میں علمی سرگرمیاں کیا تھیں۔

12.2 تمہید

گجرات

قدیم زمانے سے ہی ہندو پاک سے عربوں کے تعلقات چلے آرہے ہیں۔ سید سلیمان ندوی نے اپنی کتاب ''عرب وہند کے تعلقات'' میں لکھا ہے کہ مہاراجہ اشوک نے اپنے کتبوں میں جس رسم الخط کا استعمال کیا ہے وہ داہنی جانب سے لکھا جاتا تھا اور بظاہر کسی شامی زبان سے ماخوذ تھا۔ اسی قسم کے کتبات گجرات میں بھی تھے۔ شروع سے ہی عرب تاجر گجرات آتے رہے تھے۔ مورخ مسعودی اپنی کتاب ''مروج الذہب'' میں لکھتا ہے کہ جب وہ 915ء میں گجرات کی بندرگاہ کھمبایت آیا تو یہاں کا راجا ہندو تھا اور مسلمانوں سے مذہبی معاملات پر بحث ومناظرے کیا کرتا تھا۔ عربوں کی حکومت جب سندھ پر رہی تو مسلمانوں کی آمد ورفت کھمبایت تک عام تھی۔ اس لئے سندھ اور گجرات سے

مسلمانوں کا خاص تعلق رہا ہے۔ گجرات اور سندھ کا دنیا میں سب سے پہلے نقشہ ابن حوقل نے تیار کیا تھا۔ مسلمانوں نے کئی صدیوں تک چونکہ گجرات پر حکومت کی ہے اس لئے عربی و فارسی کے بہت سے الفاظ گجراتی زبان میں مخلوط ہو گئے ہیں۔ تقسیم ملک کے وقت گجرات بھارت میں شامل ہوا البتہ گجرات کاٹھیاواڑہ کی ریاستوں جوناگڑھ، مانودر وغیرہ نے پاکستان کے ساتھ الحاق کا اعلان کیا تھا مگر اسے عملی جامہ نہ پہنایا جا سکا۔

مالوہ

مالوہ کے رقبہ میں وسطی بھارت کا بہت بڑا حصہ شمالی بھوپال اور جنوبی مشرق راجستھان کے علاقے شامل ہیں۔ اس کے شمال میں وندھیاچل کی پہاڑیاں، شمال مغرب میں اراولی کی پہاڑیاں اور مشرق میں وہ تیز کوہی نشیب ہے۔ زمین بہتر زرخیز ہے، خاص کر کپاس کی کاشت کے لئے بہت مفید ہے۔ یہاں سے دریائے چنبل، سپرا، کالی سندھ اور پاربتی گزرتے ہیں اس علاقے کی تقریباً نصف آبادی راجستھانی بولی بولتی ہے اور یہاں کے اہم شہر اندور، اجین، رتلام اور دیواس ہیں۔

یہ صوبہ قدیم زمانہ میں موریا خاندان کی سلطنت کا ایک حصہ تھا۔ راجا اشوک اپنے والد کے عہد میں اس صوبہ کا حاکم تھا اور اس کا پائے تخت اجین میں تھا۔ بعد میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں رہیں اور پھر گپتا راجاؤں نے اس پر قبضہ کیا۔ جب گپت سلطنت کو زوال ہوا تو اس کا زیادہ حصہ سفید ہون کے قبضے میں آ گیا جو قنوج کے حکمران تھے اور پھر یہ علاقہ مالوہ لوگوں کے ہاتھوں میں آ گیا جن کے نام پر اس کا یہ نام پڑا۔ التتمش نے 1235ء میں اجین پر قبضہ کر لیا اور اس طرح مالوہ کا علاقہ سلطنت دہلی کا صوبہ بن گیا۔ ہندوؤں کی سازشوں اور چند وقتی بغاوتوں کے سوا یہ علاقہ 1392ء تک حکومت دہلی کے زیر نگین رہا۔ دہلی کی سلطنت کے انحطاط کے بعد، جو تیمور کے حملے کے بعد وقوع پذیر ہوا، افغان گورنر دلاور خان غوری نے اسے خود مختار حکومت میں تبدیل کر دیا۔ اس کے بعد ہوشنگ شاہ، محمد شاہ غوری، محمود خلجی اول، غیاث شاہ، نصیر شاہ، محمود خلجی دوم اور قادر شاہ یہاں کے فرمانروا ہوئے۔

خاندیش

خاندیش حکومت کا بانی مالک راجا فاروقی تھا۔ اس کے اجداد علاء الدین خلجی اور محمد بن تغلق کے عہد میں امراء کے عہدوں پر فائز تھے۔ یہ اپنا نسب حضرت عمرؓ سے جوڑتے ہیں اس لئے انہیں فاروقی کہا جاتا ہے۔ ان کا دارالسلطنت برہان پور تھا، یہ تین بڑی بڑی سلطنتوں سے گھرے ہوئے تھے۔ ایک طرف بہمنی، دوسری طرف گجراتی اور تیسری طرف مالوہ کے حاکم تھے۔ خاندیش کے حکمراں شادی کا رشتہ قائم کر کے حالات کو اپنے موافق کئے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ تینوں ریاستوں کی آپسی جنگ و جدال کے وجہ سے یہ بھی محفوظ تھے۔ 1382ء میں انکی حکومت قائم ہوئی اور اکبر کے عہد تک رہی اس کے بعد یہ علاقہ مغلیہ سلطنت کا حصہ ہو گیا۔

12.3 گجرات کی حکومت

آغاز اسلام کے وقت سے ہی مسلمان گجرات کاٹھیاواڑ میں بحیثیت تاجر آنے جانے لگے تھے۔ محمد بن قاسم کی آمد سے سندھ میں عربوں کی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ محمد بن قاسم کے تین سو سال بعد محمود غزنوی کی فتوحات کا دور شروع ہوا۔ 1034ء میں وہ ملتان سے انہل

واڑا پہنچا اور وہاں جا کر سومناتھ کے مشہور مندر کو جو سورٹھ کے جنوب مشرق میں ساحل سمندر پر واقع تھا، مسمار کیا۔ 1178ء میں شہاب الدین غوری کے عہد میں انہل واڑا کو قطب الدین ایبک نے اپنے قبضہ میں لیا۔ اس کے بعد علاء الدین خلجی کے ایک سپہ سالار الغ خان نے اس پر قبضہ کر مسلمانوں کے اقتدار کا آغاز کیا۔ 1347ء اور 1351ء کے درمیان محمد بن تغلق نے سندھ سے گجرات کے علاقے پر کئی حملے کئے اور آخر میں اس کا انتقال بھی وہیں ہوا۔ اس کے بعد فیروز شاہ تغلق نے اس ملک میں اپنا اقتدار قائم کیا جو اس زمانے سے برابر مسلمان گورنروں کے ماتحت رہا۔ ان گورنروں میں ایک کا نام مظفر خان تھا جو عہد تغلق میں سلطان نصیر الدین محمد بن تغلق چہارم کے دور میں 1391ء میں گجرات کا گورنر منتخب ہوا تھا۔ 1407ء میں ظفر خان کا لقب اختیار کر اپنی خودمختاری کا اعلان کیا اور مظفری ریاست کی بنیا درکھی۔

مظفری حکومت 1407ء سے 1537ء تک قائم رہی۔

12.3.1 مظفر شاہ اول (1407-1411)

سلطان مظفر شاہ کا اصلی نام مظفر خان تھا اس کا والد سلطان فیروز شاہ تغلق کے دربار میں تھا اور ترقی کرتا ہوا معتمد علیہ کے عہدے تک پہنچا۔ مظفر شاہ اپنی پرہیزگاری اور دیانت داری کی وجہ سے مشہور رہا۔ فیروز شاہ تغلق کے بعد سلطان محمد شاہ نے مظفر شاہ کو گجرات کا صوبے دار مقرر کیا۔ اس وقت گجرات کا گورنر فرحت الملک نے، جو مفرح کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، سلاطین تغلق کی مخالفت کر گجرات کے ہندو زمینداروں کی مدد حاصل کی اور غیر مسلم روایات کو فروغ دیا۔ فرحت الملک کے اس رویے سے تغلق سلطان محمد شاہ نے مظفر شاہ کو نیا گورنر منتخب کیا۔ مظفر شاہ جب گجرات پہنچا۔ دونوں میں جنگ ہوئی اور فرحت الملک کو شکست دے کر گجرات کی گورنری سنبھالی اور عدل و انصاف کو بحال کیا۔

مظفر شاہ نے 1389ء میں بیدر کے ہندو راجا کو شکست دے کر تمام علاقوں پر قبضہ کیا۔ اس کے بعد سومناتھ پر حملہ کیا اور ایک جامع مسجد تعمیر کروائی۔ 1396ء میں منڈل گور کے راجپوتوں کی سرکشی کو کچلنے کے لئے ان کے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ لیکن ان کی درخواست پر امان بحال کیا۔

مظفر شاہ کا فرزند تاتارخان تغلق سلطان محمد شاہ کا وزیر تھا۔ وہ دہلی پر حکمرانی کا خواہاں تھا اس لئے اس نے اپنے والد مظفر شاہ سے دہلی پر حملہ کرنے کو کہا۔ مظفر شاہ اس پر راضی نہیں ہوا۔ اس لئے اس نے اپنے والد کے خلاف بغاوت کی اور مظفر شاہ کو قلعہ میں قید کر دیا۔ تاتارخان نے اپنے چچا شمس خان کو وکیل السلطنت مقرر کیا اور خود ناصر الدین محمد شاہ کے نام سے تخت پر بیٹھا اور اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا اور دہلی کو فتح کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ مظفر شاہ نے اپنے بھائی شمس خان کے ذریعہ تاتارخان کو زہر دلوا کر ہلاک کروایا اور دوبارہ تخت پر بیٹھا۔ اسی اثناء میں مالوہ کے حاکم دلاور خان کا انتقال ہوا اور اس کا بیٹا ہوشنگ شاہ حاکم ہوا اور گجرات پر لشکر کشی کی، دونوں فوجوں میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی، ہوشنگ شاہ کو شکست ہوئی اور گرفتار ہوا مگر بعد میں معافی اور رہائی کی درخواست پر رہا کر دیا گیا اور مالوہ اور مندو کا حکمران بھی بنا دیا گیا۔ 1411ء میں مظفر شاہ علیل ہوا اور اسی سال انتقال کر گیا۔ اس وقت اس کی عمر اکہتر سال کی تھی۔

احمد شاہ (1411-1443)

مظفر شاہ کے انتقال کے بعد اس کا بھتیجا احمد شاہ تخت نشین ہوا، اس نے بڑی دیانت داری اور عدل و انصاف سے حکمرانی کے فرائض انجام دئے۔ احمد شاہ کے تخت نشینی کے بعد مظفر شاہ کے فرزند فیروز خان نے بغاوت کی، اسے کچھ امراء کی مدد بھی حاصل تھی جس میں مالوہ کا حاکم ہوشنگ شاہ بھی شامل تھا۔ فیروز خان اپنی فوج لے کر کھمبایت کی طرف روانہ ہوا۔ سلطان احمد شاہ نے بڑی دانشمندی سے کام لیا اور جنگ کو ٹالتا رہا، لیکن جب کوئی صورت نہ بچی تو فوج کی ایک ٹکڑی کو فیروز شاہ سے مقابلہ کو بھیجا مگر اسے شکست ہوئی۔ فیروز خان کی اس کامیابی سے اس کے امراء میں اختلاف ہوا اور آپس میں لڑنے لگے اور اکثر امراء فیروز خان سے علیحدہ ہو کر احمد شاہ سے مل گئے۔ اس کے بعد احمد شاہ اپنی فوج لے کر بھروچ روانہ ہوا اور فیروز خان کو امن کا پیغام بھیجا جسے فیروز شاہ نے اپنے امراء اور دوسرے بھائیوں سے مشورہ کر قبول کیا۔ احمد شاہ نے عام معافی کا اعلان کیا اور جاگیریں عطا کیں۔

فیروز خان نے 1414ء میں ایک بار پھر فتنہ و فساد کا بازار گرم کیا، اس میں سلطان مظفر شاہ کے ایک خاص امیر ملک علائی بدر نے اہم رول ادا کیا۔ فیروز خان نے ایدر کے راجا رنمل کو لالچ دے کر اپنا رفیق بنالیا۔ مہراسہ کے جاگیردار سید ابراہیم، جو رکن خان کے نام سے مشہور تھا، نے بھی فیروز خاں کا ساتھ دیا۔ احمد شاہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے مہراسہ کا رخ کیا۔ احمد شاہ نے علماء و فضلا کے ذریعہ امن و امان قائم کرنے کی کوشش کی مگر جب اسے کامیابی نہیں ملی تو قلعہ کا محاصرہ کیا۔ چھٹ پٹ جھڑپیں بھی ہوئیں جس میں احمد شاہ کو کامیابی ملی، فیروز خان کے کچھ امراء مارے گئے اور کچھ نے ہتھیار ڈال دئے۔ راجا رنمل اور فیروز خان میں بھی اختلاف ہوا اور رنمل نے فیروز خان کو مغلوب کر اس کے تمام ہاتھی، گھوڑے سلطان احمد شاہ کے پاس بھیج دیئے۔

اس کے بعد احمد شاہ نے جلوارہ پر لشکر کشی کی کیوں کہ راجا جلوارہ نے سلطان ہوشنگ شاہ اور احمد شاہ سے حسد رکھنے والے امراء کو ملا کر علم بغاوت بلند کیا تھا۔ سلطان احمد شاہ نے بڑی دانشمندی سے ان کو شکست دی۔ اس کے بعد احمد شاہ کرنال کی طرف بڑھا، وہاں کا راجا ہندو تھا اور کبھی مسلمانوں سے مطیع نہ ہوا تھا۔ دونوں فوجوں میں جنگ ہوئی، راجا کرنال نے شکست کھا کر جوناگڑھ کے قلعہ میں آ کر پناہ لی۔ احمد شاہ نے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ راجا نے جب کوئی راہ نجات نہ دیکھی تو سالانہ محصول اور لگان ادا کرنے کے وعدے پر صلح کر لی۔ اس کے بعد سلطان احمد شاہ احمد آباد لوٹ آیا۔

اس کے بعد سلطان احمد شاہ 1419ء میں مالوہ کے حاکم ہوشنگ شاہ کی سرکوبی کے لئے مالوہ کی طرف روانہ ہوا۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں اور زبردست معرکہ آرائی ہوئی، ہوشنگ شاہ کو منہ کی کھانی پڑی اور دونوں میں معاہدہ ہوا۔ 1420ء میں احمد شاہ نے جنانیر پر لشکر کشی کر قلعہ کا محاصرہ کیا اور آخر میں وہاں کے راجا نے احمد شاہ کی اطاعت قبول کر لی۔ 1425ء میں احمد شاہ نے مالوہ پر دوبارہ حملہ کیا اور ہوشنگ شاہ کو شکست دی۔ 1427ء میں سلطان احمد شاہ نے بیدر پر لشکر کشی کی اور قبضہ کیا۔ 1435ء میں جھالوہ کے حاکم کا نہارائے کو شکست دی۔ کانہارائے دکن کی طرف فرار ہوا اور بہمنیوں کے دربار میں پناہ لی اور فوجی امداد طلب کی۔ اس طرح دکن کے بہمنیوں اور گجراتیوں میں جنگ ہوئی۔ جس میں گجراتیوں کو کامیابی اور ملی سلطان احمد شاہ کی فوج نے تھانہ پر قبضہ کر لیا۔ 1436ء میں مالوہ کا رخ کیا اور مندو پہنچ کر قلعہ کا محاصرہ کیا، بڑی جدوجہد کے بعد اسے کامیابی ملی۔ 1443ء میں احمد شاہ کا انتقال ہوا۔

احمد شاہ نے چھتیس سال حکومت کی وہ تمام عمدہ اور نفیس خصوصیات کا مجموعہ تھا، وہ بہت ہی خوش اخلاق، با مروت اور با ہمت انسان تھا۔ احمد شاہ نے 1412ء میں سابرمتی دریا کے کنارے ایک نیا شہر آباد کیا اور اس کا نام احمد آباد رکھا جسے سلاطین گجرات نے اپنا پایہ تخت بنایا۔ وہاں مساجد، محلات و مکانات کے علاوہ تین بڑے بڑے پختہ ایوان تعمیر کئے گئے، شہر کا بازار بہت وسیع تھا۔ 1428ء سلطان احمد شاہ نے سابرمتی دریا کے کنارے ایک دوسرا شہر تعمیر کیا جس کا نام احمد نگر رکھا اور ایک قلعہ بھی تعمیر کرایا۔

معلومات کی جانچ:

(1) مظفر شاہ اول کے حالات مختصراً بیان کریں۔

(2) احمد شاہ گجراتی کے کارناموں پر نوٹ لکھئے۔

12.3.3 سلطان محمد شاہ بن احمد شاہ گجراتی (1443-1451)

احمد شاہ کے بعد اس کا بڑا بیٹا محمد شاہ تخت نشین ہوا، وہ احمد شاہ کی صلاحیتوں کے مقابلہ نہ تو اچھا فوجی تھا اور نہ ہی اچھا منتظم تھا۔ اس نے حکومت سنبھالتے ہی رعایا میں انعام و اکرام تقسیم کئے۔ اس نے 1443ء میں بیدر پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد دونگر پور کا رخ کیا، وہاں کے حاکم نے بھی اس کی اطاعت قبول کی۔ 1451ء میں اس نے قلعہ چیتا پر حملہ کیا مگر وہاں کے راجا نے مالوہ کے حاکم محمود خلجی کو ایک بڑی رقم دے کر فوجی مدد طلب کی۔ سلطان محمد شاہ محمود خلجی سے مقابلہ کے بجائے بھاگتا رہا، آخر کار اس کے امراء نے اسے زہر دے کر ہلاک کردیا۔

12.3.4 سلطان قطب الدین بن محمد شاہ (1451-1458)

سلطان قطب الدین کو تخت نشینی کے بعد ہی حاکم سلطان محمود خلجی اور رانا کنبھو سے جنگ کرنی پڑی بعد میں تینوں میں معاہدہ ہوا۔ سلطان قطب الدین قہر و غضب کا پتلا تھا، ذرا ذرا سی بات پر غصہ میں آجاتا تھا۔ وہ شراب پیتا تھا اور ہر طرح کی برائیوں کا ارتکاب کرتا۔ اس نے سات سال حکومت کی اور یہ سارا عرصہ مستی کے عالم میں گزارا۔

12.3.5 سلطان محمود بیگرا (1458-1511)

قطب الدین کے انتقال کے بعد امراء نے اس کے چچا داؤد شاہ کو تخت پر بٹھایا، اس نے عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی بد معاشی اور بد چلنی کو اپنا شعار بنایا۔ یہ صورت حال دیکھ کر امراء اور وزراء نے اسے معزول کر کے سلطان قطب الدین کے چھوٹے بھائی محمود کو تخت پر بٹھایا، اس وقت اس کی عمر صرف چودہ سال تھی۔

سلطان محمود، محمود بیگرا کے نام سے مشہور ہوا کیوں کہ اس نے دو نہایت ہی مشہور و معروف قلعے کرنال اور جنانیر فتح کئے تھے اس لئے عوام و خواص اسے بیگرا کہنے لگے جس کا مطلب ہے دو قلعوں والا۔ وہ گجرات کا عظیم حکمران تھا۔ وہ بہت ذی اثر اور صاحب اختیار تھا۔ وہ اپنی خصوصیات و عادات کے لحاظ سے ایک مہذب ترین انسان تھا، بہادری و دانائی، معاملہ فہمی، سخاوت و مہربانی کی خصوصیات اس میں بدرجہ اتم موجود تھیں، جھوٹ بولنے و سننے کو وہ سخت ناپسند کرتا تھا۔ مصنف تاریخ فرشتہ لکھتے ہیں کہ اس کی زبان سے کبھی کوئی ایسا جملہ نہیں نکلا جو تہذیب و

شائستگی کے معیار سے گرا ہوا ہو۔شریعت کا وہ سختی سے پابند تھا۔تیر اندازی اور شکار کا اسے بہت شوق تھا۔شرم و حیا کا وہ پیکر تھا۔اسے اپنی ساری مہمات میں کامیابی ملی تھی۔

محمود بیگرا نے حکومت سنبھالتے ہی سب سے پہلے باغی امراء کا خاتمہ کیا۔اس نے بہمنی سلطان نظام شاہ کے مالوہ کے حکمران محمود خلجی کی فوجی کاروائیوں سے حفاظت کی۔محمود بیگرا نے گجرات و کونکن کے وسط میں دون کے راجا کو شکست دے کر اپنا باجگزار بننے پر مجبور کیا۔1466ء میں محمود بیگرا نے گرنار (جونا گڑھ) کے راجا رائے منڈلک کے خلاف فوج کشی کی اور سخت معرکہ آرائی کے بعد شکست دے کر خراج دینے پر مجبور کیا۔جونا گڑھ کی کامیابی کے بعد محمود بیگرا نے مصطفےٰ آباد نام کا ایک شہر آباد کیا جسے اپنا دارالسلطنت بنایا۔1482ء میں محمود بیگرا چمپانیر کے خلاف فوج لے کر روانہ ہوا۔اس وقت وہاں کا حاکم گنگا داس کا بیٹا جے سنگھ تھا۔دونوں میں جم کر لڑائی ہوئی اور آخر میں جے سنگھ ہار گیا اور محمود بیگرا نے چمپانیر کے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور اس شہر کا نیا نام محمد آباد رکھا۔اپنی حکومت کے آخری سالوں میں اس نے دوارکہ پر بھی قبضہ کر لیا۔

محمود بیگرا کے ہی عہد میں واسکوڈی گاما کالی کٹ کی بندرگاہ پر پہنچا اور پرتگالیوں کو سمندری راستے سے ہندوستان آنے کا راستہ ملا۔اس لئے محمود بیگرا کی حکومت کو سب سے زیادہ خطرہ پرتگالیوں سے تھا۔اس وقت گجرات ہندوستان کا ایک مشہور و معروف تجارت کا مرکز تھا،مصر،ترکی اور عرب کے تاجر یہاں آیا کرتے تھے۔پرتگالیوں کی آمد سے ان کے لئے خطرہ لاحق ہو گیا تھا،اس لئے مصر،ترکی اور گجرات کے بیچ ایک معاہدہ ہوا اور سب پرتگالیوں کے خلاف متحد ہو گئے۔1507ء میں پرتگالیوں کے خلاف مصر نے گجرات کی بندرگاہ پر ایک فوجی مہم بھیجی ان کا سپہ سالار امیر حسین تھا۔پرتگالی فوج کی کمان پرتگالی وائس رائے فرنسسکوڈی المیڈ (Francisco De Almeda) کے فرزند جیمس لوریکو (James Lorico) کے ہاتھوں میں تھی۔1508ء میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی جس میں پرتگالیوں کو شکست ہوئی اور جیمس لوریکو مارا گیا۔اپنے بیٹے کے مارے جانے کے بعد وائس رائے فرنسسکو ہندوستان روانہ ہوا اور 1509ء میں دیپ کے نزدیک مصر اور گجرات کی متحدہ افواج کو بری طرح شکست دی اس شکست سے محمود بیگرا اس نتیجہ پر پہنچا کہ پرتگالیوں کو پانی میں شکست دینا آسان نہیں ہے اس لئے محمود بیگرا نے پرتگالیوں سے معاہدہ کرنے میں بہتری سمجھی اور اپنا ایک سفیر بھیجا۔مگر اسی بیچ 1510ء میں پرتگالیوں نے بیجاپور کے سلطان اسمٰعیل عادل شاہ سے گوا چھین لیا۔اس کامیابی کے بعد پرتگالی اتنے طاقتور ہو گئے کہ ان کا رویہ بدل گیا۔ان حالات کے تحت محمود بیگرا کو ان سبھی پرتگالی قیدیوں کو رہا کرنا پڑا جو اس کے یہاں قید تھے۔

محمود بیگرا دہلی کے سلطان سکندر لودی کا ہم عصر تھا اور دونوں میں خوش گوار رشتے بھی قائم تھے۔سلطان سکندر لودی نے 1510ء میں محبت و خلوص کے اظہار کے لئے محمود بیگرا کی خدمت میں بہت سے گراں قدر تحفے ارسال کئے،یہ پہلا موقعہ تھا کہ دہلی کے کسی بادشاہ نے فرماں روائے گجرات کو تحفے بھیجے تھے۔سکندر لودی نے ایک جوڑا گینڈے،تیس گھوڑے اور دوسری قیمتی تحائف سمیت ایک خاص سفیروں کا دستہ محمود بیگرا کے دربار میں بھیجا تھا۔اس کے بدلے میں محمود بیگرا نے سکندر لودی کو کچھ طوطے،بگلے اور عربی گھوڑے ارسال کئے تھے۔اس کے علاوہ محمود بیگرا کے اچھے رشتے ایران،ترکی اور مصر کے حکمرانوں سے بھی تھے۔

محمود بیگرا نے نظام حکومت میں نرم دلی سے کام لیا۔اعلیٰ عہدوں پر اس نے قابل ترین علماء و فضلاء کو منتخب کیا تھا۔اس نے ہندوؤں کا بھی انتخاب اہم عہدوں پر کیا تھا۔ایک برہمن ملک کوچی اس کا وزیر اعظم تھا۔محمود بیگرا نے گرنار (جونا گڑھ) کے قریب مصطفیٰ آباد اور چمپانیر

کے قریب محمد آباد کی بنیاد رکھی۔ چمپانیر میں باغ فردوس لگوایا۔ اس نے عربی کتابوں کو فارسی زبان میں ترجمہ بھی کرانے میں کافی دل چسپی لی۔ اس کے عہد میں سنسکرت زبان میں تصنیف و تالیف کا کام ہوا۔ ادے راج اس کا درباری شاعر تھا، جس نے محمود بیگرا کی تعریف میں "محمود چرت" کے نام سے اشعار لکھے۔

معلومات کی جانچ

(1) سلطان محمود بیگرا کا عہد حکومت لکھئے۔

(2) محمود بیگرا کے دہلی سلطنت سے قائم تعلقات پر نوٹ لکھئے۔

12.3.6 سلطان مظفر شاہ بن سلطان محمود بیگرا 1511-1526

محمود بیگرا کے انتقال کے بعد اس کا فرزند مظفر شاہ دوم تخت نشین ہوا۔ اس نے پرتگالیوں سے دیب کی حفاظت کی اور ان کی مہمات کو ناکام بنایا۔ اس نے راجپوت راجا میدنی رائے کے خلاف مالوہ کے حاکم محمود کی مدد کی تھی اور میدنی رائے کو شکست دے کر محمود کو دوبارہ مالوہ کا حاکم بنادیا۔

مظفر شاہ صاحب حلم اور نرم دل انسان تھا، اس لئے وہ مظفر حلیم کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، وہ نہایت پارسا اور مذہب اسلام کا شیدائی تھا۔ احکام شرع کی پابندی ہر حال میں کرتا تھا اور حدیث کی پیروی کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ خطاطی میں اسے کمال حاصل تھا۔ خط ثلث، نسخ اور رقاع میں اسے بڑی مہارت تھی۔ قرآن کی کتابت کا بھی اسے بہت شوق تھا، جب ایک قرآن مجید ختم ہو جاتا تو اسے حرمین شریفین بھیج دیتا اور دوسرا لکھنا شروع کر دیتا۔ ایران، روم اور عرب جیسے ممالک کے شرفاء اور اکابر اس کے عہد حکومت میں گجرات آئے۔ مشہور و ممتاز خوش نویس ملا محمد سیاوش اسی کے عہد حکومت میں شیراز سے گجرات آیا تھا۔

12.3.7 سلطان سکندر بن مظفر شاہ 1526ء

سلطان مظفر شاہ کے انتقال کے بعد اس کا بڑا بیٹا سکندر خان تخت حکومت پر بیٹھا۔ سلطان سکندر نے اپنے خاص خدمتگاروں کو جو شہزادگی کے زمانہ میں اس کے ساتھ تھے طرح طرح کی عنایتوں سے نوازہ اور بڑی بڑی جاگیریں دیں، اس کے برعکس ان امیروں کو جو اس کے والد مظفر شاہ کے وقت سے سلطنت کی خدمت کر رہے تھے بالکل نہ پوچھا۔ اس کے اس طرز عمل سے امراء میں ناراضگی ہوئی اور وہ اس کے خلاف ہو گئے اور وہ صرف تین مہینے ہی حکومت کر پایا اور قتل کر دیا گیا۔

12.3.8 سلطان بہادر شاہ بن مظفر شاہ 1526-1537

سلطان بہادر شاہ گجرات کا آخری حکمران تھا۔ اس کے عہد میں پرتگالیوں نے 1531ء میں بندر دیب پر حملہ کیا۔ بہادر شاہ نے ترکی بحری فوج کی مدد سے پرتگالیوں کو شکست دی اور ان سے کوا چھین لیا، اس کامیابی کی خوشی میں اس نے بندر دیب میں مینار تعمیر کرایا اور اس کا نام برج بہادر شاہی رکھا اس نے ترکی سپہ سالار مصطفیٰ کو رومی خان کا لقب عطا کیا اور شاہی توپ خانے کا انتظام اس کے سپرد کیا۔

پرتگالیوں کوشکست دینے کے بعد بہادرشاہ مالوہ کی طرف متوجہ ہوا۔جہاں مالوہ کے حکمران محمود خلجی دوم نے اس کے باغی بھائی چاند خان کو پناہ دے رکھی تھی۔بہادرشاہ نے مالوہ پرحملہ کیااور محمود خلجی کوشکست دے کر مالوہ پر قابض ہوااور اپنے حدود مملکت میں شامل کرلیا۔اس کے بعد بہادرشاہ نے مالوہ کے مشرقی علاقوں مثلاً رائے سین، سارنگپوراور بھلسا پر بھی قبضہ کرلیا۔ان سب علاقوں کواس نے عالم خان لودی کودے دیا جسے مغل حکمران ہمایوں نے کالپی سے باہر کھدیڑ دیا تھا۔عالم خان وہاں سے فرار ہوکر بہادرشاہ کے پاس پناہ گزیں تھا۔بہادرشاہ نے عالم خان کو اپنے یہاں پناہ دے کر ہمایوں سے دشمنی مول لی تھی۔

1535ء میں بہادرشاہ نے ترکی سپہ سالار روتوپ خانے کے منتظم رومی خان کی مدد سے چتوڑ کے حاکم رانا رتن سنگھ کوشکست دے کر چتوڑ پر قبضہ کرلیا۔چتوڑ کی کامیابی کے بعد رومی خان وہاں کا گورنر بننا چاہتا تھا۔مگر بہادرشاہ نے اس کی خواہش کو درکنار کر برہان الملک کووہاں کا گورنر منتخب کیا جس سے رومی خان ناراض ہوااور بہادرشاہ سے بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔اس نے مغل حکمراں ہمایوں کی خفیہ طور پر مدد کی اور بہادرشاہ کے رسدخانے کولٹوادیا اور دیگر ضروری سامان کی ترسیل کی راہیں روک دیں۔چند روز جب اسی عالم میں گزر گئے تو گجراتیوں کی فوج میں قحط کے آثار پیدا ہونے لگے۔اب رومی خان نے ہمایوں کے ساتھ مل کر بغاوت کردی۔جب بہادرشاہ کوکوئی راستہ نہ ملاتو گجرات سے فرار ہوکر ماندو گیا اور وہاں سے چمپانیر کے قلعہ میں پناہ لی۔ہمایوں نے اس کا پیچھا کیا۔ چمپانیر سے فرار ہوکر بہادرشاہ کیمبے پہنچا وہاں اس نے اپنے ہی تقریباً ایک ہزار بحری بیڑوں کو جلوادیا تا کہ یہ بحری بیڑے ہمایوں کے ہاتھ نہ لگیں اور پھر وہاں سے وہ بحری راستہ کے ذریعہ بندر دیب چلا گیا۔وہاں سے اس نے پرتگالیوں سے امداد مانگی۔25 اکتوبر 1535ء میں بہادرشاہ اور پرتگالی کمانڈر کے درمیان معاہدہ ہوا۔پرتگالیوں نے فوجی مدد کرنے کا وعدہ کیااور اس کے بدلے میں بہادرشاہ نے بندر دیب میں ایک قلعہ بنانے کی اجازت دی۔اس درمیان ہمایوں نے چمپانیر اور احمد آباد پر قبضہ کرلیا اور جیت کی خوشی میں ہمایوں نے اپنے نام کے چاندی وسونے کے سکہ جاری کئے اور اپنے چھوٹے بھائی عسکری کو یہاں کا گورنر منتخب کر بندر دیب کی طرف روانہ ہوا۔مگر ہمایوں کا سفر وہیں رک گیا کیونکہ شیر شاہ سوری نے ہمایوں کے خلاف فوج کشی کی تھی۔ہمایوں وہاں سے لوٹا اور آگرہ پہنچا۔ہمایوں کے لوٹتے ہی بہادرشاہ نے اپنی فوج کو منظم کیااور 1536ء میں اپنے ہارے ہوئے علاقوں پر دوبارہ قابض ہوا۔

چونکہ ہمایوں کی آگرہ واپسی کے سبب بہادرشاہ نے پرتگالیوں کی فوجی امداد کے بنا ہی اپنے کھوئے علاقوں پر دوبارہ قابض ہوگیا تھا اس لئے وہ پرتگالیوں سے ہوئے معاہدہ میں دی جانے والی سہولیات کو واپس لینا چاہتا تھا اور اس کے لئے وہ چمپانیر سے کودھرا میں پرتگالی سپہ سالار کے پاس گیا۔پرتگالیوں کو جب اس کی خبر ہوئی تو ایک چال چلی اور اپنے سپہ سالار کو بیمار مشہور کردیا اور کہا کہ وہ چلنے پھرنے سے معذور ہیں اور بہادرشاہ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوسکتے۔اس پر بہادرشاہ اس کی عیادت میں پرتگالیوں کی ایک بڑی کشتی میں جہاں سپہ سالار تھا، گیا۔ بہادرشاہ کو کشتی میں داخل ہوتے ہی یہ احساس ہوا کہ حالات اچھے نہیں ہیں اور اس کے خلاف کچھ ہونے والا ہے۔اس نے کشتی سے باہر نکلنے کی کوشش کی مگر پرتگالیوں نے جو پہلے سے تیار تھے، حملہ بول دیا اور بہادرشاہ کو پانی میں دھکا دے دیا اور سر پر نیزہ مار کر قتل کردیا۔اور بندر دیب پر پرتگالیوں نے قبضہ کرلیا۔

سلطان بہادرشاہ سلاطین گجرات میں آخری عظیم سلطان تھا۔اس کے بعد کئی ایک سلطان ہوئے مگر وہ سب کمزور تھے، حکومت میں عدم دلچسپی لیتے تھے اور موسیقی اور شکار میں اپنا وقت صرف کرتے تھے جس کے سبب انکی حکومت جاتی رہی اور 1572ء میں مغل حکمران اکبر نے

گجرات پر قبضہ کر کے اسے اپنے حدود سلطنت میں شامل کرلیا۔

معلومات کی جانچ

(1) سلطان مظفر شاہ کے حکومت پر روشنی ڈالئے۔

(2) سلاطین گجرات میں آخری طاقتور حکمران کون تھا؟

12.3.9 تعمیرات

مسلمان جہاں پہنچے وہاں مساجد و مقابر کی تعمیر کا کام شروع کیا۔ابوظفر ندوی ''تاریخ گجرات''میں لکھتے ہیں کہ گجرات کی سب سے پہلی مسجد عباسی خلیفہ منصور کے عہد میں تعمیر کی گئی۔غزنویوں،خلجیوں اور تغلقوں کے عہد میں بہت سے تعمیرات کے کام ہوئے، بے شمار مساجد، مقابر، مدارس، کنویں وغیرہ تعمیر کئے گئے۔1407ء سے سلاطین گجرات کا زمانہ شروع ہوتا ہے جو 1573ء تک رہا۔اس عہد میں بھی تعمیری میدان میں نمایاں کام ہوئے۔

احمد آباد کا شہر سلطان احمد شاہ کی غیر فانی شہرت کا موجب ہے۔سلطان نے اسے 1411ء میں دریائے سابرمتی کے مشرق میں تعمیر کر کے اپنا دارالحکومت بنایا۔1413ء میں یہاں بھدرا کا قلعہ تعمیر ہوا جس کے دو برج لنڈن ٹاور کی قسم کے ہیں۔اس میں دو مسجدیں ہیں قلعہ مربع شکل کا ہے جس کے کئی دروازے ہیں۔1487ء میں محمود بیگرا نے شہر کے اردگرد فصیل بنوائی جو مضبوطی اور بلندی کے لحاظ سے دہلی کی عمارتوں کا مقابلہ کرتی ہے۔سولہویں صدی کے اختتام تک احمد آباد ہندوستان کے عظیم اور حسین ترین شہروں میں شمار ہونے لگا۔امین احمد رازی نے اپنی کتاب 'ہفت اقلیم' میں اس شہر کی صفائی، رونق، آثار کی نفاست، شہری عظمت اور گلیوں کی ترتیب اور کشادگی کی بڑی تعریف کی ہے۔

احمد آباد کی جامع مسجد

1426ء میں جامع مسجد احمد آباد تعمیر کی گئی۔یہ احمد آباد کی سب سے وسیع اور عظیم الشان عمارت ہے جو بارہ سال میں مکمل ہوئی تھی، یہ برصغیر کی بڑی مساجد میں سے ہے۔اس کے دو بلند مینار اس کی زینت کو دوبالا کرتے تھے جنکا تناسب اور نقش و نگار کا کام بڑا ہی دل کش تھا 1819ء کے زلزلے میں یہ مینار گر پڑے اور مسجد اپنی خصوصیت سے محروم ہوگئی۔اس کا صحن وسیع ہے درمیان میں پانی کا حوض ہے، پندرہ بڑے گنبد ہیں۔دوسو ساٹھ خوبصورت مینار ہیں۔فرش سفید سنگ مرمر کا ہے۔ایک کونے میں شاہی گیلری ہے جسے چلمن کے ذریعہ علیحدہ کیا گیا ہے۔

احمد آباد کے مقابر

احمد آباد میں مانک چوک میں احمد شاہ کا مقبرہ ہے، یہ مسجد کے مشرقی جانب ہے۔مقبرہ گنبد والی ایک عظیم عمارت پر مشتمل ہے، جس کے درمیان ایک بڑا کمرہ ہے، کونوں پر چار مربع شکل کے کمرے ہیں جن کے درمیان ستونوں والے عمیق برآمدے ہیں۔بڑے کمرے میں احمد شاہ اول کی قبر ہے جس کے پہلوؤں میں اس کے بیٹے محمد ثانی اور پوتے قطب الدین احمد شاہ ثانی کی قبریں ہیں اور تینوں سفید سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہیں۔احمد شاہ کے مقبرے کے مشرق میں اس خاندان کی بیگمات مدفون ہیں۔سب سے اہم قبر بی بی مغلی کی ہے جو محمود بیگرا کی ماں تھی، یہ

مقبرہ سفید سنگ مرمر سے بنایا گیا تھا اس قبر کے ساتھ ہی سیاہ سنگ مرمر کی مہر بی بی کی قبر ہے جو بی بی مغلی کی بہن تھی ۔سیاہ قبر پر شروع میں سیپ کا جڑاؤ کام کیا گیا تھا۔ دونوں قبریں فن تعمیر کا خوبصورت نمونہ ہیں۔

تین دروازہ

یہ جامع مسجد کی طرح شان وشوکت رکھتا ہے، اس کے حسن کا باعث اس کے کامل درجے کے متناسب قوسی دروازے ہیں جن کے درمیان اعلیٰ درجے کے مزین پشتے ہیں۔ مسطح چھت ہے، جس کے دونوں طرف تین شہ نشین کھڑکیاں ہیں۔ یہ ایک وسیع صحن کا رفیع الشان دروازہ تھا، جسے میدان شاہ کہا جاتا تھا اور برجوں کے قریب قلعے کے اصلی دروازے تک چلا جاتا تھا۔

محمود آباد

محمود بیگرا نے احمد آباد کے جنوب مشرق میں اٹھارہ میل کے فاصلے پر اپنے نام کی مناسبت سے نیا شہر تعمیر کرایا۔ اس شہر میں محل کے علاوہ کئی خوبصورت عمارتیں اور وسیع باغات بنوائے گئے۔ بعد میں سلطان محمود سوم نے اسے اپنی سکونت کے لئے منتخب کیا اور اس میں ہرنوں کے لئے کھلا باغ بنوایا۔

محمد آباد

چمپانیر کے قدیم شہر کے قریب محمود بیگرا نے 1484ء میں نیا شہر محمد آباد کے نام سے آباد کیا۔ شہر کے اردگرد فصیل بنائی گئی جس کا نام جہاں پناہ رکھا۔ اس شہر میں قلعہ اور محل کے علاوہ ایک خوبصورت مسجد بھی تعمیر ہوئی۔ وسیع باغات تھے جن میں فوارے اور جھرنے تھے۔ آم وصندل کے درخت لگوائے گئے۔ یہ شہر پچاس سال تک گجرات کا دارالخلافہ رہا۔ جامع مسجد انتہائی خوبصورت فن تعمیر کا نمونہ ہے۔ اس میں مرکزی گنبد کے نیچے ایک دوسرے کے اوپر ستونوں کی تین قطاریں ہیں جن کے درمیان سنگ تراشی کر کے بالاخانے بنائے گئے ہیں۔ مسجد کے فرش پر کوئی تقریباً ایک سو بہتر ستون ہیں، جنہیں اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ ان پر گیارہ بڑے بڑے گنبد ہیں محمد آباد میں نگینہ مسجد خالص سفید پتھر کی بنی ہوئی ہے اور بڑی خوبصورت ہے۔

اس کے علاوہ محافظ خان کی مسجد، بی بی اچھوت کوکی کی مسجد، رانی روپمتی کی مسجد، رانی سپری کی مسجد، حوض قطب، باغ فردوس، باولیاں، خان جہاں کا مقبرہ، قطب عالم کا روضہ، حضوری شاہ کی مسجد، ملک شعبان کا روضہ، دریا کا روضہ، عثمان پور کی مساجد و مقابر، سیدی سعید کی مسجد وغیرہ اپنی فن تعمیر کے لئے مشہور ہیں۔

سلاطین گجرات کے فن تعمیر کی تاریخ کا اجمالی جائزہ لیں تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ 1407ء سے لے کر 1511ء تک فن تعمیر باقاعدہ ارتقاء پذیر رہا۔ نشو نما اور ارتقا کے اس دور میں جینی اور اسلامی عناصر کا امتزاج ہوا۔ ابتدائی مساجد میں مثلاً بھدراوالی احمد شاہ کی مسجد میں دونوں عناصر کے امتزاج میں کامیابی نظر نہیں آتی، لیکن 1424ء میں جامع مسجد تعمیر ہوئی تو اس میں بڑی خوبی سے آہنگ اور امتزاج پیدا ہو گیا۔ میناروں، محرابوں کو چوڑے ہندووانہ بغلی راستوں کے ساتھ بڑی کامیابی کے ساتھ یکجا کیا گیا ہے۔ عمارتوں میں اسلامی عناصر بہت کم تھے۔ 1465ء سے محمود بیگرا کی حکومت کے اختتام تک ملی جلی طرز کی مساجد تعمیر ہوئیں۔ ہندووانہ اور اسلامی عناصر کا امتزاج، مثلاً بی بی اچھوت

کوکی کی مسجد میں، ایسا کامل ہے کہ امتیاز کرنا مشکل ہے۔

معلومات کی جانچ:

(1) گجراتی مسلمانوں کے عہد کے فن تعمیر پر نوٹ لکھئے۔

(2) شہر احمد آباد کی مشہور عمارتوں پر نوٹ لکھئے۔

(3) محمود آباد اور محمد آباد کے فن تعمیر پر روشنی ڈالئے۔

(4) مسلم فن تعمیر پر ہندو وانہ اثرات پر روشنی ڈالئے۔

12.4 مالوہ کی حکومت

مالوہ ایک وسیع سلطنت ہے اور اس پر بڑے بڑے ذی شان فرمانرواوں نے حکومت کی ہے، مثلاً بکرماجیت، راجا بھوج، اشوک وغیرہ جو ہندوستان کی تاریخ میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ مالوہ اپنے اقتصادی مرکزیت اور تہذیب وتمدن کے لئے کافی مشہور تھا۔ فن تعمیر میں بھی مالوہ کا ایک اہم مقام ہے۔ یہاں کے سلاطین نے دارالسلطنت مندو میں بہت سے عالی شان محلات، مساجد اور مقابر تعمیر کرائی ہیں۔ التتمش کے عہد سے لے کر عہد تغلق تک مالوہ دہلی سلطنت کے ماتحت رہا۔ 1398ء میں تیمور کے حملہ کے بعد دلاور خان غوری نے اپنی خودمختار حکومت کی بنیاد رکھی۔

12.4.1 دلاور خان غوری

دلاور خان کے بزرگوں میں سے ایک شخص غور سے دہلی آیا اور شاہی ملازمت حاصل کر کے نام پیدا کیا۔ اس شخص کا بیٹا ترقی کرتے کرتے امارت کے عہدہ پر فائز ہوا اور اس کا پوتا دلاور خان فیروز شاہ تغلق کے عہد حکومت میں امیر ہوا۔ سلطان محمد فیروز شاہ کے قتل کے بعد دلاور خان جس کا اصلی نام حسین تھا مالوہ کی حکومت پر فائز ہوا اور رفتہ رفتہ یہاں کا مستقل حکمران بن گیا۔ دلاور خان غوری کی خودمختاری کے بعد مالوہ کی سلطنت دہلی کی حکومت کی اطاعت سے آزاد ہوگئی۔ دلاور خان غوری نے دھار میں قیام کیا اور اپنی فہم وفراست اور انتظامی صلاحیتوں سے مالوہ کا معقول اور مناسب انتظام کیا۔ اس علاقہ کو ہر قسم کے فتنہ وفساد سے پاک کیا۔ دلاور خان نے 1406ء تک بڑی کامیابی وکامرانی سے حکومت کی۔

12.4.2 ہوشنگ شاہ (1406-1435)

دلاور خان کے بعد اس کا بیٹا الپ خان، سلطان ہوشنگ کے لقب سے تخت پر بیٹھا۔ ہوشنگ شاہ کو عنان حکومت ہاتھ میں لئے ہوئے ابھی کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ مظفر شاہ گجراتی مالوہ پر حملہ آور ہوا، دونوں کے بیچ زبردست جنگ ہوئی۔ آخر میں ہوشنگ شاہ کو شکست ہوئی اور قلعہ دھار میں پناہ گزیں ہوا۔ جب بچنے کی صورت نہ ہوئی تو وہ خود مظفر شاہ گجراتی کے سامنے حاضر ہوا۔ مظفر شاہ نے اسے قید کیا اور اپنے ساتھ گجرات لے گیا۔ مظفر شاہ نے مالوہ کو اپنے حدود سلطنت میں شامل کرا اپنے بھائی نصرت کو گورنر منتخب کیا۔ نصرت خان نے رعایا پر سختیاں کیں۔ عوام نے

مخالفت کی،لشکر نے بھی عوام کا ساتھ دیا اور نصرت خان کو دھار سے نکال دیا گیا۔اس کے بعد مالوہ کی رعایا نے ہوشنگ شاہ کے چچا زاد بھائی موسی خاں کو اپنا حکمران بنایا۔ہوشنگ شاہ کو جب اس کی خبر ہوئی تو اس نے مظفر شاہ گجراتی سے اپنی رہائی کی درخواست کی اور ہمیشہ فرمانبردار رہنے کا وعدہ کیا۔مظفر شاہ نے اسے رہا کیا۔،رہائی کے بعد ہوشنگ شاہ نے دوبارہ اپنی حکومت قائم کی۔لیکن وہ زندگی بھر اس بے عزتی کو بھلا نہ سکا اور سلاطین گجرات سے بدلہ لینے کی کوشش کرتا رہا۔

1411ء میں مظفر شاہ کے انتقال کے بعد ہوشنگ شاہ نے گجرات میں بدامنی پھیلانے کی کوشش کی۔گجرات کے کچھ زمینداروں نے مثلاً راجا جالوارہ،راجا بید راور راجا محمد آباد جنانیر نے ہوشنگ شاہ کو گجرات پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ہوشنگ شاہ انکی دعوت پر گجرات کی طرف روانہ ہوا۔سلطان احمد شاہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہ بھی فوج لے کر نکلا۔دونوں افواج میں زبردست جنگ ہوئی۔اس جنگ میں ہوشنگ شاہ کو شکست ہوئی اور وہ قلعہ شادی آباد مندو میں محصور ہوگیا۔یہ قلعہ بہت مضبوط تھا،اس لئے احمد شاہ نے اسے فتح کرنے کا ارادہ ترک کردیا،بعد میں دونوں میں معاہدہ ہوا۔

1420ء میں ہوشنگ شاہ نے کھیرلا پر لشکر کشی کی۔کھیرلا کا حاکم نرسنگ راؤ جنگ میں مارا گیا۔ہوشنگ شاہ نے نرسنگ راؤ کا قلعہ سارنگ گڑھ فتح کیا،وہاں کے خزانے پر قبضہ کیا اور نرسنگ کے بیٹے کو مطیع و باجگزار بنا کر شادی آباد مندو لوٹ آیا۔اس کے بعد ہوشنگ شاہ نے گوالیار پر حملہ کیا مگر دلی کے سلطان مبارک شاہ کی مخالفت کی وجہ سے وہ پورے طور پر قلعہ پر قابض نہ ہوسکا۔1421ء میں اڑیسہ پر حملہ آور ہوا وہاں کے حاکم بھانو دیو کو بندی بنایا۔بھانو دیو نے اپنی رہائی میں پکھر ہاتھی ہوشنگ شاہ کو دئے۔ہوشنگ شاہ نے کالپی کے حکمران قادر شاہ سے اپنی بہن کا نکاح کر کے اپنی حکومت کو مضبوط کیا۔

1435ء میں ہوشنگ شاہ بیمار پڑا۔اس نے اپنے امراء و وزراء کو نصیحت کی کہ آپس کی مخالفت کو ترک کردو کیونکہ یہی وہ امر ہے جس سے سلطنتیں تباہ ہوجاتی ہیں اور ان سب کی موجودگی میں شہزادہ غزنین کو ہر سلطنت عطا کی۔سلطان ہوشنگ شاہ نے تقریباً تیس سال حکومت کی۔مندو میں اسے ایک خطیرہ کے اندر دفن کیا گیا جہاں ہر وقت پانی ٹپکتا رہتا ہے۔مصنف تاریخ فرشتہ لکھتے ہیں میں نے اس خطیرہ کو دیکھا ہے،اس میں سوراخ ہے۔ہوا ان سوراخوں میں داخل ہوتی ہے اور پھر پانی بن کر ٹپکتی ہے۔

ہوشنگ شاہ نے اپنی حکومت کو مضبوط کرنے کے لئے اپنی سلطنت کو چار صوبوں میں تقسیم کیا تھا،ان چار صوبوں کے مرکز سارنگپور، اجین،چندیری اور بھلسا تھے۔علاوہ بریں اس نے دھار،نچلہ اور مندو کے علاقے کو سیدھے اپنی نگرانی میں رکھا۔سرحدی علاقوں میں چوکیاں قائم کیں اور قابل عہدداروں کو منتخب کیا۔ہوشنگ شاہ ایک نرم دل انسان تھا،اس کی نرم دلی ہندوؤں کے لئے بھی تھی،ہندوؤں کو مندر بنانے کی پوری آزادی دے رکھی تھی،اس نے تجارت اور صنعت و حرفت کو ترقی دینے کے لئے جینیوں کی حفاظت کی جو ان میدان میں ماہر تھے۔اس نے ایک جین تاجر دیوسونی کو اپنا خزانچی مقرر کیا تھا۔

ہوشنگ شاہ ایک دانش ور اور عاقل حکمراں تھا۔اس نے علم و علماء کی سرپرستی میں کافی دلچسپی لی۔اس کے عہد میں بہت سے صوفی مالوہ میں آکر بس گئے۔ہوشنگ شاہ خود بھی اس وقت کے مشہور صوفی شیخ برہان الدین کا مرید تھا۔اس نے ملک مغیث کو اپنا وزیر منتخب کیا تھا جو بہت مشہور و معروف صوفی تھے۔دوسرے مشہور صوفی حضرات جو مالوہ آکر بس گئے تھے ان میں سید نظام الدین،شیخ یوسف اور شیخ الاسلام اہم

ہیں۔اس نے علم وادب کو ترقی دینے کے لئے مندو میں ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا۔

معلومات کی جانچ:

(1) مالوہ کی حکومت کا بانی کون ہے؟

(2) ہوشنگ شاہ کون تھا اس کے کارناموں پر روشنی ڈالئے۔

(3) ہوشنگ شاہ کے نظام حکومت پر نوٹ لکھئے۔

12.4.3 سلطان محمود خلجی (1436-1469)

سلطان ہوشنگ شاہ کے انتقال کے بعد اس کا بڑا بیٹا غزنین خان محمود شاہ کا لقب اختیار کر تخت نشین ہوا۔تخت نشینی کے چند روز بعد اس نے اپنے بھائیوں کو قتل کرادیا، اپنے بھتیجے اور اس کے بیٹوں کی آنکھوں میں سلائیاں پھیروادیں۔وہ خود بھی ملکی انتظامات سے کنارہ کشی اختیار کر شراب میں ڈوبا رہتا تھا اور نشہ کی حالت میں اس کا انتقال ہوا۔اس کے بعد اس کا بیٹا مسعود خان کو تخت پر بٹھایا گیا مگر وہ بھی نا اہل تھا اور اس کے بعد محمود خان تخت شاہی پر بیٹھا۔

مالوہ میں غوری حکومت کا اختتام 1436ء میں ہوا اس کے بعد محمود خلجی نے مالوہ کی بادشاہت حاصل کی۔وہ مالوہ کا سب سے طاقتور حکمران ہے اس کی قابلیت کو دیکھتے ہوئے ہوشنگ شاہ نے اسے خان کا لقب عطا کر اپنی فوج میں اونچے عہدے پر منتخب کیا تھا۔حکومت سنبھالتے ہی محمود خلجی نے امراء پر طرح طرح سے عنایتیں کیں، ہر ایک کے منصب و جاگیروں میں اضافہ کیا اور خطابات سے نوازا۔اس نے اپنی حدوں کو چاروں سمت پھیلایا، اس کی سرحدیں جنوب میں ست پڑا کی پہاڑیوں تک، مغرب میں گجرات تک، مشرق میں بندیل کھنڈ تک اور شمال میں میواڑ تک پھیلی ہوئی تھیں۔

جب سلطان محمود خلجی کی سلطنت کی بنیادیں مضبوط ہوگئیں تو اس نے علم وفضل کی طرف توجہ کی اور ملک کے تمام علماء وفضلاء کو مالا مال کر کے اپنے گرد جمع کرلیا۔سارے ملک میں جگہ جگہ مدرسے قائم کئے۔علماء، فضلاء اور طلباء کے وظیفہ مقرر کئے، الغرض بادشاہ کی علمی سرپرستی کی وجہ سے مالوہ کا ملک شیراز اور سمرقند کا ہم پلہ ہوگیا۔

محمود خلجی ایک بہادر، باہمت اور نیک دل انسان تھا۔اس نے گجرات کے احمد شاہ ثالث اور میواڑ کے رانا کنبھ کے خلاف جنگ کی۔ 1440ء میں اس نے دہلی پر حملہ کیا مگر اس کی اسی مشغولیت سے فائدہ اٹھا کر گجرات کے حکمران احمد شاہ اول نے مندو پر حملہ کردیا جس کی وجہ سے محمود خلجی کو مندو واپس لوٹنا پڑا۔1443ء میں محمود خلجی نے چتوڑ پر حملہ کیا، اس وقت وہاں کا حاکم رانا کنبھ تھا دونوں میں جنگ ہوئی مگر کوئی خاطر خواہ فیصلہ نہ ہوا۔محمود خلجی نے اجمیر پر بھی لشکر کشی کی، وہاں کے حاکم گجادھر راجپوت سے جنگ ہوئی جس میں گجادھر مارا گیا اور محمود خلجی نے قلعہ اجمیر پر قبضہ کرلیا۔

ان سب کارناموں اور کامیابیوں کے باعث مصر سے عباسی خلیفہ یوسف بن محمد کا ایک قاصد فرمان سلطنت اور خلعت لے کر سلطان

محمد خلجی کی خدمت میں حاضر ہوا محمود خلجی نے مسرت سے فرمان اور خلعت کا استقبال کیا۔

محمود خلجی کا انتقال 1469ء میں ہوا۔وہ نہایت ہی بہادر اور بلند اخلاق انسان تھا۔اس کے عہد حکوت میں رعایا کا ہر طبقہ خوش حال تھا، ہندو اور مسلمان سبھی بادشاہ پر جان چھڑکتے تھے۔سلطان محمود خلجی نے دوسرے فرمانرواؤں کی طرح شراب نوشی کو اپنی زندگی کا مقصد نہ بنایا۔اس نے زندگی بھر توسیع سلطنت اور باغیوں کی سرکوبی کی کوشش کی۔اس کا شوق وذوق اگر کچھ تھا تو وہ جنگ وجدال تھا اس کے آغاز حکومت سے لے کر وفات کے زمانہ تک شاید ہی کوئی ایسا سال گزرا ہو کہ جس میں کسی نہ کسی مقام پر لشکر کشی نہ کی ہو۔وہ بہت سخی اور فراخ دل انسان تھا،اس نے رعایا کو ہر طرح سے خوش رکھا،سرکاری کو دام سے غریبوں ومحتاجوں کو غلہ تقسیم کرواتا تھا۔اس نے لنگر خانے بھی تعمیر کروائے جہاں غریبوں کو پکا ہوا کھانا ملتا تھا۔سلطان محمود خلجی نے شفاخانہ بھی قائم کیا تھا اور اس میں اپنے زمانہ کے بہترین حکیم مولانا فضل اللہ کو مریضوں کی دیکھ بھال کے لئے متعین کیا تھا۔اس شفاخانہ کے اخراجات کے لئے چند قصبے وقف کئے گئے تھے۔مصنف تاریخ فرشتہ لکھتے ہیں کہ سلطان محمود خلجی میں ایک عادت بہت اچھی تھی کہ وہ تجربہ کار مورخوں اور جہاں دیدہ سیاحوں سے گزشتہ زمانے کے حالات سُنا کرتا تھا۔وہ مختلف بادشاہوں اور حکومتوں کے آغاز و انجام کے اسباب واثرات پر اکثر غور کیا کرتا تھا اور پھر ان کی روشنی میں اپنے لئے صحیح راستے کا تعین کرتا تھا۔اس کے عہد میں چوری وڈاکہ زنی بالکل نہ ہوتی تھی اگر کہیں اس قسم کی واردات ہو بھی جاتی تو وہ بعد تحقیق جو مال چوری ہو جاتا اس کی قیمت شاہی خزانے سے ادا کر دیتا اور اس مال کو مقامی حکام سے وصول کرتا،یہی وجہ تھی کہ لوگ بلا خوف وخطر زندگی بسر کرتے تھے۔تاجر اور بیوپاری جنگلوں میں بھی اپنے سامان کو اتنا ہی محفوظ سمجھتے تھے جتنا کہ اپنے گھروں میں۔

12.4.4 سلطان غیاث الدین بن سلطان محمود خلجی (1469-1501)

سلطان محمود خلجی کے انتقال کے بعد اس کا بڑا بیٹا سلطان غیاث الدین تخت نشین ہوا۔تخت نشینی کی رسم کے بعد اس نے تمام عہدے اپنے تجربہ کار امراء میں تقسیم کئے اور کہا کہ میں نے اپنے والد سلطان محمود خلجی کے زمانہ میں لشکر کشی کی،میرا سارا وقت میدان جنگ میں گزرا،لہٰذا میری آسائش کا وقت آیا ہے۔اس کے بعد غیاث الدین اپنا وقت حرم میں گزارنے لگا،اس کے حرم میں دس ہزار سے زیادہ کنیزیں تھیں۔ان کنیزوں کو عہدے عطا کئے تھے ان میں سے کسی کو وزیر،وکیل،دبیر،خبردار،منجم،صدر مدرس،حکم محتسب،مفتی،حافظ وموذن بنایا۔اسی طور سے ان کو ہنر اور صنعتی تعلیم دی۔اس کے علاوہ اس نے پانچ سو تر کی کنیزوں کو مردانہ لباس پہنا کر تیراندازی اور نیزہ بازی کی تعلیم دی۔ان کنیزوں کو "سپاہ ترک" کا خطاب دیا۔اسی طرح پانچ سو حبشی کنیزوں کو شمشیر بازی کی تعلیم دی۔غیاث الدین نے اپنے حرم میں ایک بازار بھی تعمیر کروایا۔وہ بہت سخی اور دریا دل تھا، وہ روزانہ سو اشرفیاں مستحقوں میں تقسیم کرتا تھا۔اسے خوف الٰہی بھی تھا۔نماز میں وہ تہجد کا بھی پابند تھا۔اسے نشہ ور چیزوں سے سخت نفرت تھی۔ اس کی شاہی مجلس میں غیر شرعی باتوں اور غیر اخلاقی امور پر گفتگو کرنے کی قطعاً اجازت نہ تھی۔

سلطان غیاث الدین کا دور بہت ہی پرامن تھا،کسی قسم کا انتشار پیدا نہ ہوا۔اس عہد میں صرف ایک مرتبہ فوج کشی کی ضرورت محسوس ہوئی جب دہلی کے بادشاہ بہلول لودی نے پالن پور پر حملہ کیا۔جس کی تادیب اس نے جندیری کے حاکم شیر خان کے ذریعہ کی۔بعد میں دونوں میں صلح ہوئی۔

1501ء میں غیاث الدین بیمار پڑا،صحت خراب ہوئی اور بڑھاپے کی وجہ سے بہت کمزور ہو گیا تھا،اس صورت میں شہزادوں میں تخت

کو لے کر خانہ جنگی ہوئی۔ جس میں ناصر الدین کامیاب ہوا اور بادشاہت شروع کردی۔ ایسا کہا جاتا ہے کہ ناصر الدین نے سلطان غیاث الدین کو زہر دے کر ہلاک کیا۔

12.4.5 سلطان محمود خلجی ثانی (31-1510):

سلطان غیاث الدین کے بعد اس کا بیٹا ناصر الدین سلطان بنا اس کا دور خانہ جنگی کا دور رہا، اس کے بیٹے شہاب الدین نے بغاوت کر کے دھار پر قبضہ کرلیا تھا۔ دس سال حکومت کرنے کے بعد اس کا انتقال ہوا، اس کے بعد محمود خلجی ثانی تخت نشین ہوا۔

محمود خلجی ثانی جب سلطان بنا تو ملک کی حالت بہت خراب تھی۔ نظم ونسق کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ اس کا دربار سیاست کا اکھاڑا بنا ہوا تھا اس صورت حال میں ایک مضبوط اور طاقتور حاکم کی ضرورت تھی لیکن محمود خلجی ان خصوصیات سے عاری تھا اس نے امراء کی سیاسی چالوں سے اپنی حفاظت کے لئے چندیری کے راجپوت حکمران رائے چندر پُربیا کو میدنی رائے کا لقب دے کر اپنا مشیر خاص منتخب کیا اور بعد میں اسے اپنا وزیر مقرر کیا۔ میدنی رائے نے مالوہ کے نظام حکومت کو درست کیا اور اعلیٰ عہدوں پر اپنے حمایتیوں کو تعینات کیا، اس طرح میدنی رائے نے حکومت پر قبضہ کرلیا محمود خلجی اس کے ہاتھوں کٹھ پتلی ہو کر رہ گیا۔

محمود خلجی میدنی رائے سے چھٹکارا پانا چاہتا تھا۔ اس نے گجرات کے حکمران مظفر شاہ ثانی سے فوجی امداد طلب کی اور 1518ء میں میدنی رائے کو شکست دی۔ مگر گجراتی فوج کے گجرات لوٹنے پر میدنی رائے نے رانا سنگا کی مدد سے گنگرون پر قبضہ کرلیا۔ اس جنگ میں سلطان محمود خلجی کو دوران جنگ کئی زخم لگے مگر وہ بہادری سے لڑتا رہا اور آخر میں گرفتار ہوا۔ رانا سنگا محمود خلجی کی بہادری سے متاثر ہوا، اس کی تعظیم کی اور علاج کروایا اور راجپوت فوجیوں کی مدد سے مالوہ کے تخت پر بٹھایا۔ تخت دوبارہ سنبھالنے کے بعد گجرات کے حاکم مظفر شاہ نے اس کی امداد میں ایک بڑی فوج ارسال کی لیکن محمود خلجی نے گجراتی افواج کو لوٹا دیا۔ گجراتی افواج کے مالوہ سے واپسی کے بعد سے ہی مالوہ کا زوال شروع ہو گیا۔ مندسور اور اس کے اردگرد کے علاقوں پر مہارانا سنگا کا قبضہ ہو گیا۔ سارنگپور، بھلسا، رائے سین اور چندیری پر میدنی رائے اور اس کے ساتھیوں نے قبضہ کیا۔ محمود خلجی نے اپنی حکومت کو بچانے کے لئے کئی جنگیں لڑیں مگر اسے خاطر خواہ کامیابی نہیں ملی۔ دوسری طرف محمود خلجی نے گجرات کے حاکم بہادر شاہ کے باغی بھائی چاند خان کو اپنے یہاں پناہ دی جس سے بہادر شاہ بھی اس سے ناراض ہوا اور 1530ء میں اپنی فوج لے کر مندو کی طرف روانہ ہوا۔ 1531ء میں بہادر شاہ نے مندو پر قبضہ کیا اور اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ محمود خلجی گرفتار کرلیا گیا اور مع اس کے ساتوں بیٹوں کے قلعہ جنانیر میں نظر بند کر قتل کر دیا گیا۔ اس طرح مالوہ گجرات کا حصہ بن گیا۔

1537ء تک مالوہ گجرات کے فرمانرواؤں کے ہاتھوں میں رہا۔ 1537ء میں بہادر شاہ کے انتقال کے بعد گجرات میں خانہ جنگی ہوئی اور گجرات کے حاکم امداد الملک نے ملو خان کو قادر خان کا لقب دے کر مالوہ کا حکمران بنایا، قادر خان ایک کامیاب حکمران رہا مگر جلد ہی شیر شاہ سوری نے مالوہ پر حملہ کر اپنے قبضہ میں لے لیا اور شجاعت خان کو مالوہ کا گورنر منتخب کیا۔ 1545ء میں شیر شاہ کے انتقال کے بعد مالوہ میں دوبارہ خانہ جنگی شروع ہوئی شجاعت خان کو ہٹا کر اس کی جگہ عیسیٰ خان کو گورنر بنایا گیا۔ 1553ء میں اسلام شاہ سوری کے انتقال کے بعد جب محمد شاہ عادل حاکم بنا تو اس نے شجاعت خان کو دوبارہ مالوہ کی گورنری عطا کی۔ مگر دو سال بعد شجاعت خان کا انتقال ہوا، اس کے بعد اس کا بیٹا میاں بایزید باز بہادر کا لقب اختیار کر مالوہ پر قابض ہوا اور اپنی آزاد حکومت کا اعلان کیا، باز بہادر کے عہد میں ہی 1562ء میں مغل حکمران اکبر نے مالوہ

پر حملہ کرا سے اپنی سلطنت میں ملالیا۔

معلومات کی جانچ

(1) سلطان محمود خلجی اول کے عہد پر روشنی ڈالئے۔

(2) سلطان محمود خلجی ثانی کے کارناموں کو مختصراً بیان کریں۔

(3) مالوہ کی حکومت کے زوال پر نوٹ لکھئے۔

12.5 خاندیش کی حکومت

دہلی سلطنت کا ایک چھوٹا سا اقطاع خاندیش محمد بن تغلق کی سلطنت کا ایک حصہ تھا جو دریائے تاپتی کے ساحل پر تھا اس کے شمال میں وندھیا چل، جنوب میں اجنتا کی پہاڑیاں، مشرق میں برار اور مغرب میں صوبہ گجرات واقع ہیں۔ خاندیش حکومت کی بنیاد ملک راجا فاروقی نے رکھی اس نے اپنے آپ کو حضرت عمرؓ کے خاندان سے بتایا ہے۔ تاریخ فرشتہ میں اس کا سلسلہ نسب بھی لکھا ہوا ہے اس لئے اس حکومت کو فاروقی حکومت بھی کہا جاتا ہے۔ اس حکومت کے سبھی حکمرانوں نے خان کا لقب اختیار کیا اس لئے اسے خاندیش بھی کہا جاتا ہے۔

12.5.1 ملک راجا فاروقی (1382-1399)

حکومت خاندیش کی بنیاد ملک راجا فاروقی نے رکھی۔ اس کے اجداد علاء الدین خلجی اور محمد بن تغلق کے دربار میں نامی گرامی امیر تھے۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد میں ملک راجا فاروقی نے سلطان کو شکار کے موقع پر بھوک کی صورت میں کھانا مہیا کیا تھا جس کے باعث فیروز شاہ تغلق نے اسے اپنے دو ہزار منصب داروں میں شامل کیا اور تھالنیر اور کروند کی جاگیر جو مملکت خاندیش میں تھی عطا کی۔ 1370ء میں یہ راجا فاروقی خاندیش پہنچا اور وہاں کا نظم و نسق درست کیا۔

ملک راجا فاروقی نے راجا بہارجی پر حملہ کرا سے اپنا باجگزار بنایا اور بہت سی گراں قدر چیزیں بطور پیش کش وصول کیں، جسے اس نے فیروز شاہ تغلق کی خدمت میں بھیجا۔ اس سے خوش ہو کر فیروز شاہ نے ملک راجا فاروقی کو سہ ہزار منصب عطا کیا اور اسے خاندیش کا سپہ سالار بنا دیا۔ اس کے بعد اس نے آس پاس کے علاقوں پر لشکر کشی کی اور ان سے پیش کش وصول کی۔ اس کی قوت کو دیکھتے ہوئے جاجنگر کے راجا نے دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ الغرض ملک راجا فاروقی نے اپنی محنت اور دانش مندی سے رفتہ رفتہ اپنے آپ کو مرتبہ بادشاہت تک پہنچا دیا۔ فیروز شاہ تغلق کے انتقال کے بعد مالوہ پر دلاور خان کی حکومت قائم ہوئی۔ ملک راجا فاروقی اور دلاور خان میں بھائی جیسے تعلقات تھے اور بعد میں رشتہ داری بھی ہوگئی۔ انہیں دنوں گجرات کا حکمران مظفر شاہ گجراتی ہوا، ملک میں انتشار پیدا ہونے کے سبب ملک راجا فاروقی نے حملہ کیا، بعد میں دونوں میں صلح ہوئی۔ ان واقعات کے بعد ملک راجا فاروقی نے مملکت اور رعایا کی فلاح و بہبود کی طرف توجہ کی، اس نے تعمیرات اور زراعت کی ترقی پر خاص طور پر توجہ دی۔ ملک راجا فاروقی شیخ الاسلام زین دولت آبادی کا مرید تھا اور اس نے ان سے خرقہ ارادت بھی حاصل کیا تھا۔

انتیس سال کی حکومت کے بعد 1399ء اس کی صحت خراب ہوئی۔ اس نے اپنے بڑے بیٹے ملک نصیر کو اپنا ولی عہد مقرر کیا۔

12.5.2 نصیر خان فاروقی (1399-1437)

1399ء میں نصیر خان (ملک نصیر) تخت نشین ہوا، اس کے عہد میں حکومت خاندیش نے بڑی ترقی کی۔ اس نے اپنے دربار میں علماء و دانشوروں کو جمع کیا، ان کی عزت افزائی کی جس کی وجہ سے خاندیش اہل علم و ارباب کمال کا مرکز بن گیا۔ ملک نصیر نے ہر ایک کو حتی الامکان وظیفے و جاگیروں سے نوازا۔ اس نے اپنے نام کا خطبہ جاری کیا۔

ملک نصیر نے قلعہ اسیر کو آسا اہیر کے قبضے سے نکال کر شیخ زین الدین کی خواہش پر ایک شہر آباد کیا جس کا نام شیخ برہان الدین کے نام پر برہان پور رکھا۔ ایک عظیم الشان مسجد بنائی اور اس کو اپنا پایہ تخت قرار دیا۔ اس کے علاوہ دریا کے دوسری طرف شیخ زین الدین کے نام پر ایک قصبہ آباد کیا جس کا نام زین آباد رکھا۔

1417ء میں ملک نصیر نے مالوہ کے فرمانروا سلطان ہوشنگ شاہ سے مدد طلب کر تھالنیر کے قلعہ پر قبضہ کیا۔ اس کے بعد ہوشنگ شاہ کا بیٹا غزنین خاں اور ملک نصیر نے مل کر سلطان پور ندربار پر لشکر کشی کی اس وقت یہاں کا حاکم احمد شاہ گجراتی تھا۔ اس نے اپنے دفاع میں ایک کثیر تعداد افوج بھیجی ملک نصیر اور غزنین خان میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ ملک نصیر خان نے توبا قاعدہ معافی مانگی، جس کے بدلے میں سلطان احمد گجراتی نے ملک نصیر کو 'خان' کا خطاب عطا کیا اس کے بعد وہ نصیر خان کہا جانے لگا۔ اس کے کچھ عرصہ کے بعد نصیر خان نے احمد شاہ بہمنی کے بیٹے علاء الدین سے اپنی بیٹی زینب کا نکاح کیا۔ سلطان احمد شاہ گجراتی کے مشورہ پر نصیر خان نے برار کو فتح کرنے کا ارادہ کیا، چونکہ برار پر بہمنیوں کا قبضہ تھا اور وہاں کے سپہ سالار سے رعایا خوش نہیں تھی اس لئے رعایا نے نصیر خان کا خیر مقدم کیا، اس کے نام کا خطبہ پڑھا مگر جب بہمنی حکمراں علاء الدین کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے ایک لشکر جرار بھیجا جس کا مقابلہ نصیر خان نہ کر سکا اور تلنگ کے طرف چلا گیا۔ اس کا بدلہ لینے کے لئے بہمنی فوج برہان پور نصیر خان کے دارالسلطنت پہنچی اور تمام بڑی عمارتوں کو جلا کر خاک کر دیا۔ بعد میں نصیر خان سے جنگ ہوئی نصیر خان کو اس جنگ میں زبردست شکست ہوئی اور اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد 1437ء اس کا انتقال ہوا۔ نصیر خان نے چالیس سال حکومت کی تھی۔

معلومات کی جانچ:

(1) خاندیش کی حکومت کو فاروقی حکومت کیوں کہا جاتا ہے؟

(2) ملک راجا فاروقی کو کس طرح عنان حکومت حاصل ہوئی؟

(3) نصیر خان فاروقی پر پانچ سطر لکھئے۔

12.5.3 میران عادل خان ثانی (1457-1501)

نصیر خان کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا عادل خان حکمراں بنا۔ اس نے بہمنیوں سے جنگ کر سلطان پور پر قبضہ کیا اور سلطنت کے نظم و نسق کو درست کیا، چار سال کے بعد اس کا انتقال ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا مبارک خان فاروقی حاکم ہوا۔ اس نے کامیابی سے سترہ سال

1441ء سے 1457ء تک حکومت کی اس کے بعد اس کا فرزند میران علینا عرف عادل خان ثانی تخت نشین ہوا۔

محمد قاسم فرشتہ اپنی کتاب ''تاریخ فرشتہ'' میں لکھتے ہیں کہ میران علینا عرف عادل خان ثانی نے جس استقلال اور شان وشوکت سے حکومت کی وہ استقلال وشان وشوکت اس کے اسلاف میں کسی کو نصیب نہیں ہوا۔اس نے اردگرد کے تمام راجاؤں سے خراج وصول کیا اور گونڈ وارا اور گدھ کے حاکموں کو اپنا اطاعت گزار بنایا۔اس نے قلعہ اسیر کے دروازے کے مقابل ایک دوسرا دروازہ مالی گڑھ میں بنوا کر قلعہ کو اور مضبوط کیا۔اس کے علاوہ برہان پور میں دریائے تاپتی کے کنارے ایک قلعہ اور عظیم الشان عمارتیں تعمیر کروائیں۔

اس نے محمود بیگرا گجراتی کے عہد میں اپنے اراکین کو پیش کش لانے کے لئے روانہ کیا۔محمود بیگرا کو اس کی یہ حرکت ناگوار گزری اور بہت بڑی فوج خاندیش بھیج کر قلعہ اسیر اور قلعہ تھالنیر کو لٹوا دیا اور عادل خان کو معافی مانگنے پر مجبور کیا اور چند سال کا خراج پیشگی وصول کیا۔

میران علینا کا انتقال 1501ء میں ہوا اس کا کوئی بیٹا نہ تھا اس لئے اس کی وفات کے بعد اس کا بھائی داؤد خان تخت نشین ہوا۔

12.5.4 خاندیش کا زوال

میراں علینا عادل خان کے بعد یکے بعد دیگرے کئی حکمران ہوئے مثلاً داؤد خاں، غزنی خان، عالم خان، عادل خان ثالث، میران محمد شاہ اول، میران مبارک شاہ، میران محمد شاہ ثانی، حسن خان، راجا علی خان اور بہادر شاہ۔ یہ سب نااہل و کمزور حکمران تھے ان کی کمزوری اور نظام حکومت سے عدم دلچسپی کا فائدہ اٹھا کر احمد نگر اور گجرات کے حکمرانوں نے مداخلت کرنا شروع کر دی تھی۔

خاندیش ریاست کا آخری حکمران بہادر شاہ تھا، اس کے عہد میں مغل بادشاہ اکبر اپنے لشکر کے ساتھ برہان پور آیا اور اپنے امیر کو قلعہ اسیر کا محاصرہ کرنے کا حکم دیا۔محاصرہ تقریباً دس ماہ رہا جس کے سبب قلعہ میں کھلی آب وہوا کی کمی سے بیماری پھیل گئی۔اسی درمیان قلعہ اسیر کے مقابل قلعہ مالیگر واقع تھا اکبر کی فوج نے اس پر قبضہ کرلیا۔اس صورت میں بہادر شاہ مجبور ہوا اور اکبر کی اطاعت قبول کی اور قلعہ اسیر اکبر کے حوالے کر دیا۔اس طرح حکومت خاندیش کا خاتمہ ہوگیا۔اکبر بہادر شاہ کو اپنے ساتھ لاہور لے گیا اور اسے اور اس کے بیٹوں کی تنخواہیں مقرر کر دیں بہادر خاں جہانگیر کے عہد حکومت تک زندہ رہا اور 1611ء میں اس کا انتقال ہوا۔

معلومات کی جانچ:

(1) میران عادل خان کے عہد پر نوٹ لکھئے۔

(2) فاروقی حکومت کے زوال پر نوٹ لکھئے۔

(3) خاندیش حکومت کا آخری حکمراں کون تھا؟

12.6 خلاصہ

1407ء سے سلاطین گجرات کا زمانہ شروع ہوتا ہے جو 1573ء تک رہا ہے گجرات کا پہلا سلطان مظفر شاہ تھا جو اگرچہ 1392ء سے

یہاں بطور صوبہ دار کام کر رہا تھا مگر اس نے اعلان آزادی 1407ء میں کیا اور اس طرح اس سنہری دور کا آغاز ہوا جو تاریخ گجرات میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ یہ سلاطین نسلاً گوجر تھے۔ مظفر شاہ کے والد نے محمد بن تغلق کے عہد میں اسلام قبول کیا تھا اور دہلی دربار میں وجیہ الملک کا خطاب پایا تھا اس لئے گجرات کے گوجران کی اپنی نسل کے لوگ تھے اور سلاطین اپنے آپ کو غیر ملکی تصور نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی عظمت کے ایسے نشانات باقی چھوڑے ہیں کہ پانچ صدیوں سے زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد بھی آج اہل علم انہیں خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے نئے شہر تعمیر کرائے، فصیلیں بنوائیں، مضافاتی آبادیوں کا سلسلہ قائم کیا۔ حوض، باولیاں اور جھیلیں بنیں، محل تعمیر ہوئے عالی شان مساجد بنوائی گئیں، مقبرے بنوائے گئے اور فن تعمیر اپنے کمال کو پہنچا۔ ان تمام جدید کارناموں کی وجہ سے ملک بھر کے نقشے میں بڑی خوش کوار تبدیلی رونما ہوئی۔ احمد شاہ اول کا عہد اس لحاظ سے بڑی شہرت رکھتا ہے۔ مگر محمود بیگرا کا عہد سنہری زمانہ کہلانے کا مستحق ہے۔ اس کے بعد ہر قسم کی روایات زوال پذیر ہوگئیں۔

1235ء میں اجین پر قبضہ کر سلطان التمش نے مالوہ کو دہلی سلطنت میں شامل کر لیا جو 1392ء تک دہلی حکومت کے ماتحت رہا، اس کے بعد تیموروں کے حملہ کے سبب دہلی سلطنت بکھر گئی تو افغان گورنر دلاور خان غوری نے اسے خود مختار حکومت میں تبدیل کر دیا۔ اس کے بعد ہوشنگ شاہ حاکم بنا اور اپنے نام کا ایک شہر ہوشنگ آباد قائم کیا اور اسے اپنا پایہ تخت بنایا۔ اس کے بعد محمد غزنی، محمود خلجی، غیاث الدین، ناصر الدین، محمود ثانی مالوہ کے حاکم ہوئے۔ محمود ثانی نے گجرات کے حاکم مصطفیٰ ثانی کی مدد سے اپنے زبردست اور سرکش راجپوت وزیر میدنی رائے کو شکست دی۔ چتوڑ کا راجا رانا سنگا نے چونکہ میدنی رائے کی مدد کی تھی اس لئے رانا سنگا اور محمود ثانی میں جنگ ہوئی اور محمود ثانی قید کر لیا گیا، لیکن بعد میں اسے رہا کر دیا۔ رانا سنگا کے انتقال کے بعد اس نے پھر چتوڑ پر حملہ بول دیا مگر اس دفع گجرات کے والی بہادر شاہ نے جو چتوڑ کا حلیف تھا اسے قید کر لیا، قید سے بھاگنے کی کوشش میں وہ قتل کر دیا گیا اس طرح مالوہ کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور یہ حکومت گجرات کی سلطنت میں شامل کر لی گئی۔

ملک راجا فاروقی نے 1382ء میں اپنی آزاد حکومت کی بنیاد رکھی۔ ملک راجا فاروقی اور اس کے جانشین تمام شاہی القاب سے قطع نظر کر کے صرف خان کہلانے پر اکتفا کرتے تھے۔ اس لئے اس سلطنت کا نام بھی خاندیش پڑ گیا چونکہ خاندیش طاقتور سلطنتوں سے گھرا ہوا تھا۔ اس لئے اس کے لئے کامل آزادی دشوار تھی۔ یہی وجہ ہے کہ خاندیش کے حکمراں پہلے مالوہ اور بعد میں گجرات کی حکومت کے طرف دار تھے۔ ان دونوں سلطنتوں کی باہمی چشمک سے خاندیش کی آزادی برقرار رہی۔ میران احمد اول جو خاندیش حکومت کا گیارہواں حکمراں تھا اور گجرات کے شاہی خاندان کا قریبی رشتہ دار تھا اسے 1537ء میں گجرات کا تخت و تاج پیش کیا گیا۔ وہ اس اعزاز کو قبول کرنے کے لئے روانہ ہوا لیکن راستہ میں ہی اس کا انتقال ہوگیا۔ میران احمد کی سرفرازی سے حوصلہ پا کر اس کے جانشینوں نے بھی شاہ کا لقب اختیار کر لیا۔ انتظامی اعتبار سے برہان پور خاندیش کا صدر مقام تھا لیکن جب خطرے کا زمانہ ہوتا تو خاندیش کے حکمرانوں کے لئے قلعہ اسیر ہی محفوظ پناہ گاہ کا کام دیتا تھا۔ اکبر نے 1601ء میں خاندیش حکومت کے سترہویں اور آخری فرمانروا بہادر شاہ سے قلعہ چھین لیا اور اس طرح اس حکومت کا خاتمہ ہوا۔

12.7 نمونے کے امتحانی سوالات۔

درج ذیل سوالات کے جواب تیس سطروں میں لکھئے:

(1) گجرات کی مظفری حکومت کا اجمالی جائزہ لیجئے۔

(2) مالوہ کے مسلم سلطنت کے کارناموں پر مختصر نوٹ لکھئے۔

(3) خاندیش حکومت پر نوٹ لکھئے۔

حسب ذیل سوالات کے جواب پندرہ سطروں میں لکھئے:

(1) محمود بیگڑا کے کارناموں پر نوٹ لکھئے۔

(2) احمد شاہ گجراتی کے اہم کارناموں پر روشنی ڈالئے۔

(3) ہوشنگ شاہ کون تھا مختصراً بیان کریں؟

12.8 مطالعہ کے لیے معاون کتابیں

(1) محمد قاسم فرشتہ: تاریخ فرشتہ (مترجم عبدالحی خواجہ) لاہور پاکستان

(2) دائرۃ المعارف: شعبہ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

(3) History of Islam Masudul Hasan

(4) سید ابوظفر ندوی تاریخ گجرات

(5) شاہ ابوتراب ولی تاریخ گجرات

اکائی۔13: بنگال اور کشمیر کی حکومتیں

اکائی کے اجزاء

13.1 مقصد

13.2 تمہید

13.3 بنگال کی حکومت

13.3.1 سلطنت الیاس شاہی

13.3.2 سکندر شاہ

13.3.3 غیاث الدین اعظم شاہ

13.3.4 ناصر الدین محمود شاہ و رکن الدین باربک شاہ

13.3.5 شمس الدین یوسف شاہ

13.3.6 جلال الدین فتح شاہ

13.3.7 حبشی سلطنت

13.3.8 حسین شاہی خاندان

13.3.9 نصرت شاہ و غیاث الدین محمود

13.3.10 بنگال کی تعمیرات

13.4 کشمیر کی حکومت: جغرافیہ و پس منظر

13.4.1 شاہ مرزا کی خود مختار حکومت و جمشید

13.4.2 سلطان علاؤ الدین و سلطان شہاب الدین

13.4.3 سلطان قطب الدین و سلطان سکندر بت شکن اور سلطان علی شاہ

13.4.4 سلطان زین العابدین

13.4.5 زین العابدین کے جانشین

13.5 خلاصہ

13.6 فرہنگ اصطلاحات

13.7 نمونے کے امتحانی سوالات

13.8 مطالعہ کے لئے معاون کتابیں

13.1 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلباء بنگال اور کشمیر کی مسلم ریاستی حکومتوں کے متعلق مثلاً ان کے قیام و زوال کے اسباب، مشہور سلاطین و ان کے کارنامے خاص کر نظام حکومت، علماء کی سرپرستی اور تعمیرات سے واقفیت حاصل کر سکیں گے۔

13.2 تمہید

اس اکائی میں دو ریاستی حکومتیں یعنی بنگال اور کشمیر کی مسلم حکومتوں کا اجمالی جائزہ لیا جائے گا۔ان دو ریاستی حکومتوں کے مشہور سلاطین اور ان کے احوال کا تذکرہ ہوگا اور ان کے نمایاں اوصاف بیان کئے جائیں گے۔نیز اس دور کی فتوحات، علمی سرپرستی اور تعمیرات پر مختصر روشنی ڈالی جائے گی۔

13.3 بنگال کی حکومت

بنگال مشرقی ہندوستان کا اہم شہر تھا۔عہد سلطنت میں شمالی ہندوستان میں سب سے زیادہ بغاوتیں بنگال ہی میں ہوئیں ہیں۔بنگال کے دارالسلطنت لکھنوتی کو بغاوتوں کا شہر کہا جاتا تھا۔بارہویں صدی کی آخری دہائی میں محمد بختیار خلجی نے بنگال کو دہلی سلطنت میں ملایا اسی لئے بنگال میں اسلامی ریاست کے قیام کا سہرا بختیار خلجی کو جاتا ہے،اسی نے مذہب اسلام کو اس خطے میں رواج دیا۔وہ شہاب الدین غوری کے زمانے میں ہندوستان آیا تھا اور کئی پرگنے اسکی جاگیر میں تھیں۔قطب الدین ایبک کے عہد میں بھی اس کی ہمت افزائی کی گئی اس نے بہار کو باغیوں اور سرکشوں سے پاک کیا اور وہاں قابض ہوا۔قطب الدین ایبک کے عہد میں اسے بہار اور لکھنوتی کی حکومت عطا کی گئی تھی۔

دہلی سے دور ہونے کے سبب بنگال پر اختیار رکھنا آسان نہ تھا۔اسی لئے یہاں کے حکمرانوں نے وقتاً فوقتاً دہلی کی سلطنت سے بغاوتیں کیں۔1279ء میں بلبن کے عہد میں طغرل خان نے بغاوت کی جسے شکست دے کر بلبن نے اپنے بیٹے بغراء خان کو وہاں کا حاکم منتخب کیا۔بلبن کے انتقال کے بعد بغراء خان نے اپنی آزادی کا اعلان کیا۔1324ء میں غیاث الدین تغلق نے بنگال پر حملہ کیا اور نصیر الدین کو حاکم منتخب کیا اسے سلطان کا لقب دیا اور اسے اپنے نام کا سکہ جاری کرنے کی بھی آزادی دی۔بغاوتوں کو روکنے کے لئے غیاث الدین تغلق نے بنگال کو تین حصوں میں منقسم کیا۔لکھنوتی (شمالی بنگال)،سونارگاؤں (مشرقی بنگال) اور ستگاؤں (جنوبی بنگال) ۔محمد تغلق کے عہد میں علی مبارک نے سلطان علاء الدین کے نام سے لکھنوتی میں آزاد حکومت قائم کی اور پانڈوا کو اپنی دارالسلطنت بنایا۔اسی درمیان میں لکھنوتی کے نواح کے ایک

امیر حاجی ملک الیاس نے تجربہ کار سپاہیوں کا ایک لشکر جمع کر کے لکھنوتی پر حملہ کر دیا اور سلطان علاء الدین کو قتل کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا اور سلطان شمس الدین کے نام سے حکومت کرنے لگا، یعنی محمد بن تغلق کے ہی عہد میں بنگال میں دہلی سے الگ ایک آزاد حکومت قائم ہوئی۔ یہ دہلی سلطنت سے الگ ہونے والے صوبوں میں پہلا صوبہ تھا۔ فیروز شاہ تغلق نے بنگال پر قبضہ کرنے کے لئے دو مرتبہ حملہ کیا لیکن اسے خاطر خواہ کامیابی نہیں ملی۔

13.3.1 سلطنت الیاس شاہی

حاجی ملک الیاس محمد بن تغلق کے عہد میں علی مبارک (سلطان علاء الدین) کو قتل کر بنگال پر قابض ہوا اور سلطان شمس الدین کا لقب اختیار کر بنگال میں الیاس شاہی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اپنی طاقت کو مضبوط کرنے کے بعد گرد و نواح کے علاقوں پر قبضہ کیا۔ اس نے ساکھی سنگھاور کامیشور کو جو ترہٹ کے حکمران تھے شکست دیکر ترہٹ کو اپنے علاقے میں ملا لیا، 1346ء میں جے راج دیو کو ہرا کر نیپال پر قبضہ کیا۔ اس کے عہد میں دہلی کے تغلق سلطان فیروز شاہ تغلق نے بنگال پر قبضہ کرنے کے لئے 1353ء میں حملہ کیا لیکن اسے کامیابی نہیں ملی اور برسات کے موسم کے سبب فیروز شاہ دہلی لوٹ آیا۔ 1354ء میں سلطان شمس الدین نے اپنے شیریں زبان قاصدوں کے ساتھ سلطان فیروز شاہ کی خدمت میں پیش کش روانہ کی۔ سلطان فیروز شاہ ان سے اچھی طرح پیش آیا۔ 1357ء میں سلطان شمس الدین دوبارہ قیمتی تحائف کے ساتھ اپنے قاصدوں کو دہلی روانہ کیا تا کہ سلطان فیروز شاہ سے اچھے تعلقات برقرار رہ سکیں۔ لیکن اسی سال سلطان شمس الدین کا انتقال ہوا۔

معلومات کی جانچ

(1) کس شہر کو بغاوتوں کا شہر کہا گیا ہے؟

(2) دہلی سلاطین کو بنگال پر اختیار رکھنا کیوں آسان نہیں تھا؟

(3) غیاث الدین تغلق نے کس کو بنگال کا سلطان منتخب کیا؟

(4) الیاس شاہی سلطنت کا بانی کون تھا؟

13.3.2 سکندر شاہ (1359-1389)

سلطان شمس الدین کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا سکندر شاہ تخت نشین ہوا۔ وہ بھی سلطان فیروز شاہ کی دل جوئی کرتا رہا مگر 1359ء میں فیروز شاہ نے بنگال کی تسخیر کا ارادہ کیا اور ایک عظیم لشکر لے کر لکھنوتی کی طرف روانہ ہوا۔ سلطان سکندر شاہ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ سامنا کرتا اس لئے اس نے سالانہ پیش کش ادا کرتے رہنے کا وعدہ کیا اور ہاتھی کے علاوہ بہت سے قیمتی تحائف اس کی خدمت میں بھیجا اور معذرت کا اظہار کیا۔ سلطان فیروز شاہ واپس دہلی لوٹ آیا۔ سکندر شاہ نے پانڈوہ میں عدینہ مسجد تعمیر کرائی اور اپنے نام کا سکہ بھی جاری کیا۔ 1389ء میں سکندر شاہ کا انتقال ہوا۔

13.3.3 غیاث الدین اعظم شاہ (1389-1411)

سکندر شاہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا غیاث الدین تخت نشین ہوا۔ یہ فرمان روا بہت ہی نیک طبیعت، بہادر اور رعایا پرور تھا۔ امرا و وزراء اس کی معاملہ فہمی اور دور اندیشی کی وجہ سے ہر وقت محتاط رہتے تھے۔ فرشتہ نے لکھا ہے کہ اس نے زندگی بھر ایسا کام نہیں کیا جو اخلاقی نقطہ نظر سے قابل اعتراض ہو۔ آس پاس کے تمام راجا اس کے اطاعت گزار تھے اور وقت مقرر پر مالگزاری کی رقم ادا کرتے تھے۔

غیاث الدین کا تعلق ایران کے مشہور شاعر حافظ سے تھا، ان سے خط و کتابت بھی کرتا تھا۔ اس کے عہد میں تجارت کو خوب ترقی ہوئی۔ مشرقی بنگال میں چٹگاؤں بندرگاہ کو ترقی دی، چین سے تجارتی رشتہ قائم کیا۔ 1406ء میں ایک چینی سفیر اس کے دربار میں آیا اور بدھ مذہب کے ماننے والوں کو چین بھیجنے کی گزارش کی۔ 1409ء میں غیاث الدین نے دھرم راج نام کے ایک بودھ کو اپنا سفیر بنا کر قیمتی تحائف کے ساتھ چین بھیجا تھا۔

غیاث الدین اعظم شاہ کے انتقال کے بعد یکے بعد دیگرے تین حکمران تخت نشین ہوئے: ان کے نام صیف الدین حمزہ (1411-13) شہاب الدین بایزید (1413-1414) اور علاء الدین فیروز (1414) ہے۔ یہ تینوں ناتجربہ کار اور حکومت کے کاموں کو انجام دینے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے ایک ہندو امیر گڑلیس نے (فرشتہ نے کانس لکھا ہے) بہت زیادہ اختیار حاصل کر لیا اور ملک کے تمام انتظام اس نے اپنے ہاتھوں میں لے لئے، اور علاء الدین فیروز کے انتقال کے بعد بنگال اور لکھنوتی کا فرمانروا بن بیٹھا۔ امیر گڑلیس کے خلاف ایک چشتی صوفی نے جو غیاث الدین اعظم شاہ کے بہت قریب تھے۔ جون پور کے سلطان ابراہیم شاہ شرقی سے فوجی امداد طلب کر جنگ کا اعلان کیا اور گڑلیس کو شکست دیکر معاہدہ کرنے پر مجبور کیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا چن مل 1418ء میں مشرف بہ اسلام ہوا اور سلطان جلال الدین احمد شاہ کے نام سے تخت نشین ہوا۔ وہ نہایت عادل اور منصف مزاج تھا اور 1433ء تک بہت کامیابی سے حکومت کرتا رہا۔ اس کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے سلطان احمد شاہ نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی، اس نے بھی اپنے والد کی طرح رعایا کی خبر گیری اور نگہداشت کو اپنا مقصد حیات بنایا اور بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ 1435ء تک حکومت کی۔ اس نے چین اور ہرات کے حکمرانوں سے اچھے تعلقات قائم کئے۔ آخر میں نصیر خان (یا ناصر الدین) نام کے غلام نے اسے قتل کر دیا اور حکومت پر قابض ہوا۔ وہ بہت ظالم تھا اور ملک کو تباہ و برباد کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس صورت حال میں سلطنت الیاس شاہی کے امیروں نے اسے گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ اور ناصر شاہ جو سلطان شمس الدین کے خاندان سے تھا تخت پر بیٹھا۔

معلومات کی جانچ

(1) غیاث الدین اعظم شاہ کے کردار کو اجاگر کیجئے۔

(2) سلطان سکندر نے کب سے کب تک حکومت کی؟

13.3.4 ناصرالدین محمود شاہ(1435-1459)

غلام ناصرالدین کے قتل کے بعد ناصر شاہ ابومظفر محمود شاہ کا خطاب اختیار کر تخت نشین ہوا۔وہ اپنی عادات واطوار کے لحاظ سے نہایت عالی مرتبہ انسان تھا۔اس نے الیاس شاہی خاندان کی حکومت کو دوبارہ بحال کیا۔

رکن الدین باربک شاہ(1459-1474): ناصرالدین محمود شاہ کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا باربک شاہ تخت نشین ہوا۔اس کے عہد حکومت میں رعیت اور لشکری آسودہ حال رہے۔اس نے افریقہ کے حبشیوں پر مشتمل ایک فوج قائم کی اور شاہی محل کی حفاظت پر مقرر کیا۔اس کے دربار میں آٹھ ہزار حبشی تھے جنہیں حکومت کے اعلیٰ عہدے عطا کئے گئے تھے۔فرشتہ کے مطابق باربک شاہ ایسا پہلا حکمران ہے جس نے چشتی صوفیوں پر نگاہ التفات ڈالی اور انہیں اعلیٰ مراتب تک پہونچایا۔اس کے عہد میں چاروں سمت علاقوں پر قبضہ کیا گیا۔

باربک شاہ کو بنگالی ادب سے کافی دلچسپی تھی۔اس نے بنگالی ادیبوں کو اپنے دربار میں اہم مقام عطا کیا۔مالدھر واسونام کا ایک مشہور بنگالی ادیب کوگڑراج خان کے لقب سے نوازا اور اس کے بیٹے کوستیہ راج خان کا لقب دیا۔اس کے عہد میں کریتی واس نے رامائن کا بنگالی زبان میں ترجمہ کیا تھا جسے بنگال کی بائیبل اور پنچ دیو کہا جاتا ہے۔اسے تعمیرات سے بھی دل چسپی تھی،ایک خوبصورت شاہی محل بنوایا جس میں پانی کا انتظام زمین دوز نہر کے ذریعہ تھا۔اس کے عہد کی عمارتوں میں داخل دروازہ بہت مشہور رہے۔

13.3.5 شمس الدین یوسف شاہ(1474-1481)

باربک شاہ کی وفات کے بعد اس کا فرزند یوسف شاہ تخت نشین ہوا۔اس نے بھی عدل وانصاف کو اپنا شعار بنایا۔علم وفضل اور انتظام سلطنت میں اپنی مثال آپ تھا۔اس کے عہد حکومت میں مذہبی احکام سختی سے نافذ تھے،شراب نوشی پر سختی سے پابندی تھی،کوئی بھی شخص بادشاہ کے کسی بھی حکم کی تعمیل میں تاخیر نہیں کر سکتا تھا۔فرشتہ کی روایت کے مطابق اس نے ایک روز علماء وامراء کو اپنے دربار میں طلب کیا اور کہا ''مقدمات کا فیصلہ کرنے میں تم کبھی کسی کی رعایت نہ کرنا ورنہ مجھ میں اور تم میں بن نہ سکے گی''۔ مذہبی علم میں بھی وہ یگانہ روزگار تھا اور ایسے مسائل جو قاضیوں سے حل نہ ہوتے تھے انہیں خود حل کرتا تھا۔اس نے کئی مساجد ومدارس کی تعمیر کرائی جس میں بائیس دروازہ مشہور مسجد ہے۔اس نے سات برس تک حکومت کی اور اس کا 1481ء میں انتقال ہوا۔

13.3.6 جلال الدین فتح شاہ(1481-1486)

یوسف شاہ کے انتقال کے بعد سکندر شاہ تخت نشین ہوا لیکن اس میں نظام حکومت کی قطعاً اہلیت نہ تھی اس لئے ارکین سلطنت نے اسے معزول کر کے فتح شاہ کو تخت پر بٹھایا۔فتح شاہ بہت ہی پڑھا لکھا فرمانروا تھا۔اس نے علماء،امراء اور ارکین سلطنت کو ان کی حیثیت کے مطابق نوازا۔وہ حبشی غلام جنہوں نے باربک شاہ اور یوسف شاہ کے عہد میں بہت اقتدار حاصل کرلیا تھا وہ اب اپنی حیثیت سے بڑھ کر بے اعتدالیاں کرنے لگے تھے،جس طرح عباسیوں کے زمانے میں ترکوں کی سرپرستی ہوئی تھی اور وہ حکومت کو نقصان پہونچا رہے تھے۔فتح شاہ نے بڑی خوش اسلوبی سے اس کا سدباب کرنا چاہا مگر اسے پوری کامیابی نہیں ملی اور ایک خواجہ سرا سلطان شہزادہ نے افریقی غلاموں سے مل کر جلال الدین فتح شاہ کو قتل کر دیا۔اس طرح بنگال میں الیاس شاہی سلطنت کا خاتمہ ہوا۔اس خاندان کے عہد میں بنگال کو معاشرتی اور معاشی ترقی نصیب

ہوئی اور اس کے سلاطین بنگالی نہ ہونے کے باوجود ہر دل عزیز رہے۔

معلومات کی جانچ:

(1) کس سلطان نے الیاس شاہی سلطنت کو دوبارہ بحال کیا؟

(2) رکن الدین باربک شاہ کی ادبی دلچسپی پر نوٹ لکھیے۔

(3) شمس الدین یوسف شاہ نے احکامات کی پابندی میں کیا رویہ اختیار کیا؟

(4) الیاس شاہی سلطنت میں حبشی غلاموں کا کیا رول تھا؟

13.3.7 حبشی سلطنت

جلال الدین فتح شاہ کے قتل کے بعد خواجہ سرا سلطان شہزادہ 1486ء میں باربک شاہ لقب اختیار کر تخت پر بیٹھا۔لیکن چند ماہ بعد سلطان جلال الدین فتح شاہ کے ایک خیر خواہ حبشی سردار ملک عندیل کے ہاتھوں مارا گیا۔ملک عندیل فتح شاہ کی بیوی کے رضامندی سے تخت پر بیٹھا اور سیف الدین کا لقب اختیار کیا، وہ لائق حکمران تھا۔لیکن تین سال کے بعد وہ بھی مارا گیا۔اب فتح شاہ کے بالغ لڑکے ناصر الدین محمود کو تخت پر بٹھایا گیا لیکن 1490ء میں وہ بھی موت کے گھاٹ اتارا گیا۔اس کے قتل میں ایک حبشی امیر سیدی بدر کا ہاتھ تھا۔یہ سیدی بدر شمس الدین مظفر کے لقب سے تخت نشین ہوا۔وہ بھی ظالم حکمران تھا،اس نے ہندو مسلمان سبھی پر سخت اقدامات کئے،فوج کی تنخواہ کم کردی جس کی وجہ سے بلوا ہوگیا۔ایک عرب سید حسین اس کا وزیر تھا اس نے محل کا محاصرہ کرلیا،شمس الدین مظفر شاہ مارا گیا اور حبشی حکومت کا خاتمہ ہوا۔یہ بنگال کی تاریخ کا تاریک دور ہے،جس میں فوجی طاقت کمزور اور ملک کی معاشی اور تہذیبی حالت ابتر ہوئی۔

معلومات کی جانچ:

(1) باربک شاہ کس کا لقب تھا؟

(2) کس کی سلطنت میں بنگال کی سیاسی اور معاشی حالت ابتر تھی؟

13.3.8 حسین شاہی خاندان (1493-1537)

شمس الدین مظفر شاہ کے قتل کے بعد سید حسین نے علاء الدین حسین شاہ کا لقب اختیار کر کے تخت سنبھالا اور حسینی حکومت کی بنیاد رکھی، وہ بنگال کا ہر دل عزیز حکمران تھا۔اس نے 1493ء سے 1519ء تک بہت خوش اسلوبی سے حکومت کی۔1495ء میں اس نے خلیفۃ اللہ ہونے کا اعلان کیا۔اس کا عہد پُرامن رہا کوئی بغاوت نہیں ہوئی۔اس نے حبشی امیروں کے بدلے پرانے مسلم اور ہندو امیروں کو بحال کیا اور دارالحکومت گوڑ سے ایکڈالا لے گیا۔اس نے اپنی خارجہ پالیسی بنائی۔وہ خود عرب تھا لیکن اس نے بنگالیوں کی زبان اور تہذیب کی سرپرستی کی۔ اس کے عہد میں فتوحات اور تعمیرات کے دور کا آغاز ہوا۔ہندو اور مسلمان دونوں خوش تھے۔ہندوؤں نے اسے کرشن کا اوتار،ستی تلک اور جگت

پھوشٹر وغیرہ کے لقب سے نوازا تھا۔ ویشنومت کا مشہور سنت چیتنیہ اس کا ہم عصر تھا جس نے بہار اور بنگال میں ویشنومت کی تبلیغ کی تھی۔ اسی کے عہد میں مالدھر باسو نے بھگوت پران کا شری کرشن ویجئے کے نام سے سنسکرت زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ علاءالدین حسین نے ہندوؤں کو اونچے اونچے عہدوں پر مقرر کیا تھا مثلاً گوپی ناتھ باسواس کا وزیر تھا، مکندداس طبیب، کیشو محافظ خاص، انوپ نگراں ٹکسال اور گوڑ ملک سپہ سالار تھا۔ متعدد بنگالی مصنفین مثلاً مالدھر باسو، ویپرداس، وجے گپت، جمراج خان اس کے دربار سے منسلک تھے۔ اس نے مالدہ میں مدرسے قائم کئے تھے۔ اسی کے عہد میں چھوٹا سونا مسجد کی تعمیر بھی کی گئی تھی۔ 1519ء میں اس نے وفات پائی۔

13.3.9 نصرت شاہ (1519-1532)

حسین شاہ کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا ناصرالدین ابوالمظفر نصرت شاہ کے نام سے تخت نشین ہوا۔ نصرت شاہ نے بہار میں ترہٹ پر حملہ کر وہاں کے حکمران راجہ کنس کو شکست دی اور قابض ہوا۔ نصرت شاہ کو شیر شاہ سوری اور مغلوں دونوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مغلوں سے لڑائی گھاگھرا اور گنگا کے سنگم پر ہوئی بالآخر بابر فتحیاب ہوا اور نصرت شاہ کو اطاعت اور سالانہ خراج ادا کرنے کا اقرار کرنا پڑا۔ اس کے عہد میں رامائن اور مہابھارت کا بنگلہ میں ترجمہ ہوا اور بڑا سونا مسجد اور قدم رسول کی عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ نصرت شاہ نے ''شرف نامہ'' نام کی ایک پانڈو رسم الخط تیار کروائی تھی۔ 1532ء میں نصرت شاہ کو اس کے ایک غلام نے قتل کر دیا۔

غیاث الدین محمود (1532-1538)

نصرت شاہ کے قتل کے بعد اس کا بیٹا علاءالدین فیروز شاہ تخت پر بیٹھا لیکن چند ہی روز بعد نصرت شاہ کے چھوٹے بھائی غیاث الدین محمود نے اسے قتل کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ یہ حسین شاہ خاندان کا آخری حکمران تھا۔ اس کے عہد میں شیر شاہ سوری نے بنگال پر حملہ کر پورے بنگال پر قبضہ کر لیا۔ 1538ء میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کے مرنے کے ساتھ ہی بنگال کی مسلمان خودمختار حکومت کا خاتمہ ہوا۔

معلومات کی جانچ

(1) حسین شاہی خاندان کا بانی کون تھا؟

(2) نصرت شاہ نے کن کن حکمرانوں کا سامنا کیا تھا؟

13.3.10 بنگال کی تعمیرات

بنگال کی تعمیرات میں پتھر کے بجائے اینٹوں کا استعمال کیا گیا ہے۔ عمارتوں میں چھوٹے چھوٹے ستونوں پر نکیلی محرابیں اور کمل کی سجاوٹ اس کی اہم خصوصیت ہے۔ بنگال تعمیرات کی سب سے پہلی مثال ظفر خان کا مقبرہ اور مسجد ہے۔ پانڈو میں جلال الدین محمد شاہ کا مقبرہ ایک لاکھی مقبرہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی اہم خصوصیت محرابوں کا جوڑ ہے جو ہندو اور مسلم تعمیر فن کی نشاندہی کرتا ہے۔ بنگال کی اہم تعمیرات میں داخل دروازہ، درسواری مسجد، لوٹن مسجد، چھوٹا سونا مسجد، بڑا سونا مسجد، قدم رسول مسجد، گوڑ کی مسجد اہم ہیں۔

معلومات کی جانچ:

(1) بنگال کی اہم عمارتوں کے نام لکھیے ۔

(2) تعمیرات بنگال کی خصوصیات لکھیے ۔

13.4 کشمیر کی حکومت: جغرافیہ وپس منظر

کشمیر کا شمار دنیا کے مشہور ترین صوبوں میں ہوتا ہے ۔یہ پنجاب کے جنوب ومشرق میں واقع ہے ۔کشمیر دو پہاڑوں کے درمیان گھرا ہوا ہے ۔اس وادی کی لمبائی شمال مغرب سے جنوب مشرق کی جانب تقریباً 84 میل ہے اور چوڑائی شمال مشرق سے جنوب مغرب کی سمت 20 سے 25 میل تک ہے ۔رقبہ کم وبیش 8439 مربع میل ہے ۔اسے جموں، راجوری اور پونچ کی بیرونی پہاڑیوں سے پیر پنچال کا بلند سلسلہ کوہ جدا کرتا ہے ۔ان سے پرے ایک وسیع پہاڑی علاقہ ہے جسے چند دشوار گزار درے اس وادی کو لداخ، بالائی وادی سندھ اور وسطی ایشیاء سے ملاتے ہیں ۔وادی کشمیر کی سطح کم وبیش ہموار ہے اور زمین بہت زرخیز ہے ۔یہ وادی اپنی دور افتادگی اور دشوار گزار راستوں کے باعث شمالی ہند پر ہونے والے متعدد حملوں سے محفوظ رہی ۔

کشمیری حسن وجمال اور عقل وذہانت میں مشہور ہیں ۔تعلیم یافتہ کشمیری اپنی ذکاوت، تہذیب وشائستگی اور دیگر صفات کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں ۔ان کی دستکاری جو شال اور اخروٹ کی لکڑی پر ہوتی ہے اپنی خوبصورتی، نزاکت اور پائداری کے لحاظ سے دنیا بھر میں مشہور ہے ۔کشمیر پر سفید ھنوں (Epthalites)، ہندو راجاؤں، مسلمان سلاطین، مغل شہنشاہوں، دُرانی افغانوں اور سکھوں کے ادوار کے علاوہ برطانوی عہد میں جموں کے ہندو ڈوگرا حکمرانوں کا دور اقتدار رہا ہے ۔

کشمیر میں حملوں کا آغاز 1320ء میں منگولوں کے حملوں کے ساتھ ہوتا ہے ۔اس سے قبل محمود غزنوی نے دو بار 1015ء اور 1021ء میں حملہ کیا تھا لیکن اسے خاطر خواہ کامیابی نہیں ملی ۔1286ء میں سنگھ دیو نے کشمیر میں ایک ہندو ریاست کی بنیاد رکھی اور بڑی خوش اسلوبی سے 1301ء تک حکومت کی ۔اس کے بعد اس کا بھائی سہ دیو تخت نشین ہوا ۔اسی کے عہد میں منگولوں نے حملہ کیا اور کشمیری عوام کے ساتھ بہت ہی ظلم وستم کیا ۔سہ دیو بنا جنگ کے ہی کشمیر سے بھاگ گیا ۔

راجا سہ دیو کے عہد حکومت میں ایک شخص شاہ مرزا فقیروں کے لباس میں کشمیر آیا اور اس کے ملازموں میں داخل ہوگیا ۔شاہ مرزا نے ایک عرصہ تک اس کی ملازمت کی ۔راجا سہ دیو کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا ارجن تخت نشین ہوا ۔اس نے شاہ مرزا کو اپنا وزیر بنایا اور اسے تمام امور سلطنت سونپ دئے ۔راجا ارجن نے اسلام مذہب قبول کیا اور صوفی بلبل شاہ کا مرید ہوا اور بلبل شاہ نے اس کا نام صدرالدین رکھا ۔جس کے سبب راجا ارجن (صدرالدین) کے چچا ادین دیو (تاریخ فرشتہ میں اودن لکھا ہے) نے بغاوت کی اور ارجن کو شکست دے کر کشمیر پر قبضہ کر لیا ۔اس نے ارجن کی بیوی سے شادی بھی کر لی ۔

ادین نے بھی تخت پر بیٹھنے کے بعد شاہ مرزا کو اپنا وزیر بنایا اور اس کے دو بیٹوں کو حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا ۔دھیرے دھیرے

شاہ مرزا اور اس کے بیٹوں نے بہت قوت حاصل کر لی جس سے ادین دیو اور شاہ مرزا کے بیچ کشیدگی ہوئی۔ اسی درمیان منگولوں نے کشمیر پر حملہ کر دیا۔ ادین دیو چونکہ نا اہل تھا اس لئے بنا جنگ کے لداخ کی طرف بھاگ گیا۔ اس صورت حال میں اسکی بیوی کولا رانی نے جو بہت بہادر تھی حکومت کی باگ ڈور سنبھال کر منگولوں کو مار بھگایا۔ کولا رانی شاہ مرزا کے اثر و رسوخ کو ختم کر امن و اطمینان سے حکومت کرنا چاہتی تھی۔ شاہ مرزا نے اس کی مخالفت کی اور لشکر کشی کر دی۔ دونوں فریقین میں جنگ ہوئی جس میں کولا رانی کو شکست ہوئی اور وہ گرفتار کر لی گئی۔ شاہ مرزا نے اسے مسلمان کر کے اپنی بیوی بنا لیا لیکن کولا رانی نے اپنے آپ کو قتل کر کے خودکشی کی۔

معلومات کی جانچ

(1) کشمیر پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہونے سے قبل کے صورت حال لکھیے۔

(2) کشمیر ہندوستان پر ہونے والے حملوں سے کیونکر محفوظ رہا؟

(3) سہ دیو کون تھا؟

13.4.1 شاہ مرزا کی خودمختار حکومت

کولا رانی کے شکست اور خودکشی کے بعد 1339ء میں شاہ میرزا نے سلطان شمس الدین کا لقب اختیار کر کے کشمیر میں اپنی آزاد حکومت قائم کی۔ یہ کشمیر کا پہلا مسلم حکمران تھا، اس نے اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا۔ شاہ میرزا نے اپنی حکومت عدل و انصاف اور مساوات پر قائم کی اور فصل کا چھٹا حصہ ٹیکس کے طور پر وصول کیا۔ شاہ میرزا نے بڑی مقبولیت اور ہر دلعزیزی حاصل کی۔ عمر زیادہ ہونے کے سبب شاہ مرزا نے اپنے دو بیٹوں جمشید اور علی شیر کو اپنا جانشین بنا کر حکومت سے دستبردار ہو گیا۔ 1342ء میں اسکا انتقال ہو گیا۔

جمشید (1342-44)

شاہ میرزا سلطان شمس الدین کے انتقال کے بعد اسکا بڑا بیٹا جمشید تخت نشین ہوا مگر اس کے چھوٹے بھائی علی شیر نے علم بغاوت بلند کیا۔ دونوں بھائیوں میں جنگ ہوئی۔ جمشید میں مقابلہ کی ہمت نہ تھی اور اس نے سلطنت سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور کچھ عرصہ بعد وفات پا گیا اس کی مدت حکومت ایک سال دو مہینہ ہے۔

13.4.2 سلطان علاء الدین (1344-1356)

بڑے بھائی جمشید کے انتقال کے بعد علی شیر نے سلطان علاء الدین کا لقب اختیار کر کشمیر کا فرمانروا ہوا۔ علاء الدین نے بخش پور کے قریب اپنے نام کی مناسبت سے ایک شہر ''علاء پور'' آباد کیا اور اپنا دارالسلطنت بنایا۔ اس نے ایک نیا قانون جاری کیا کہ کوئی بیوہ یا زانی عورت اپنے شوہر کی وارث نہیں ہو سکتی۔ علاء الدین کے عہد میں حکومت میں ابتداً تو بڑی خوشحالی رہی لیکن بعد میں قحط پڑنے کی وجہ سے بے شمار جانیں چلی گئیں جس سے کچھ لوگ مخالف ہو گئے۔ 1356ء میں بارہ سال حکومت کرنے کے بعد اسکا انتقال ہو گیا۔

سلطان شہاب الدین (1356-1374)

سلطان علاءالدین کی وفات کے بعد اس کے چھوٹے بھائی نے سلطان شہاب الدین کا لقب اختیار کر کے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ یہ بہت ہی بہادر اور جرات مند تھا نیز بلند اخلاق کا مالک تھا۔ اس نے چاروں سمت قبضہ کر اپنے علاقے میں اضافہ کیا۔ شہاب الدین نے پنجاب پر حملہ کر وہاں کے حکمران کو شکست دی۔ فرشتہ نے لکھا ہے کہ اس کے رعب و دبدبے کا یہ عالم تھا کہ قندھار اور غزنی کے باشندے بھی اس کے نام سے کانپتے تھے۔ اس نے لداخ کے کاشغری منگولوں کو بھی شکست دی۔ اس کے بعد شہاب الدین نے پشاور پر لشکر کشی کی اور کامیاب ہوتا ہوا ہندوکش پہونچا اور دریائے ستلج کے کنارے قیام کیا، وہاں راجا نگرکوٹ نے اس کی اطاعت قبول کی۔ تبت کوچک کا حاکم بھی اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور فرمانروائی قبول کی۔ شہاب الدین نے شریک پورہ اور شہاب الدین پور نام کے دو نئے شہر آباد کئے۔

معلومات کی جانچ:

(1) شاہ مرزا کون تھا؟ اس کے نظام حکومت کو بیان کریں۔

(2) شہر علاءپور کس نے آباد کیا؟

13.4.3 سلطان قطب الدین (1374-89)

شہاب الدین کے انتقال کے بعد اسکے بھائی ہندال نے عنان سلطنت سنبھالی اور سلطان قطب الدین کا لقب اختیار کیا۔ یہ بلند کردار واخلاق کا مالک تھا اور اپنے احکام کے نفاذ اور تعمیل میں نہایت اہتمام رکھتا تھا۔ 1389ء میں اس نے وفات پائی۔

سلطان سکندر بت شکن (1389-1413)

سلطان قطب الدین کی وفات کے بعد اس کا کم سن بیٹا سکندر تخت نشین ہوا۔ سلطان سکندر کی ماں حکومت کے کام انجام دیتی تھی لیکن پانچ سال کے بعد سلطان سکندر نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ اس نے اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا اور سکہ جاری کیا۔ اسی زمانے میں تیمور نے ہندوستان پر حملہ کیا، سلطان سکندر نے اپنی دور بینی اور سیاسی چالوں کے تحت کشمیر کی حفاظت کی اور ہزاروں ایرانی اور وسط ایشیا کے مسلمانوں کو سرینگر میں پناہ دی۔ سلطان سکندر نہایت سخی تھا چنانچہ اس کی سخاوت کا شہرہ سن کر دانشمند عراق، خراسان اور ماوراءالنہر سے اسکی ملازمت کے واسطے آئے اور علم و فضل اور مذہب اسلام نے مملکت کشمیر میں رواج پایا۔ آنے والے دانشمندوں میں ایران کے مشہور صوفی سید محمد ہمدانی تھے۔ سلطان سکندران کی بہت تعظیم کرتا تھا اور آداب دین سیکھتا تھا۔ اس نے ایک خانقاہ بھی بنوائی۔ سید محمد ہمدانی سے متاثر ہو کر ایک برہمن سیہ بت نے اسلام قبول کیا۔ سلطان سکندر نے اسے وزیر الوزراء کے عہدے پر فائز کیا اور اپنا معتمد بنایا۔ سیہ بت ہندو مذہب کا سخت مخالف ہوا اور انکی ایذا رسانی میں بہت کوشش کرتا تھا یہاں تک کہ سلطان سکندر نے اس کے کہنے سے حکم دیا کہ ہندوؤں کے تمام دانشمند مسلمان ہو جائیں اور جو شخص مسلمان نہ ہوگا کشمیر سے نکل جائے اور قشقہ یعنی ٹیکہ پیشانی پر نہ لگائے۔ اس نے بڑی سختی سے عورت ستی پر پابندی لگائی۔ علاوہ بریں سونے و چاندی کے بتوں کو پگھلا کر سکہ ڈھلوائے اور تمام بتوں اور بت خانوں کو توڑا اور مسمار کیا۔ اس لئے وہ سلطان سکندر بت شکن کہا گیا۔

سلطان علی شاہ(1413-20)

سلطان سکندر کے بعد اسکا بیٹا میر خان تخت نشین ہوا اس نے سلطان علی شاہ کا لقب اختیار کیا۔ آغاز سلطنت میں اس کا مشیر سلطان سکندر کا وزیرالوزراء سیہ بت تھا۔ اس نے سلطان علی شاہ کے عہد میں بھی برہموں اور ہندوؤں پر بہت ظلم کیا اور تہ تیغ کیا۔ 1417ء میں سیہ بت کا انتقال ہوا اس کے بعد سلطان علی شاہ نے اپنے چھوٹے بھائی شاہی خان کو اپنا وزیر منتخب کیا جو اپنی شجاعت میں بے نظیر تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد علی شاہ کو جہاں کی سیر کا شوق ہوا اور کشمیر سے سفر کرنے کا ارادہ کیا اور شاہی خان کو اپنا جانشین مقرر کیا اور جموں کی طرف روانہ ہوا۔ راجا جموں جو علی شاہ کا خسر تھا، راجا راجوری کی مدد سے شاہی خان کی ولیعہدی کو مسترد کرنے کا مشورہ دیا۔ اسکے سبب دونوں بھائیوں میں جنگ ہوئی جس میں علی شاہ کو شکست ہوئی اور کچھ عرصہ کے بعد وہ مارا گیا اور شاہی خان سلطنت پر قابض ہوا اور زین العابدین کا لقب اختیار کیا۔

معلومات کی جانچ

(1) سلطان سکندر کو بت شکن کیوں کہا جاتا ہے؟

(2) سلطان علی شاہ پر نوٹ لکھیے۔

13.4.4 سلطان زین العابدین (1420-70)

سلطان زین العابدین کشمیر کا ایک بہت اہم سلطان ہے۔ اسکی سخاوت، طرز عمل اور مصلحت اندیشی کے سبب اسے کشمیر کا اکبر اور اسکی لگان اور سامان و قیمت پر نظم و ضبط کے سبب سے کشمیر کا علاؤالدین کہا جاتا ہے۔ عنان حکومت سنبھالتے ہی اس نے اپنے خلاف ساری بغاوتوں کا سدباب کیا۔ سلطان زین العابدین اپنے والد سلطان سکندر کے بالکل برعکس تھا۔ اس نے ہندو مندروں کی دوبارہ تعمیر کروائی، برہمن جو کشمیر سے ہجرت کر گئے تھے دوبارہ انہیں کشمیر بلا کر صرف بسایا ہی نہیں بلکہ اونچے عہدوں پر فائز بھی کیا۔ جو ہندو جبراً مسلمان بنائے گئے تھے انہیں دوبارہ ہندو مذہب اختیار کرنے کی آزادی دی، گائے کے ذبیحہ پر پابندی لگائی اور ہندوؤں سے جو زبردستی محاصل وصول کئے گئے تھے انہیں لوٹا دیا گیا۔ اس کے عہد میں عورت ستی کا رواج دوبارہ شروع ہوا۔ اس نے ہندو افسروں مثلاً تلک چاریہ اور شری بھٹ کو ہندوؤں کو دوبارہ کشمیر میں بسانے کا ذمہ دار بنایا تھا۔ جونا راج شاہی طبیب تھا، شری پورنا ریخ نگار تھا، سنگھ بھٹ اور روپ بھٹ شاہی نجومی تھے، بیدو بھٹ فارسی کا مشہور ادیب اور جین پرکاش کا مصنف تھا اور بھٹ اوتار نے جین پرکاش اور اقسوم نام کی دو مشہور کتابیں تصنیف کی تھی۔

نظام حکومت

سلطان زین العابدین نے حکومت کے نظم و ضبط میں کئی اصلاحات کیں۔ اس نے وادئ کشمیر کی زمینوں کی پیمائش کرائی اور زرخیز زمینوں کا بیورہ تیار کرایا۔ اس نے سلطنت کو پرگنوں میں، پرگنوں کو گاؤں میں اور گاؤں کو کاشتکاروں میں منقسم کیا۔ پیداوار کا چھٹا حصہ محاصل کے طور پر وصول کیا جاتا تھا۔ مالگزاری کی وصولی اناج کی شکل میں ہوتی تھی۔ زمینوں کی آبپاشی کے لئے نہروں کا جال بچھا دیا تھا۔ نہر کا کاپور، کرالہ نہر، شکدر نہر، اونتی نہر، شاہ کھل (صفاپور) نہر، جین گنگا نہر، فرو نہر، مار نہر وغیرہ اہم نہریں ہیں۔ معاشی و اقتصادی اصلاح میں سلطان زین

العابدین نے سبھی چیزوں کی قیمت کو مستحکم کیا اور نگران منتخب کیا، جو بازاروں کا جائزہ لیتا رہتا تھا، اس کے لئے باقاعدہ قیمت کنٹرول نظام بنایا گیا۔ جب کبھی قیمت میں تبدیلی کی جاتی تو تانبے کی پتی میں لکھ کر بازاروں میں کئی جگہوں پر لٹکا دیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ سلطان زین العابدین نے تانبے اور چاندی کے سکے جاری کئے۔

تہذیب وتمدن اور علم وادب میں دل چسپی

سلطان زین العابدین کے عہد میں کوئی ایسا شعبہ نہیں تھا جس میں ارتقاء کا کام نہ ہوا ہو۔ سلطان زین العابدین نے فنون لطیفہ، علم و ادب اور فن تعمیر میں بہت دل چسپی لی اور علماء، فضلاء و معماروں کی فیاضانہ سرپرستی کی۔ وہ ہندو مسلمان دونوں کی تقاریب میں حصہ لیتا تھا۔ اسے ناچ گانے سے بھی دل چسپی تھی۔

علاوہ بریں سلطان زین العابدین ایک بہت بڑا ادیب بھی تھا، وہ فارسی، سنسکرت اور کشمیری زبان کا ماہر تھا۔ وہ خطیب تخلص سے فارسی زبان میں شاعری بھی کرتا تھا اس نے مُلا احمد کو جو بہت مشہور فارسی ادیب تھا مہابھارت، وشاوتار، کلہڑ کی راج ترنگنی کو فارسی میں ترجمہ کرنے پر مامور کیا تھا۔ اس کے عہد میں کئی ایک جنگ ناموں اور رزمیہ نظموں کی تخلیق کی گئی۔ اتم پنڈت نے کشمیری زبان میں کشمیر کے حکمرانوں کی تاریخ لکھی۔ یدو بھٹ نے سلطان زین العابدین کے حیات و کارناموں پر سوانح عمری لکھی۔ بھٹ اوتار نے فردوسی کے شاہ نامہ کے طرز پر جین و یلاس نام سے کشمیر کی تاریخ لکھی جون راج نے راجترنگنی کی دوسری جلد لکھ کر 1458ء تک کی تاریخ لکھی۔ شری ور نے راجترنگنی کا تیسرا حصہ لکھا۔ زین العابدین نے اپنے نااہل بیٹوں کے طرز زندگی پر مختصر شکایت نامہ تصنیف کی۔

زین العابدین نے تعمیرات میں بھی دل چسپی لی۔ کئی ایک نئے شہر بسائے جن میں نوشہر (وسچار ناگ)، جین گیر، جین پور اور جین کوٹ اہم ہیں۔ علاوہ بریں زین العابدین نے لنگا اور سون نام کے دو جزیرے ڈل جھیل میں بنوائے اور وولر جھیل میں لنکا نام کا مصنوعی جزیرہ بنوایا۔

زین العابدین کے عہد کے قبل کشمیری صرف کاشتکاری پر ہی منحصر تھے اور برفیلے مہینوں کی وجہ سے صرف ایک ہی فصل پیدا ہو پاتی تھی جس کی وجہ سے زندگی بہت دشوار تھی۔ زین العابدین نے کاشتکاری کے علاوہ دست کاری کو فروغ دیا۔ اس نے پتھر تراشنے، شال بننے، بندوق بنانے اور آتش بازی کے ہنر کی خوب سرپرستی کی۔ اس کے عہد میں مشہور بندوق صنعت کار حبیب تھا اسی کی مدد سے سلطان زین العابدین نے بارود پر ایک کتاب تصنیف کی۔ کاغذ بنانے اور جلد سازی کے ہنر کو سیکھنے کے لئے کاریگروں کو سمرقند بھیجا۔ شال بنانے کی دستکاری کو کشمیریوں نے تبت سے سیکھا تھا۔

زین العابدین ایک عظیم حکمران تھا مگر اسے اپنے دو نااہل فرزندوں کی وجہ سے پریشان بھی ہونا پڑتا تھا کیونکہ ان دونوں نے بغاوت کر آپس میں جنگ کی۔ بڑا بیٹا آدم خان اور چھوٹا حاجی خان تھا۔ زین العابدین نے اپنے بڑے بیٹے آدم خان سے ناراض ہو کر اسے اپنے علاقہ سے باہر نکال دیا اور چھوٹے بیٹے حاجی خان کو اپنا جانشین منتخب کیا۔

معلومات کی جانچ:

(1) زین العابدین کا برہمنوں کے ساتھ کیسا رویہ تھا؟

(2) زین العابدین کے نظام حکومت پر نوٹ لکھیے ۔

(3) زین العابدین کی علمی سرپرستی پر روشنی ڈالیے ۔

(4) زین العابدین نے کن کن صنعتوں کو فروغ دیا؟

13.4.5 زین العابدین کے جانشین

سلطان زین العابدین کے سبھی جانشین نااہل ثابت ہوئے ۔اس کے انتقال کے بعد اسکا چھوٹا بیٹا حاجی خان (72-1470) حیدر شاہ کا لقب اختیار کر تخت نشین ہوا ۔وہ اکثر شراب کے نشے میں ڈوبا رہتا تھا اور حکومت کے دوسرے ہی سال شراب کے نشے میں گر کر مر گیا ۔اس کے بعد اس کے بیٹے حسن شاہ (84-1472) نے عنان حکومت سنبھالی ۔اس نے امیر الامراء کا لقب اختیار کیا ۔اس نے بھی نظام سلطنت میں دل چسپی نہیں لی اور اپنا زیادہ تر وقت ناچ گانے اور عیاشی میں گزارا ۔اس کے دربار میں تقریباً دو سو مرد اور عورت قوال تھے اور سینکڑوں کی تعداد میں گویوں کو محل میں نوکر کی طرح رکھتا تھا ۔وہ خود بھی سرود نواز اور شاعر تھا ۔وہ کشمیری اور سنسکرت زبان میں شاعری کرتا تھا ۔اس کے عہد میں 1479ء میں زبردست آگ لگنے کی وجہ سے شمالی مشرقی سری نگر جل کر خاک ہو گیا تھا ۔

حسن شاہ کے بعد محمد شاہ (87-1484) سے لے کر محمد شاہ سوم (28-1516) کے عہد تک سلطنت کی باگ ڈور سیاست کی نذر رہی ۔ یعنی اعلیٰ افسروں اور وزراء کی سیاسی چالوں کے سبب کئی بار سلاطین کو سلطنت سے ہٹایا گیا اور انہی کو پھر دوبارہ سلطنت پر فائز کیا گیا ۔1540ء میں مغل بادشاہ ہمایوں کے چچا زاد بھائی مرزا حیدر دوغلات نے امراء کی مدد سے تخت پر قبضہ کر لیا اور ناز ک شاہ کے لقب سے حکومت کرنے لگا ۔ ناز ک شاہ کو بھی کئی مرتبہ تخت سے اتارا اور بٹھایا گیا ۔ 1550ء میں مقامی بغاوت کو روکنے وہ مارا گیا ،اس کے بعد ملک دولت چک نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی اور چک سلطنت کی بنیاد رکھی اور تقریباً 27 سالوں تک حکومت کی ۔اس سلطنت کا مشہور حکمران محمد غازی شاہ چک تھا ۔آخری چک سلطان ناصر الدین محمد یعقوب شاہ کو شکست دے کر مغل بادشاہ اکبر نے 1586ء میں کشمیر پر قبضہ کر لیا ۔

معلومات کی جانچ:

(1) امیر الامراء کا لقب کس نے اختیار کیا تھا؟

(2) کس کے عہد میں قوال اور گویوں کو اہمیت دی گئی؟

(3) حسن شاہ کن کن زبانوں میں شاعری کرتا تھا؟

13.5 خلاصہ

خود مختار مسلمانوں کے زمانے میں بنگال میں بڑی ترقی ہوئی ۔ملک کے گوشے گوشے میں سرکاری عمارت ، قلعے ،مسجدیں و مدرسے ، اقامت خانے ،سرائیں اور خانقاہیں تعمیر ہوئیں ۔تالاب کھودے گئے اور سڑکیں تیار ہوئیں ۔اس عہد میں دو شاہی خاندان حکمران رہے: ایک

حاجی الیاس اور دوسرا علاؤالدین حسین کا، درمیان میں راجا کنس (گنیش) اور اس کے جانشینوں نے کچھ عرصے کے لئے حکومت غصب کر لی تھی۔مملکت بنگال کو مسلمانوں نے یہ وسعت دی کہ مغربی آسام، کوچ بہار اور اڑیسہ کے اقطاع اور شمالی جنوبی بہار کا علاقہ ان کے زیر حکومت رہا۔اس مملکت کے مرکزی شہر تین تھے:

(1) گوڑ جو قدیم لکھنوتی کا نیا نام ہے اور وسط بنگال (ضلع مالدہ) میں گنگا کے کنارے واقع ہے اور چند وقفوں کے ساتھ بہت عرصے تک پائے تخت رہا۔

(2) مشرق میں سنارگاؤں: موجودہ ڈھاکے کے قریب ایک وسیع شہر تھا۔

(3) ساتگاؤں، دریائے ہگلی پر تجارتی اور انتظامی مرکز تھا۔

کشمیر میں 1339ء میں شاہ میرزا نے سلطان شمس الدین اول کے لقب سے ایک مسلمان خاندان ''شاہ میری'' کی بنا رکھی۔اس کے عہد میں ہندوؤں سے رواداری کا سلوک رہا، وہ سرکاری ملازمتوں میں بھی متعین ہوتے رہے۔اس خاندان کے حاکم سکندر شاہ کے عہد میں کچھ تبدیلی رونما ہوئی، مندروں کو گرایا گیا، بتوں کو پگھلا کر سکہ ڈھالے گئے۔سکندر شاہ کے بعد زین العابدین نے اپنے عہد حکومت میں رواداری کا طریقہ اختیار کیا۔وہ ہر لحاظ سے نہایت اچھا بادشاہ تھا۔اس کے عہد میں عدل و انصاف کا دور دورہ تھا۔اس عہد کو کشمیر کے ہر طبقے کے لوگ سنہرے دور کی حیثیت سے یاد کرتے ہیں۔اس نے سڑکیں، نہریں اور پل تعمیر کرائے اور ہر طرح سے ملک کی خوشحالی کو فروغ دیا۔اس کے جانشینوں کے عہد میں پھر بدنظمی پھیل گئی۔شیعہ چکوں نے بڑا اثر و اقتدار حاصل کر لیا اور آخر کار حکمرانوں کی جگہ لے لی اور اپنے لئے بادشاہ کا لقب اختیار کیا۔جب بابر نے شمالی ہندوستان کو فتح کر لیا تو اس کی توجہ کشمیر کی جانب ہوئی اور ایک مختصر سی مہم بھیجی جسے کامیابی نہ ملی، لیکن ہمایوں کے عہد میں اسکا چچا زاد بھائی مرزا حیدر دغلات ہمایوں کے نام سے کشمیر پر مغلیہ حکومت کرنے میں کامیاب ہو گیا حالانکہ ہمایوں شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر ایران چلا گیا تھا مگر دغلات کی حکومت کشمیر میں 1551ء تک برقرار رہی۔اس کے بعد یہاں چک حکومت قائم ہوئی۔آخر کار اکبر نے 1586ء میں کشمیر پر فوج کشی کی اور کشمیر کو مغل سلطنت کا حصہ بنا لیا۔

13.6 فرہنگ اصطلاحات

الفاظ	معانی
رعیت	ملک کے لوگ جو کسی کے ماتحت ہوں
آسودہ	آرام کرنے والا
اطوار	وضع، ڈھنگ (طور کی جمع)
التفات	توجہ، رغبت
شعار	چلن، طریقہ

تعمیل	عمل کرنا، حکم بجالانا
تاخیر	دیر، پیچھے چھوڑنا
رعایت	تخفیف
افتاد	مصیبت، اچانک سانحہ
تعرض	مزاحمت کرنا، روک

13.7 نمونے کے امتحانی سوالات

درج ذیل کے سوالات کے جواب تیس سطروں میں لکھیے۔

(1) الیاس شاہی سلطنت پر مختصر نوٹ لکھیے۔

(2) حسین شاہی خاندان نے کب اور کہاں حکومت کی؟ ان کے کارناموں کا جائزہ لیجیے۔

(3) حکومت کشمیر پر روشنی ڈالیے۔

حسب ذیل سوالات کے جواب پندرہ سطروں میں لکھیے۔

(1) حبشی سلطنت کے کردار پر روشنی ڈالیے۔

(2) شاہ مرزا نے کشمیر پر کس طرح اپنی حکومت قائم کی؟

(3) سلطان زین العابدین کو کشمیر کا اکبر کیوں کہا جاتا ہے؟

13.8 مطالعہ کے لئے معاون کتابیں

(1) دائرۃ المعارف

(2) تاریخ فرشتہ از محمد قاسم فرشتہ

(3) S.K.Panday - Medieval India

(4) Masudul Hasan - History of Islam